مقالاتِ خطیب الاسلام

مع

ارمغانِ فیض

رشحات قلم

صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ قدس سرہ الاحسن

ناشر

تنظیم الاسلام پبلیکیشنز

Marfat.com

مقالاتِ خطیب الاسلام

مع

ارمغانِ فیض

(نعت و نظم)

رشحاتِ قلم

خطیب الاسلام، قائدِ تحریکِ ختمِ نبوت، قافلہ سالارِ تحریکِ حریت

حضرت صاحبزادہ **سید فیض الحسن** قدس سرہ الاحسن — وارثِ مسندِ آلو مہار شریف، سابق صدر جمعیۃ العلماء پاکستان

ترتیب و تدوین

سراج العارفین، شہبازِ طریقت، شارحِ مکتوباتِ امام ربانی

حضرت علامہ ابوالبیان **پیر محمد سعید احمد مجددی** قدس سرہ العزیز

ناشر

تنظیم الاسلام پبلیکیشنز

121-بی ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ پاکستان

☎:+92-55-3841160

Marfat.com

جملہ حقوق بحقِ ادارہ محفوظ

نام کتاب .... مقالاتِ خطیب الاسلام مع ارمغانِ فیض

تصنیف .... خطیب الاسلام صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب وتدوین ...... ابوالبیان علامہ پیر محمد سعید احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ

تخریج .... محمد رمضان احمد مجددی پی۔ایچ۔ڈی (اسکالر)

محمد راشد مجددی پی۔ایچ۔ڈی (اسکالر)

پروف ریڈنگ ..... محمد توقیر احمد مجددی فاضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ (بھیرہ شریف)

محمد اشفاق احمد مجددی ایل۔ایل۔بی (شریعہ اینڈ لاء)

باراول 1995ء

باردوم 2015ء

صفحات ....

ہدیہ ....

ناشر

تنظیم الاسلام پبلی کیشنز

مرکزی جامع مسجد نقشبندیہ 121۔بی ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ

Tanzeem-ul-Islam Publications

121-B Model Town Gujranwala, Pakistan
Ph : +92-55-3841160, Fax: 055-3731933
Cell #: 0321-6268110
URL: www.tanzeemulislam.org
E-mail: tanzeemulislam@yahoo.com

Marfat.com

بِسۡمِ اللہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَاۤ اِنۡ نَّسِیۡنَاۤ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحۡمِلۡ عَلَیۡنَاۤ اِصۡرًا کَمَا حَمَلۡتَہٗ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلۡنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ ۚ وَاعۡفُ عَنَّا ٝ وَاغۡفِرۡ لَنَا ٝ وَارۡحَمۡنَا ٝ اَنۡتَ مَوۡلٰىنَا فَانۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ

رَبَّنَا

تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ

وَتُبۡ عَلَیۡنَا ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ

Marfat.com

اَللّٰھُمَّ
اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ
عَنِّیْ
یَا غَفُوْرُ یَا غَفُوْرُ یَا غَفُوْرُ

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ مِنْ جَمِیْعِ مَا کَرِہَ اللّٰہُ

سُبْحَانَہٗ قَوْلًا وَّ فِعْلًا وَّ خَاطِرًا وَّ سَامِعًا وَّ نَاظِرًا

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

◎

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

Marfat.com

اَلْاِهداء

ارمغانِ نیاز بحضورِ ناز

قدوۃ العلماء الراسخین زبدۃ العرفاء الکاملین

واقفِ اسرارِ متشابہات کاشفِ حقائق مقطعات

حجلہ نشینِ حریم امامت حُلہ پوش خلعتِ قیومیت

عُروۃ الوثقٰی

حضرت خواجہ مُحمّد معصُوم فارُوقی سرہندی قدس سرہ العزیز

جن کی توجہاتِ قدسیہ اور تصرفاتِ باطنیہ کی بدولت

خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ فیض قدس سرہٗ

نسبتِ نقشبندیہ کی تمیم اور سلوکِ مجددیہ کی تکمیل سے شادکام ہوئے

گر قبول افتد زہے عزوشرف

/

صاحبزادہ محمد رفیق احمد مجددی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے حضرت انسان کو مافی الضمیر کے اظہار کے لئے زبان و بیان اور قلم و قرطاس مرحمت فرمائے اس لئے اظہار مدعا کے لئے وہ کبھی طلاقت لسانی کو بروئے کار لاتا ہے اور کبھی بذریعہ کلک صفحہ قرطاس پر نقوش ثبت کرتا ہے۔ لیکن یہ امر بدیہی ہے کہ مہمل کلام کے علاوہ زبان کے ذریعے لٹائے گئے، لؤلوئے لالہ بھی فضاؤں میں تحلیل ہو کر رہ جاتے ہیں مگر رشحاتِ قلم کو دوام ملتا ہے۔ اگر وہ شہ پارہ الہام ربانی اور القائے رحمانی سے معرض تحریر میں آیا ہو تو وہ ہمیشہ کے لئے امر ہو جاتا ہے۔

خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ (وارث مسند آلو مہار شریف) برصغیر کے یگانہ روزگار خطیب تھے۔ جن کی طلاقت لسانی اور سلاست زبانی کے اپنے اور بیگانے بھی معترف تھے۔ جنہیں سن کر بزعم خویش بڑے بڑے خطباء و مقررین انگشت بدنداں رہ جاتے تھے۔ یہ شعر ان کی قادر الکلامی اور جرأت و سطوت کا غماز معلوم ہوتا ہے

اپنی تقریروں کو سوز جاودانی بخش کر
پانچ دریاؤں کے پانی کی روانی بخش کر

Marfat.com

میں نے شاہوں کے تخت روند ڈالے دوستو
میں نے تاج و تخت نیزوں پر اُچھالے دوستو

حیاتِ مستعار کے ہنگامہ خیز لمحات میں گاہے گاہے اپنے جذبات و کیفیات کو سلکِ تحریر میں بھی پرو دیتے ہیں۔ اس لئے آپ کے منثور و منظوم جواہر پارے بھی ملتے ہیں جنہیں آقائے ولی نعمت، سراج العارفین حضرت علامہ ابوالبیان پیر محمد سعید احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت جگر کاوی اور دیدہ ریزی سے جدا جدا شائع فرمایا تھا۔ اربابِ ذوق کے بار بار اصرار پر اب ان مقالات و منظومات کو نئی تزئین و ترتیب کے ساتھ یکجا کر کے دوبارہ شائع کیا جارہا ہے نثر و نظم کا یہ حسین مرقع اہل ذوق کے لئے گویا دو آتشہ جام ہے۔ جن کے مطالعہ سے اہل بصیرت ہمیشہ حسن مستور کی جلوہ سامانیوں سے مستنیر ہوتے رہیں گے جس کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کا شرف تنظیم الاسلام گرافکس اور ابوالبیان ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے احباب کو حاصل ہوا ہے اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو قبول فرما کر مزید دین متین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

اللهم امين بجاه النبی الکریم الامین علیه التحیة و التسلیم

صاحبزادہ محمد رفیق احمد مجددی

سجادہ نشین درگاہ حضرت ابوالبیان رحمۃ اللہ علیہ ○ امیر تنظیم عالمی ادارہ تنظیم الاسلام

Marfat.com

پیش لفظ

خطیب الاسلام، شیخ طریقت حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن رحمۃ اللہ علیہ (تاجدار مسند آلومہار شریف) کی ہمہ جہت عبقری شخصیت اہل پاکستان کے لیے کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ زمانہ آپ کی علمی، فکری، روحانی اور سیاسی عظمتوں کا معترف ہے۔ مگر آپ کی شاعری اور نثر نگاری کی لازوال رفعتوں سے ابھی زیادہ لوگ باخبر نہیں ہیں۔ متعدد تحریکوں کی قیادت اور تبلیغی سرگرمیوں کی مصروفیات کے سبب آپ کی زندگی ریل یا جیل میں گذری۔ کبھی کبھار فرصت کے لمحات میں کچھ لکھ بھی لیا کرتے تھے مگر عدیم الفرصتی نظر ثانی سے بھی مانع رہتی۔

پیش نظر مقالات کا یہ مجموعہ ''مقالات خطیب الاسلام'' کے نام سے ایسے وقت میں شائع ہو رہا ہے کہ آپ ظاہری حیات کے ساتھ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں

''حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد''

حضرت خطیب الاسلام کے چند مقالات متعدد احباب کی طرف سے مختلف اوقات میں منتشر اوراق کی صورت میں حاصل ہوئے۔ کچھ بکھری ہوئی تحریریں حضرت صاحبزادہ سید خالد حسن رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے عطا فرمائیں، ظاہر ہے کہ یہ مقالات حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی مطلوبہ ترتیب اور نظر ثانی کے مرحلوں سے نہیں گذر سکے۔

Marfat.com

تاہم اس کے باوجود تحریریں، فکروفن اور ذوق وادب کی معراج نظر آتی ہیں گویا ایک تختہ چمن ہے جو دینی، تحقیقی، روحانی، ادبی اور نفسیاتی گلہائے رنگارنگ سے لالہ فام ہے۔ ہر حرفِ عقیدت میں گندھا ہوا، ہر لفظ محبت میں ڈوبا ہوا، قلم کے وقار اور کلام کے نکھار کا شہکار معلوم ہوتا ہے۔

قحط الرجال کے اس دور میں آپ کے یہ مقالات اربابِ ذوق کے لیے عظیم سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں خصوصاً مغربی علوم اور مادی فلسفوں سے مرعوب ومتاثر افراد کے لیے ''بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم'' لے چلنے کا باعث ہوں گے۔ گو یہ مقالات مختلف الانواع مضامین پر مشتمل ہیں اور تقریبات ومحرکات کے لحاظ سے ان میں تفاوت وتنوع ہے لیکن اس کثرت میں ایک ہی وحدت کا رنگ غالب ہے اور وہ یہ کہ ان سب کا تعلق ذاتِ نبوت علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات سے ہے۔

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے بلند پایہ علمی اور فکری مقالات کی ترتیب و تسوید، میرے لیے خاصا مشکل مرحلہ تھا، میں اپنے محسن ومحترم جناب پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحب صدر شعبہ اردو گورنمنٹ اسلامیہ کالج گوجرانوالہ کا بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے اپنے فکری اور فنی تعاون سے نوازا اور ''مقالات خطیب الاسلام'' کے لیے ''اعتراف'' کے عنوان سے ایک خوبصورت، علمی، ادبی تعارفی ابتدائیہ بھی تحریر فرمایا۔

نیز اس سلسلے میں علامہ محمد نوید اقبال مجددی، علامہ بشارت علی مجددی اور علامہ تنویر حسین مجددی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس مجموعہ کی ترتیب وتسوید، تزئین وتنظیم، پروف ریڈنگ اور دیگر طباعتی واشاعتی مرحلوں میں مخلصانہ تعاون کے ذریعے محبت کا حق ادا فرمایا۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء

المجد داکیڈمی گوجرانوالہ کی طرف سے یہ تیسری پیشکش ہدیہ ناظرین ہے۔

Marfat.com

ناظرین کرام سے استدعا ہے کہ اگر اس مجموعہ میں کوئی لفظی یا معنوی سقم یا کوئی فروگذاشت پائیں تو نشاندہی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر دی جائے۔

نیز قارئین کرام سے پُرخلوص درخواست ہے کہ ''مقالات خطیب الاسلام'' کا مطالعہ کرتے وقت حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے لیے دعائے خیر وایصال ثواب کا اہتمام ضرور فرمائیں۔ اور اس بندہ ناچیز (مرتب) کو بھی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم و تب علينا انك انت التواب الرحيم و صلے الله تعالى على خير خلقه سيدنا و مولانا محمد و على اله واصحابه اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين

العبد المذنب الفقير الراجى الى عفو ربه القدير

محمد سعید احمد مجددی

مرکزی جامع مسجد نقشبندیہ

ماڈل ٹاؤن بی بلاک گوجرانوالہ

بروز جمعۃ المبارک ۱۵ شوال المکرم، ۱۴۱۵ھ

بمطابق ۱۷ مارچ، ۱۹۹۵ء

Marfat.com

فہرست

مضامین	صفحہ
تشکر	
پروفیسر اقبال جاوید	۱۷
اعتراف	
پروفیسر اقبال جاوید	۱۸
حضرت خطیب الاسلام کی قلمی تصویر	
ابوالبیان علامہ محمد سعید احمد مجددی	۳۹
حضرت خطیب الاسلام کا سوانحی خاکہ	
ابوالبیان علامہ محمد سعید احمد مجددی	۴۱
مختصر حالات مدونِ مقالات	
محمد نوید اقبال مجددی ایم فل (اسکالر)	۷۱
حمد وثناء	۸۷
کلمہ طیبہ	۸۹
ربوبیت	۹۴
نیاز وناز	۱۰۰
عصمتِ نبوت	۱۰۲
عشق رسول ﷺ	۱۱۳

مضامین	صفحہ
ارتقائے انسانی اور اسوۂ مصطفیٰ ﷺ	۱۲۳
رسولِ رحمت اور اصول جنگ	۱۳۱
عقیدت وارادت	۱۴۴
سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ	۱۴۶
امام حسین رضی اللہ عنہ اور سنتِ رسول ﷺ	۱۶۲
کربلا میں کون جیتا، کون ہارا	۱۶۹
جذب وجنوں	۱۷۷
تصوف کا اجمالی تعارف	۱۷۹
گوش سے آغوش تک	۱۸۵
مراقبہ	۲۲۳
قلبِ بیدار	۲۶۵
مرشد کی ضرورت واہمیت	۲۸۴
تعلیماتِ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ	۳۰۰
شرائط راہِ سلوک	۳۱۶
محبت......علتِ وصل ہے	۳۱۸
روحانی مکاشفات	۳۲۰
انسان نسخۂ جامعہ ہے	۳۲۴
فکرونظر	۳۲۵
حقیقتِ کائنات	۳۲۷
بطلانِ مادیت اور عرفان حقیقت	۳۴۴

مضامین	صفحہ
شعورِ ذات اور شفائے امراض	۳۵۱
قربِ ذات یا منزل فنا	۳۵۷
منزلِ صبر	۳۶۴
فلسفہ دعا	۳۷۱
ذکر سے اطمینان ملتا ہے	۳۷۹
احترام والدین	۳۸۷
احترامِ استاد	۳۹۵
جادۂ اعتدال، باعث نجات	۴۰۰
ارضِ پاک	۴۲۰
پاکستان میں نفاذ اسلام کیسے ممکن ہے؟	۴۰۴
اسلامی آئین کے پیش نظر امیر کا مقام	۴۱۹
اسلامی اتحاد کے وسائل	۴۲۵
قرآن اور تعمیر اقوام	۴۳۷
نفسیات	
بھول جایئے!	۴۴۳
غم کا نفسیاتی علاج	۴۴۸
پریشانیوں کا نفسیاتی علاج	۴۵۵
سیر وسفر اور صحت مند کھیلیں	
ایک نفسیاتی تجزیہ	۴۶۳
زندگی خواب کی مانند ہے	۴۷۱

Marfat.com

ارمغانِ فیض

	صفحہ
حمد	
جہاں بزمِ خرد میں منتہائے جستجو تو ہے	۴۷۵
مکان ہو کہ لامکاں وہی ہے عیاں یہاں وہاں	۴۷۶
نعت	
تیری نوائے شوق سے وجد میں ہے حریمِ ذات	۴۷۸
تیرے وقار پر فدا رُعب وجلالِ موسوی	۴۸۰
تیرا پیامِ سرمدی امنِ جہان کا کفیل	۴۸۲
حسن تیرا ہے جلوہ گر تابشِ مہر و ماہ میں	۴۸۳
عیب ڈھلتے ہیں سیہ کاروں کے	۴۸۴
بخشا جمالِ زندگی جاں کو شہِ حجاز نے	۴۸۶
فکر وفن تیرے لئے حسنِ بیان تیرے لئے	۴۸۸
گر نقاب اپنا الگ وہ رخِ زیبا کر دے	۴۸۹
ہے حجابات شکن ذوقِ تماشا تیرا	۴۹۰
ہمسری کون کرے تیری کہ خود خالق نے	۴۹۱
جنوں کو راستۂ ارتقا نہیں ملتا	۴۹۲
ازل کے دل کا قرار تو ہے ابد کے رخ کا نکھار تو ہے	۴۹۳

صفحہ	مضامین
۴۹۵	دل ونگاہ میں ہے سوزِ آرزو تجھ سے
۴۹۷	پرے ہے عقل کی پرواز سے مقام ترا
۴۹۹	کس پہ نہیں ہے دہر میں احسانِ مصطفیٰ
۵۰۱	برائے شیخ عمل کا ثواب کافی ہے
۵۰۳	لبریزِ مے ہے سب کے لئے جامِ مصطفیٰ
۵۰۵	المدد اے رحمۃ للعالمین جاں گسل ہے پھر غمِ دنیا و دیں
۵۰۷	میرے غم کا بھی مداوا کیجئے
۵۰۸	بڑھ رہے ہیں پھر ہوس کے حوصلے
۵۰۹	ہو سکے گی کفر کے در پر نہ خم
۵۱۰	تابشِ نورِ ازل جب ظلمتوں میں کھوگئی
۵۱۴	بیاں کس سے ہو رفعتِ شانِ احمد
۵۱۵	جمالِ شاہِ بطحا حق نما معلوم ہوتا ہے
۵۱۶	طوفانِ بلا میں گراں کی رحمت کا اشارہ ہو جائے
۵۱۷	تو حاصلِ گلشن ہے اے لالۂ صحرائی
۵۱۸	ہے جانِ نگاراں نگارِ مدینہ
۵۱۹	حجابِ حسن میں پنہاں رہا نگارِ قدم
۵۲۰	نگاہِ پیر مغانِ ازل کا نور ہے تو
۵۲۱	تشنہ تھا میرا ذوقِ تماشا ترے بغیر
۵۲۲	کیوں کھائے زہر غم بھلا مستانہ آپ کا

صفحہ	مضامین
۵۲۳	عشق کھاتا ہے اسی حسن مجسم کی قسم
۵۲۵	کمالِ سلسلۂ خُلق احمدِ عربی
۵۲۶	رفیقِ معتبرِ غارِ ثور ہے صدیق
	منقبت
۵۲۸	واہ کیا مرتبہ ہے فاتحِ خیبر تیرا
۵۳۰	کنیز تیری جہاں بھر کی سروری زہرا
۵۳۲	غازۂ روئے صداقت ہے شہادت تیری
۵۳۴	کیا نہادِ شکستہ دیں کو آ کے پھر استوار تو نے
	نظم
۵۳۷	یہ فرشتوں کا ترنم ہے کہ حوروں کی صدا
۵۳۸	نیاز و ناز کی اک طرز گفتگو ہے نماز
۵۳۹	جبلت کے تقاضوں کو محبت آشنا کرنا
۵۴۰	مسافرانِ رہِ شوق کامیاب ہوئے
۵۴۱	حسن سے ذوق ہے اور ذوق سے تسکین حیات
۵۴۲	زندگی حسن ہے اور حسن کی تفسیر بھی ہے
۵۴۳	حُسن بزمِ ناز میں محوِ جمالِ خویش تھا
۵۴۴	خرد کو جب بھی ملا وہ پس نقاب ملا
۵۴۵	گوشِ جنوں سے سن لیا جس نے پیام عاشقی
۵۴۹	عشق و مستی کا حسیں دلکش نگر آلو مہار

Marfat.com

تشکر

میری نیاز مندیاں حضرت ابوالبیان علامہ محمد سعید احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ کی اقبال نوازیوں کے لئے ممنون احسان ہیں کہ انہوں نے ''مقالات خطیب الاسلام'' کے تعارف کیلئے ، احقر کو منتخب کیا، جبکہ اس کا دامن علم اور عمل دونوں سے خالی ہے ۔ تعمیلِ ارشاد صرف اس بنا پر ہو رہی ہے کہ حضرت خطیب الاسلام صاحبزادہ فیض الحسن مرحوم کے ہم پر بہت سے علمی اور روحانی احسان ہیں اور یہ اظہار تشکر کی ایک ناچیز کاوش ہے۔ کیا معلوم حضرت خطیب الاسلام کی روح یہیں کہیں موجود اپنے مخصوص لہجے میں کہہ رہی ہو

اِک حرف دل نشیں ہوں مجھے بھولیے نہیں
آواز دوستاں ہوں، مجھے یاد کیجئے
وہ کاروان شوق جو رستے میں لٹ گیا
میں اس کا اِک نشاں ہوں مجھے یاد کیجئے

(پروفیسر) محمد اقبال جاوید

Marfat.com

اعتراف

پروفیسر محمد اقبال جاوید

صدر شعبہ اردو گورنمنٹ اسلامیہ کالج گوجرانوالہ

اہل نقد و نظر کا خیال ہے کہ اسلوب، فکر اور جذبے کے اظہار کا نام ہے۔ خیالات عام فہم پیرائے میں ادا ہو جائیں تو اسے نثر کہیں گے اور جذبات ایک مترنم ہیئت کے سانچے میں ڈھل جائیں تو وہ نظم کہلائیں گے۔ نثر میں براہ راست نوعیت کی ایک واضح اور قطعی صورت ہوتی ہے تاکہ بات جلد سے جلد قاری کے ذہن تک پہنچ جائے۔ جبکہ شعر میں ایک رومانی فضا اُبھارنے کے لئے ابہام و ایہام کی بلاغت، بحور و قوافی کی نغمگی اور بیان و بدیع کی مجاز آفرینی سے اس لئے کام لیا جاتا ہے کہ جذباتی کیفیت سے قاری کا وجدان تأثر قبول کرے۔ مگر بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ خیال اور جذبہ الگ الگ نہیں رہ سکتے بلکہ اس انداز سے گھل مل جاتے ہیں جیسے کسی نے دودھ اور شہد کو ملا کر جام زمردیں میں ڈال دیا ہو۔ یہی وہ مقام ہے جہاں کسی کی نثر میں شعر کے تیور آ جاتے ہیں اور کسی کی نظم پر نثر کا گمان گزرتا ہے۔

''یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ وہ ادبی تخلیق جس کو ہم ہیئت کے اعتبار سے نظم کہتے ہوں، شعریت سے بالکل محروم ہو اور اس کے برخلاف وہ شہ پارہ ادب جو ظاہری خد و خال کے لحاظ سے نثر کے زمرے میں آتا ہو، زبان و بیان کی لطافتوں کے باعث ہزاروں شعروں پر بھاری ہو'' (۱)

اسی نوع کی وہ آراستہ نثر تھی کہ اسے دیکھ کر حسرت موہانی کہہ اٹھے تھے کہ اب

ع نظم حسرت میں کچھ مزا نہ رہا

''مقالات خطیب الاسلام'' کی خوبصورت نثر اِسی خیال کی مؤید ہے اور یہی خیال احقر کے اشہبِ قلم کے لئے مہمیز کا کام دے رہا ہے۔

مرے لہجے میں آئی ہے حلاوت
جمالِ ہم نشیں تیرے اثر سے

خطیب الاسلام صاحبزادہ سید فیض الحسن رحمۃ اللہ علیہ، برصغیر کی اس تابناک تاریخ کا ایک ورق ہیں جس پر فکر ونظر اور شعر وادب کی کہکشاں بجا طور پر ناز کر سکتی ہے۔ تب علامہ اقبال کی مفکرانہ عظمتوں، مولانا ابوالکلام آزاد کی عالمانہ وجاہتوں، مولانا ظفر علی خاں کی ادیبانہ رفعتوں اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے خطیبانہ زمزموں سے برصغیر گونج رہا تھا۔ صاحبزادہ سید فیض الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے ان دیو قامت شخصیتوں کے ہالے میں اپنی انفرادیت کو منوایا۔ وہ ان شخصیتوں سے یقیناً متاثر بھی ہوئے مگر رنگ، ڈھنگ اور آہنگ ان کا اپنا رہا، بلکہ اپنی گفتار اور اپنے کردار سے انہیں بھی متاثر کیا۔

وہ ایک خطیب تھے کہ بولتے تھے تو یوں لگتا تھا کہ ایک تختۂ چمن کھلا ہوا ہے اور رنگا رنگ پھول شاخِ گفتار سے جھڑتے چلے جا رہے ہیں...... ایک ادیب تھے کہ قلم اُٹھاتے تھے تو لولوئے لالہ بکھرتے چلے جاتے تھے...... ایک طبیب تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں شفا رکھ دی تھی...... ایک شاعر تھے کہ جب بھی خلوت میسر آتی تھی تو جملوں کی موزونیت، مصرعوں میں تبدیل ہو جاتی تھی...... ایک صوفی تھے کہ عالمِ کثرت میں، حسنِ وحدت کے تمنائی اور تماشائی رہتے تھے...... وہ خانقاہی مزاج رکھنے کے باوجود، وقت کی ہر کربلا میں رسم شبیری ادا کرنا فرض سمجھتے تھے۔

ع اک شخص جس میں جمع تھا گلزار اب کہاں

Marfat.com

وہ برصغیر کی سیاسی اور دینی تحریکوں میں حسن استقامت کے والہانہ پن کے ساتھ شریک رہے۔ ان کی سوچ سے اختلاف تو ہوسکتا ہے مگر ان کے خلوص عمل اور جوشِ عمل دونوں سے انکار مشکل ہے۔ اختلاف کے باوصف، عظمت کا اعتراف، خود عظمت کی دلیل ہوا کرتا ہے۔

زیرنظر اوراق میں ان کی تقریریں بھی ہیں اور تحریریں بھی۔ یہ ادب پارے ایک دینی اور سیاسی شخصیت کی ادبی اور فکری زندگی کا ایک گراں بہا ورثہ ہیں۔ اس ورثے میں وقعت بھی ہے اور وقار بھی...... لطف بھی ہے اور لطافت بھی...... شستگی بھی ہے اور شائستگی بھی...... اور دور حاضر کی بے ذوق فضا کو فی الواقع اس ادبی فیضان کی ضرورت تھی کہ نسلِ نوروز بروز اَسلاف کے نقوشِ پا کی تابانیوں سے محروم اور بیگانہ ہوتی جارہی ہے۔ ان اوراق میں خطیبانہ انوار اور ادیبانہ افکار، حرف حرف لَو دے رہے ہیں۔ دلیل کا حسن ہے کہ لفظوں کو دل میں اتارتا چلا جارہا ہے۔ ان تحریروں میں خبر و نظر اور جذب وجنوں کا ایک کیف افزا امتزاج ہے۔ حق یہ ہے کہ صاحب تحریر نے ایک طویل دور کو متاثر کیا۔ وہ عہد آفرین اور ہمہ جہت وجود تھے اور ظاہر ہے کہ صرف لفظوں کی شطرنج سے ایک عرصے تک ساحری قائم نہیں رہ سکتی اور نہ محض مقفّی عبارت کی جادوگری سے قلوب مسخر ہوسکتے ہیں...... جب تک زبان، دل کی رفیق نہ ہو، بات میں قلندری کے انداز نہیں آیا کرتے۔

رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک، خیال بلند و ذوق لطیف

فنی طور پر لفظوں کو دل کی دھڑکنیں اعجاز بنایا کرتی ہیں۔ بانسری تو لکڑی ہی کی ہوتی ہے مگر یہ بجانے والے کا دل ہے کہ نغمے کی شکل میں پھوٹتا، ابھرتا اور ابلتا ہے۔ اور سامعین کو یوں متاثر کرتا ہے جس طرح شاخِ گل میں بادِ سحر گاہی کا نم سما جاتا ہے۔

Marfat.com

ساز کی رگوں میں جب تک صاحب ساز کا لہو رواں دواں نہ ہو، فن، معجزہ نہیں بنا کرتا۔ ان اوراق میں انشائے لطیف کے بہت سے ایسے شہ پارے ہیں کہ ان سے ذوق سلیم مدتوں مسحورِ لذت رہ سکتا ہے۔ وہ برجستہ اشعار سے اپنی نثر کی لے تیز کر دیتے ہیں اور کہیں تو یوں لگتا ہے کہ ان کے حسن استعمال سے خود اشعار کو شگفتگی مل گئی ہے اور وہ اس سے پہلے اپنے مفہوم، موقع اور محل کی تلاش میں تھے۔ وہ اکثر اقبال کے اشعار سے اپنے جملوں کو اس قدر جاندار اور توانا بنا دیتے ہیں کہ وہ ایک مردانہ وقار اور ایک چھا جانے والی ادا کے ساتھ قاری کے دل اور جگر دونوں کو رضامند کر جاتے ہیں۔ تیرِ نیم کش کی یہ صلاحیت، اقبال کے تاثر کا ایک دل آویز نتیجہ ہے کہ اقبال، بلالِ مشرق بھی ہے اور کلیمِ ایشیا بھی۔ اس کی فکر اسی لئے انقلاب آفرین ہے کہ اس کی فکر کا محور اسلام ہے اور

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں ، لا الٰہ الا اللہ

یہی وہ بنیادی خصوصیت ہے جس نے ان تحریروں کو ایک سرمدی کیف اور ایک ابدی سرور عطا کر دیا ہے سچی بات یہ ہے کہ

''ہر تعمیر و تخلیق کا سرچشمہ مذہب ہی رہا ہے، خواہ تعمیر و تخلیق کسی نام سے کسی وقت آئی ہو'' (۲)

چونکہ اسلام آخری ضابطہ حیات ہے اس لئے اس کا انقلاب آفرین ہونا لازم ہے۔

حضرت خطیب الاسلام کی تحریر اور تقریر کی ایک نمایاں خصوصیت خوبصورت لفظی مترادفات کا ایک رواں دواں دھارا ہے۔ اس دھارے کی روانی اور خروش دیکھ کر وہ دریا یاد آ جاتے ہیں جو سنگلاخ راستوں میں بھی موج خرامِ یار کی طرح گل

Marfat.com

کترتے چلے جاتے ہیں۔ لفظوں میں شبنم کی لطافت اور تلوار کی کاٹ اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک وسعتِ مطالعہ کے ساتھ ساتھ کسی نگاہ کا فیض شامل نہ ہو۔ محض مکتب کی پابندی تو آدابِ فرزندی نہیں سکھایا کرتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ چونکہ شاہ صاحب کی ہر تحریر کسی نہ کسی رنگ میں حضور ﷺ کے ذکر سے مستنیر ہے۔ بلکہ یہی ایک حوالہ...... پھلتے...... پھولتے...... اور پھیلتے ہوئے ایک نورانی ہالہ بن کر ہر شے کو محیط ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ فیض ہے اس ذات گرامی قدر (ﷺ) کا...... جس سے ہر دور کی ہر فکر کو رعنائی...... ہر بات کو دانائی...... اور ہر ذات کو توانائی ملتی رہی ہے۔ حسن...... جہاں بھی ہے...... جس شکل میں ہے...... وہ اسی بارگاہِ ناز کا مرہون منت ہے۔

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰ اُو را بہا ست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ ست

انسان اپنے بڑوں اور ہم عصروں سے تاثر ضرور لیتا ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ حضرت خطیب الاسلام نے اپنے ماضی اور حال کے اکابرین سے استفادہ ضرور کیا مگر افصح العرب ﷺ کی مکمل تقلید اور کامل محبت ہی نے ان کے لفظوں کو جمال و کمال کے وہ سانچے دیئے کہ ان کی نثر کے سامنے...... وہ شاعری بھی شرمندہ ہے جس کا کام ہی موسیقیت کی میزان میں تل کر...... سحر حلال بننا ہے۔ ماننا پڑتا ہے کہ

شعر و ادب بھی ، آہ و فغاں بھی ہے ان کا فیض
پیشِ حضور ، اپنی متاعِ ہنر کریں

یہ فیصلے بھی بڑے کرم کے ہیں اور یہ بات بھی بڑے نصیب کی ہے۔ ورنہ

Marfat.com

منافق کو توفیق ثنا ملتی ہی کب ہے...... وہاں تو کوشش کے باوجود زبان گنگ اور ہاتھ شل رہتے ہیں کہ منافقت فکر وعمل کی وہ دھند ہے جو تاریکی سے کہیں زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ اور احقر کے نزدیک حمد ونعت کے میدان میں زبان بعد میں کھلتی اور قلم بعد میں اٹھتا ہے اور منظوری پہلے ہو جاتی ہے۔

نعت میں کیسے کہوں ان کی رضا سے پہلے
میرے ماتھے پہ پسینا ہے ثنا سے پہلے

حقیقت یہ ہے کہ سید فیض الحسن شاہ کی یہ تحریریں...... قبولیت کے شرف سے مشرف ہیں اور اسی شرف نے صاحبِ تحریر کو خاصانِ بارگاہ میں سے بنا دیا ہے۔

قلم نے چوما جب اُمّی لقب کے ہاتھوں کو
صحیفہ ہائے ادب نے بلاغتیں پائیں
دلوں نے سوز، دماغوں نے سوچ، ذہن نے لفظ
زباں نے صوت، خیالوں نے حرمتیں پائیں

تصوف کی گھلاوٹ صاحب موصوف کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی...... حضور ﷺ کی محبت، ان کی فطرت کا ایک گراں بہا عنصر تھی...... نتیجہ معلوم کہ ان کے سیمابی پیکر کو طمانیت کی وہ عظمت مل گئی جہاں دنیا بھر کی محبتیں...... ایک محبت میں ضم ہو جاتی اور جگر کے زخم کیف دینے لگ جاتے ہیں۔

سرشت عشق طلب اور حسن بے پایاں
حصول تشنہ لبی ہے شدید تشنہ لبی

اس عشق طلب فطرت کو ''جمالِ ختم نبوت'' نے یوں جلا بخشی کہ وہ عمر بھر انگریز اور اس کے خود کاشتہ پودے کا تعاقب کرتے رہے۔

Marfat.com

پہلے ہی خاک دل تھی مری فخر کائنات
اب پوچھنا ہی کیا کہ تری رہگذر میں ہے

سارقینِ نبوت اوران کے سرپرستوں کے لئے ان کا شعلہ گفتار ہر آن بھڑکتا اور لپکتا رہا یہاں تک کہ حضور ﷺ کی ختم المرسلینی کا پرچم بے روک ٹوک لہرانے لگا۔ ”نبی کریم ﷺ کا عشق ہمارا قبلہ مراد اور کعبہ ذوق ہے۔ان کی ختم المرسلینی پر ساڑھے تیرہ سو برس میں کئی رہزنوں نے دست درازی کرنا چاہی لیکن وقت کی غیرت نے انہیں نقشِ آب کی طرح محو کردیا......اوران کی قبروں کے نشان فطرت کی دستبرد سے غبارِ معصیت ہوکر اڑ گئے“ (۳) یہ ایک بے غبار صداقت ہے کہ اسی عشق مصطفیٰ ﷺ نے سید مرحوم کی ذات کو وقار اور ان کی بات کو اعتبار عطا کر رکھا تھا۔ کہ یہی جذبہ...... وجہ وجود کائنات ہے اوراسی اساس پر ہمارے ایمان کے ایوان قائم ہیں ورنہ

ع رکھا ہی کیا ہے جہانِ خراب میں

حضرت خطیب الاسلام کی بے ساختہ نثر میں بھی اس قدر منطقی ربط ہے کہ ہرلفظ اپنے اپنے مقام پر ایک نگینہ ہے۔ کسی حک واضافے اور تغیر وتبدل سے کسی مزید خوشنمائی کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ بلکہ یوں لگتاہے کہ وہ لفظ اسی مقام کے لئے آسمان سے اُترا تھا۔آپ کے لفظی مترادفات اور تراکیب میں کوئی مشکل پسند پیچیدگی نہیں ہے بلکہ ایک نوع کا نغماتی حسن ہے۔یوں محسوس ہوتا ہے کہ تغزل اور ایمائیت نے ان کی نثر کے تیور سنوار دیئے ہیں، اسے شعر منثور کہہ لیجئے یا نثری نظم کا نام دے لیجئے۔ان کے ہاں آمد کی ایک بے پناہ کیفیت ہے۔لفظوں کی مترنم شگفتگی اور جملوں کا صوتی حسن...... بات بات میں اک بات پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔ایسے ہی لبِ اعجاز پر نطق ناز کیا کرتا ہے۔مولانا ابوالکلام آزاد کے حسن نگارش کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے نیاز فتح پوری ایسا ادیب ونقاد بے ساختہ کہہ اٹھا تھا کہ

''آپ کا لب ولہجہ...... آپ کا انداز بیان...... واللہ مجھ سے تو وداع جاں چاہتا ہے۔ اگر آپ کی زبان میں کوئی گالیاں دے تو میں اس کو ہر وقت چھیڑا کروں کہ

ع کچھ تو لگے گی دیر سوال و جواب میں (۴)

حضرت خطیب الاسلام نے بھرپور سیاسی زندگی گزاری...... دینی تحریکوں میں بھی حصہ لیا...... ظاہر ہے کہ ان میدانوں میں ہر مکتبِ فکر...... ساتھ نہیں دیا کرتا۔ لوگ مخالف بھی ہوتے ہیں...... یہاں اظہار کی معمولی سی شدت اور بیان کی ہلکی سی حدت دست وبازو کے تصادم تک پہنچ جاتی ہے۔ مگر شاہ صاحب نے میدان میں بھی قدم قدم لفظ کی عصمت اور زبان کی آبرو کو قائم رکھا۔ نہ زبان کو بے اعتبار ہونے دیا، نہ بیان کو بے وقار۔ انہوں نے مخالفت میں بھی شرافت کے معیار کو قائم رکھا۔ اور کہیں بھی لفظوں کو خفیف نہیں ہونے دیا۔ گالیاں سن کر وہ بے مزہ ضرور ہوتے تھے کہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے مگر گالی کا جواب گالی سے نہیں دیا کرتے تھے۔ انہوں نے ہر مقام پر اعتدال کے حسن کو قائم رکھا۔ وہ خوب سمجھتے تھے کہ بے اعتدالیاں انسان اور زبان دونوں کو سبک بنا دیتی ہیں۔ الفاظ خود نہ برمحل ہوتے ہیں، نہ بے محل...... نہ فصیح، نہ بلیغ...... طرزِ استعمال انہیں سلیقہ اور قرینہ عطا کرتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لفظی رعنائیوں میں الجھ کر...... قلم مفاہیم ومطالب نظر انداز کر جاتا ہے۔ مگر حضرت خطیب الاسلام کے ہاں خوبصورت الفاظ کے خزانے بھی ہیں اور دلائل وبراہین کے انبار بھی۔ اور انہی کے امتزاج سے ان کی تحریر وتقریر...... قلب ونظر...... اور ہوش وخرد شکار کرتی ہے۔ ان کے ہاں جوش کے ساتھ ساتھ تاثیر بھی نمایاں نظر آتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ لفظی شکوہ سے مسحور ہو کر قاری یا سامع دلائل کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ بطور مقرر تو انہیں ایک دنیا جانتی اور پہچانتی ہے مگر بطور ادیب وشاعر ان سے بہت کم لوگ متعارف ہیں، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ

Marfat.com

"بعض جامع الصفات شخصیات اپنے تمام تر علمی تبحر اور فضیلت کے باوجود ایک المیے سے دوچار رہتی ہیں، وہ یہ کہ ان شخصیات کا وہ پہلو جو دوسرے پہلوؤں کی نسبت زیادہ فعال اور پُراثر ہوتا ہے۔ اس قدر غالب حیثیت اختیار کر جاتا ہے کہ دوسرے پہلو شخصیت کی صدائے بازگشت بن کر رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ غالب تاثیر رکھنے والے پہلو سے دب جانے والے دوسرے پہلو بھی اپنے اپنے مقام پر جامعیت اور ہمہ گیری کے حامل ہوتے ہیں"۔ (ص ۵)

اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ صلاحیت عطا کی تھی کہ وہ خشک سے خشک موضوعات کو بھی حسن ادا سے رعنا بنا سکتے تھے۔ ان کی خطابت میں ایک اُمنڈتے ہوئے سیلاب...... ایک لپکتی ہوئی بجلی...... اور ایک برستے ہوئے بادل کی سی کیفیت ہوتی تھی، ان کی طنزوں میں شگوفوں کی چٹک اور جملوں میں گیسوؤں کی گندھاوٹ ہوتی تھی۔ گو ذاتی طور پر وہ ایک نغمے کی طرح سلگتے رہتے تھے...... زمانے کی ناقدری کے پیش نظر آخری عمر میں سوچا کرتے تھے کہ اب وہ محض ماضی کی ایک سبکدوش عظمت ہیں۔ مولا کریم نے انہیں ذہانت وخطابت کے بہت سے جوہر کچھ ایسے تناسب سے دیئے تھے کہ اب ان جیسا لانے کے لئے زمانے کو صدیوں کا سفر طے کرنا پڑے گا۔ وہ اپنی انفرادیت کا جمال...... آنکھوں اور کانوں کے راستے دلوں تک اتار دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور تھے۔ وہ لوگ جو انہیں صرف ایک شعلہ نوا خطیب ہی کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ ان تحریروں کی روشنی میں انہیں ایک سحر طراز قلمکار کے اعتبار سے بھی پہچاننے لگ جائیں گے۔ تصوف کے موضوعات پر ان کی تحریریں محض مطالعاتی نہیں ہیں بلکہ کیفیاتی اور ذاتی محسوس ہوتی ہیں...... جب تک واردات جسم وجاں پر نہ بیت جائیں...... بات نور وسرور سے محروم رہتی ہے۔

ان تحریروں میں بہت سے ایسے جملے ہیں جن میں فصاحت...... بلاغت کا

دامن تھامے ہوئے ہے، ان فقروں میں تاریخ کی واقعیت ...... ادا کا حسن ...... شعر کی ایمائیت ...... اور ادب کی زیبائی منتہائے کمال پر پہنچ کر ہم آہنگ ہوگئی ہے۔ انہیں پڑھ کر اس امر پر یقین سا آجاتا ہے کہ

"شعر و ادب، گفتار و کردار کا جمال و کمال ہے" (۶)

سچ یہ ہے کہ اظہار و ادا کا کوئی میدان ہو ...... بندش الفاظ ...... نگوں کا جڑنا ہے اور فن تحریر فی الواقع مرصع سازی ہے۔ اب لفظی مرصع سازی کے کچھ آویزے بھی دیکھئے اور ان سے ان کے باقی رشحات خامہ کے حسن ادا اور قوت استدلال کا اندازہ کیجئے۔ میں نے چند مثالوں پر اکتفا کی ہے۔ زیادہ مثالوں سے قاری کے ذوق کی حق تلفی نہیں کی۔

o ...... حق و صداقت جب مجسم بن کر سامنے آتے ہیں تو پیکر نبوت بن جاتے ہیں۔

o ...... نبی کی خلوت اللہ کی دید اور اس کی جلوت اللہ کی شنید ہوتی ہے۔

o ...... محبت بغیر ادب و احترام کے ناتمام اور اطاعت بغیر محبت کے جسم بے جان سے زیادہ نہیں۔

o ...... عشق نبوی کا انداز ان سے سیکھیں ...... جن کے عشق کی تادیب خود حسن نے فرمائی۔

o ...... عالم شریعت میں اس کی اطاعت ...... عالم طریقت میں اس کی محبت ...... اور عالم معرفت میں اسی کی کیفیت مقصودِ مومن ہے۔

o ...... اس کی داستان حسیں دنیائے باطن کے لئے وجہ تسکین اور عالم ظاہر کے لئے وجہ تزئین ہے۔

o ...... قطرے اسی نسبت سے بحر زخار اور ذرے اسی تجلی سے آفتاب نصف النہار بن گئے۔

Marfat.com

o...... خالق کائنات نے اسی گل رعنا کی نمود کے لئے مرغزار وجود کو سجایا۔

o...... عشق و محبت......محویت مقصد کا نام ہے۔

o...... رحمۃ للعالمینی......ربوبیت کی انتہا ہے......اس لئے یہی وجہ بقاوارتقاء ہے۔

o...... حصولِ کمال کیلئے تصورِ کمال ضروری ہے۔

o...... کائنات کی بقا اور ارتقاء اس بات کی شاہد ہے کہ یہاں خیر، شر پر......اور تعمیر، تخریب پر غالب ہے......یہاں تخریب بھی کسی نئی تعمیر کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔

o...... علامہ اقبال نے حواس پر مبنی عقل جزئی کے نتائج کو ہمیشہ مشکوک قرار دیا ہے، اس کو جویائے راہ تو سمجھا ہے لیکن دانائے راہ کبھی نہیں مانا۔

o...... عارف کا نفس مطمئنہ، جنت معرفت میں مقیم ہوتا ہے جہاں پھول ہی پھول ہوتے ہیں اور ریب یا عیب کا کوئی کانٹا موجود نہیں ہوتا۔

o...... وادی منیٰ سے لے کر وادی کربلا تک امت مسلمہ کو خوگر تسلیم و رضا بننے ہی کا سبق دیا گیا ہے۔

o...... عقل جزئی......کنیز حیات تو ہے......دانائے ذات نہیں ہے۔

o...... عقل بتاتی ہے، وجدان دکھاتا ہے۔ عقل سنگ میل تک جاتی ہے تو وجدان دیارِ حبیب تک پہنچاتا ہے۔

o...... وحدت عمل سے مساوات وجود میں آتی ہے اور باہمی تعاون سے اخوت ابھرتی ہے۔

o...... خارجی تخریب سے بچنے کے لئے داخلی تنظیم ضروری ہوتی ہے۔

o...... صبر ایک حکیمانہ انتظار اور ایک مدبّرانہ اعتبار ہے۔

o...... آپ شب دیجور کی ظلمتوں کے باوجود طلوع سحر کے انتظار میں ہنس کھیل کر...... ظلمتوں سے نباہ کرتے جائیں تو اس اُفتادِ مزاج اور طرز کردار کو ہم صبر کے نام

سے موسوم کریں گے۔

- o ...... بیج سے لے کر ثمر تک اور آہ سے لے کر اثر تک قدرت کا اٹل ضابطہ قوانین کار فرما ہے۔
- o ...... فتح کی مسرتوں میں دوسروں کو بھی شریک کیجئے اور شکست کی تلخیوں پر خود ہی مسکرا کر اسے گوارا بنا لیجئے۔
- o ...... نظام مصطفی ﷺ کے راستے میں چلنا سعادت ہے، تھک کے گر جانا شہادت ہے اور منزل پر پہنچ جانا معراج ہے۔
- o ...... نا تمامی ...... نقص یا عیب ...... دراصل عقل جزئی کی غلط بینی کی وجہ سے ہے کہ چشم احول کو اشیاء دو دو نظر آتی ہیں اور یرقان کا مریض ہر چیز کو زرد ہی دیکھتا ہے۔ پس دید سے پہلے تطہیر لازم ہے اور تطہیر نگاہ کے بعد ہی کثرت میں وحدت اور جز میں کل کا مشاہدہ ہوتا ہے۔
- o ...... ذکر ...... یادِ جمال اور تصور کمال کا نام ہے۔ ذکر کی مشق سے محبت پروان چڑھتی، بڑھتی اور ابھرتی ہے۔
- o ...... تزکیہ ...... فطرت انسانی کی بیداری اور قبول حق کے لئے تیاری کا نام ہے۔
- o ...... تعلیم و تربیت کا بنیادی اصول ابتدا میں صرف مرشد اور مربی کی ذات پر اعتماد ہے، تنقید اس راہ کا حجاب ہے اور تسلیم پر حصول فیض کا مدار ہے۔

قحط الرجال کے اس دور پُر آشوب میں یوں محسوس ہوتا ہے کہ اب تو شاید وہ قلم ہی ٹوٹ گئے ہیں جن کی نوک پر اس نوع کا حسن مچلتا تھا۔ اب تو ان اقدار کو بھی بے اعتبار بنایا جا رہا ہے جن سے لَو لگا کر فکر و عمل بیدار و بالیدہ ہوا کرتے تھے۔

ادیب و شاعر عموماً وقتی ہنگاموں اور سیاسی آویزشوں سے کنارہ کش رہتے ہیں۔ وہ ایک گوشہ عافیت ہی میں انجمن بسائے رکھتے اور خود کو محشر خیال سمجھتے ہیں۔

لیکن حضرت خطیب الاسلام کی زندگی انتہائی ہنگامہ خیز رہی۔ وہ اپنے پورے خطیبانہ شکوہ کے ساتھ استعماری اور لادینی قوتوں سے ٹکراتے رہے۔ انہیں ہنگاموں میں بھی خلوت کا لطف ملتا رہا اور انہی ہنگاموں میں ان کا ادب نکھرتا اور فکر سنورتا رہا۔ وہ بجاطور پر یہ کہہ سکتے تھے کہ

اپنی تقریروں کو سوزِ جاودانی بخش کر
پانچ دریاؤں کے پانی کی روانی بخش کر
میں نے شاہوں کے تجتر روند ڈالے دوستو
میں نے تاج و تخت نیزوں پر اچھالے دوستو

ان کے ہاں ایک عجیب بے قراری کی سی کیفیت تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ انسان کو دل حساس اور دیدۂ بیدار عطا ہوا ہو اور منزل کا نور بھی دور نظر آ رہا ہو تو رگ رگ میں ایک سیمابی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ حسرت موہانی نے گفتارِ محبوب میں جس ''تاثیر برق حسن'' کا ذکر کیا ہے وہ تاثیر شاہ صاحب کو ودیعت ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ایک ایسی ''لرزش خفی'' بھی عنائت ہوئی تھی جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

ہر چند بگولا مضطر ہے اک جوش تو اس کے اندر ہے
اک رقص تو ہے، اک وجد تو ہے، بے چین سہی، برباد سہی

یاد رہے کہ صحرائے نجد کی ساری آبرو ایسے بے چین بگولوں ہی کا فیض تھا۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی نے علامہ اقبال کے بارے میں لکھا تھا کہ

''مرحوم کو صرف شاعر سمجھ لینا، یا یہ کہ ان کے خیالات یا تصورات تمام کے تمام ان کے کلام میں مقید ہو چکے ہیں...... بڑی غلطی ہے۔ مرحوم کی فکر و نظر کا بہت کم حصہ ان کے کلام میں منتقل ہوا ہے۔ وہ بہت کچھ جانتے تھے اور یہی نہیں بلکہ اکثر کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے بعض بالکل ہی نئی باتیں دوران گفتگو میں ان پر کسی کوشش کے بغیر

Marfat.com

منکشف ہوگئیں۔'' (۷)

بعینہٖ حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ تصور کہ ان کا مبلغِ علم ان کی صرف چند تقریروں تک محدود تھا...... ناانصافی ہے۔ ان سے مل کر اور انہیں سن کر (اور اب انہیں پڑھ کر) ان کے فکری بلوغ اور علمی رسوخ کا اندازہ ہوتا تھا اور بعض اوقات یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ان کا وجود عناصرِ اربعہ سے نہیں ...... فنونِ لطیفہ سے بنا ہوا ہے۔ ان کے مطالعہ کی وسعت کا اندازہ اس امر سے لگا لیجئے کہ وہ قرآن وحدیث کے غائر مطالعے کے ساتھ ساتھ اردو اور فارسی شعروادب کا ایک قابل قدر ذوق رکھتے تھے۔ اور یہ بات قارئین کے لئے خوشگوار حیرت کا باعث ہوگی کہ وہ ابتدائے شعور ہی سے انگریزی ادب بالخصوص فکشن کے مطالعہ کے انتہائی شائق تھے۔ ایک بار جب ان سے اس بارے میں استفسار کیا گیا۔ (۸)

توانہوں نے فرمایا کہ انگریزی فکشن میں نظر کشی کا کمال مجھے دوران تقریر میں ...... انتہائی مدد دیا کرتا ہے۔ گویا ان میں ''مطالعاتی تعصب'' نہیں تھا بلکہ وہ ہر حکمت کے شیدائی تھے۔ جہاں بھی ہو...... جس رنگ اور جس شکل میں ہو، وہ اسے اپنا ہی ورثہ سمجھتے تھے

گفت حکمت را خدا خیر کثیر

ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر

مطالعہ کے اسی تنوع کا فیض تھا کہ وہ جدید معاشی ...... سائنسی ...... اور نفسیاتی مسائل سے کماحقہٗ آگاہ تھے۔ اسی لئے ان کی خطابت کے مواد اور انداز دونوں میں یکسانیت نہیں ہوتی تھی بلکہ موقع اور محل کے مطابق ان میں بوقلمونی...... رعنائی اور کشش ہوتی تھی۔ ان کا طرز تخاطب ...... مساجد میں عالمانہ ...... حکماء کی محفل میں فلسفیانہ ...... کالجوں میں فاضلانہ ...... اور سیاسی جلسوں میں والہانہ ہوا کرتا تھا۔ وہ

Marfat.com

حاضرین کی نگاہوں کے زاویوں سے مضمون چنتے ......اور ان کی جبینوں کی سلوٹوں سے اپنی تقریر کا تار و پود تیار کرتے تھے۔ وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ وہ مقرر ہی کیا، جو خود موقع کے مطابق ڈھل کر سامعین کو اپنے ذوق کے مطابق ڈھالنا نہ جانتا ہو۔

''ان کے چھوٹے چھوٹے جملوں میں بچوں کی معصوم مسکراہٹ لودیتی تھی۔ ان کے فقروں میں برنائی اور رعنائی ہوتی تھی جیسے کسی نے مروارید کی لڑیاں پرودی ہوں۔ ان کی ہر تقریر کہکشاں معلوم ہوتی تھی۔ الفاظ قوس قزح...... مطالب عقد ثریا...... وہ سامعین کو سوچنے کی اجازت ہی نہیں دیتے تھے۔ جس تیزی سے خود بہتے ...... اسی تیزی سے سامعین کو ساتھ لیے جاتے تھے۔ وہ دماغوں کو پرسش نہیں...... پرستش سکھاتے تھے...... ان کے ہاں عقیدہ غالب تھا اور اس عقیدے ہی کے زور پر وہ دلوں کو شکار کرتے ہوئے...... ایک شہسوار کی طرح اُڑے چلے جاتے تھے...... ان کی زبان ادیب کی...... لہجہ خطیب کا......اور اسلوب شاعر کا تھا''۔(۹)

آج فارسی اور عربی کا ذوق ناپید ہے...... نتیجہ معلوم کہ اردو بھی فصاحت سے محروم ہوگئی ہے...... اب جا...... کل آ...... ڈرمت...... قسم کی زبان فضیلت کا نشان بنی ہوئی ہے۔ زبان ہی نہیں...... ذہن بھی بگڑ چکے ہیں۔ اور خود غلط...... املا غلط...... انشاء غلط...... قسم کے لوگ 'سحبان وقت'' بنے ہوئے ہیں۔

آج دانشور'' کا لفظ اپنا مفہوم کھو چکا ہے۔ ہر وہ شخص جو فکری صالحیت سے تہی اور اعتدال واحتیاط کے تقاضوں سے بے نیاز ہو...... دانشور کہلا رہا ہے۔ لبرل ازم کی آڑ میں اسلام اور شعائر اسلام کی توہین نابغہ ہونے کی دلیل بنی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ ایسے ہی بے دین و دانش لوگ...... سیرت خیر البشر ﷺ پر بھی نکتہ چیں رہتے اور اہل مغرب کے ہاں ''ابوالحکم'' سمجھے جاتے ہیں۔ نتیجہ بہر کیف دنیاوی اور اخروی رسوائی ہے۔ یہ بے بصر...... آنکھیں رکھتے تو دیکھتے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کی

Marfat.com

سیرت دیکھ کر تو خود عظمت کا معیار قائم کیا جاتا ہے۔ اسی عظیم وجلیل شخصیت نے دانش وحکمت کے بارے میں فرمایا ہے۔

رَاْسُ الْحِکْمَۃِ مَخَافَۃُ اللّٰہ

گویا دانش کی اصل اور اس کا سرچشمہ...... اللہ کا خوف ہے۔ دانشوری اسی سے پھوٹتی اور اسی سے بال و پر لیتی ہے۔ یہ حدیث ہے، اس زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہے جو ہمیشہ سچائیوں ہی کے لئے کھلتی تھی۔ گویا دانشور وہ ہے جس کی نگاہوں میں حیا کی معصومیت ...... دل میں ایمان کی حلاوت ...... اور اعمال میں خشیت الٰہی کی جھلک موجود ہو۔ آپ جانتے ہیں کہ ماضی میں حمد ونعت کو صنف سخن بھی نہیں سمجھا جاتا تھا اور اسلامی ادب کو رجعت پسندی قرار دیا جاتا تھا، خواہ اس میں فکر کی کتنی ہی لطافتیں اور انشاء کی کتنی ہی نظافتیں موجود ہوں۔ مقام شکر ہے کہ آج ہر قلم حمد ونعت کی توفیق مانگ رہا ہے۔ حق یہ ہے کہ ''دانشور'' وہی ہے جو قلم کی عصمت کو قائم رکھتا اور لفظوں کو بے آبرو ہونے سے بچاتا ہے۔ کیونکہ خدا کا خوف...... قلم اور قدم دونوں کو بے مہار نہیں ہونے دیتا۔

حضرت خطیب الاسلام کے رشحات خامہ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کریم ﷺ کے ذکر سے لبریز ہیں۔ ان میں بیانِ حسن بھی ہے اور حسنِ بیان بھی...... اکثر مقامات پر لفظ ماءِ تسنیم میں ڈوبے ہوئے اور آب کوثر سے دھلے ہوئے لگتے ہیں۔ فکر کی یہ کشود اور لفظوں کی یہ کشید...... انفرادی کاوش کا نتیجہ کم اور عطائے محبوب زیادہ ہے۔

لفظ جب تک وضو نہیں کرتے
ہم تری گفتگو نہیں کرتے

اور جسے نگاہِ ناز...... آشنائے راز بنا لے ...... اس کی خوبی قسمت میں کون سا شک باقی رہ جاتا ہے۔ ولولہ اور جذبہ...... عشق اور آشفتگی ہی سے پروان چڑھتا

Marfat.com

ہے۔ کہیں آشفتگی ...... مجاز کی پر فریب وادیوں میں بھٹک کر...... عمر بھر بے مزہ رہ کر دم توڑ دیتی ہے اور کہیں حقیقت کی ایک جھلک پا کر...... ایمان وایقان کی دلیل بن جاتی ہے کہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتی اور اسیر و نخچیر ہو کر بھی یوں پُر سکون رہتی ہے۔

ع جیسے اک زخمی پرندہ آشیاں تک آ گیا

''عشق کے مذہب کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ خلا میں معلق نہیں رہ سکتا۔ اس کو اپنی نمود کے لئے کسی نشانے یا موضوع کی ضرورت ناگزیر ہے۔ اسی سے ان تمام پرستشوں اور عبادتوں کا آغاز ہوا...... جو مختلف مسلکوں اور مشربوں سے وابستہ ہیں۔ مجازی دل بستگیوں سے لے کر عشق حقیقی کی انتہائی چسپیدگیوں تک اس راستے میں اتنی رنگارنگیاں ہیں کہ قلم ان کے استقصا پر قادر نہیں'' (ص:۱۰)

''عشق کے اسی جذبے نے حضرت خطیب الاسلام کو عمر بھر بے چین رکھا اور بالآخر عمر بھر کی بے قراری کو گنبد خضریٰ ہی کے خشک سائے میں قرار آیا اور وہ ہر ساعت اس بات کے آرزومند رہے کہ سکون وعافیت کے اس ماخذ تک ہر ایک کی رسائی ہو جائے اور ہر زخم خوردہ کو یہ احساس ہو جائے کہ یہی وہ دیوار ہے جس سے ہر دکھتی ہوئی پیٹھ ٹیک لگا سکتی ہے۔ (ص:۱۰)

خود وقت کو ملتا ہے سکوں ان کی گلی میں
سنتے ہیں وہاں گردشِ ایام نہیں ہے

ان مضامین میں مغربی حکماء کے حوالے بھی ملیں گے اور اس امر کا ثبوت بھی کہ ان کی سرگرداں عقل جس منزل تک آج پہنچی ہے اس کی نشاندہی صدیوں پہلے عرب کے اس عظیم وجلیل اُمّی (ﷺ) نے کر دی تھی، جو فی الحقیقت علم کا شہر تھا، جو مقام تکمیل سے بولتا تھا اور جس کی بات کو کسی مشاہدے...... کسی تجربے...... اور کسی نتیجے کی حاجت

نہ تھی ...... ان مضامین میں دور حاضر کی فلسفیانہ موشگافیوں پر شریعت وطریقت کا تفوق ...... مغلوب گماں دلوں کو یقین کی سرخوشی عطا کرتا ہوا ملے گا۔ صاحب تحریر کی سعی یہی ہے کہ تن کی دنیا میں الجھے ہوئے لوگوں کو ...... من کی دنیا کے اس سرور سے آشنا کیا جائے جو دنیاوی رعنائی اور اخروی سرخروئی کا دیباچہ ہے۔

اشک عنابی سلامت ، چشم پُر خوں چاہئے
غازہ جاں کی بدولت چہرہ گلگوں چاہئے

یہ امر وجہ انبساط ہے کہ جس طرح زندگی میں سبھی مکاتبِ فکر ...... حضرت خطیب الاسلام کے قدر دان تھے، اسی طرح ان کے یہ مقالات بھی ...... اپنے اندر کوئی ایسی اختلافی بات نہیں رکھتے جس سے کسی جبیں پر کوئی شکن ابھرے۔ انہوں نے کہیں بھی حکایت کو شکایت نہیں بننے دیا ...... جہاں تک طریقت کا تعلق ہے ...... سچے تصوف کا منکر کوئی بھی نہیں ہے ...... کیونکہ راستہ دکھانے والے کی ضرورت ہر دور کے ہر مسافر کو رہی ہے۔ سبھی کے اسلاف ...... مرشد کی ضرورت ...... ذکر کی اہمیت ...... مراقبے کی محویت ...... اور عرفان کی عظمت کے گرویدہ رہے ہیں۔ افسوس کہ شوق بے معرفت نے ذوقِ حقیقت کو دھندلا دیا ہے۔ اور سچ کی پہچان بھی مشکل ہوگئی ہے۔

کسی کی زلف پریشاں ، کسی کا دامن چاک
جنوں کو لوگ تماشا بنائے پھرتے ہیں

بات اسی تماشے سے بگڑی ہے اور ردعمل بسا اوقات شدت اختیار کر جاتا ہے۔ ورنہ حق ...... حسن ...... اور خوشبو کو کسی اشتہار کی حاجت نہیں ہوتی کہ

ع قبائے گل میں ...... گل بوٹا کہاں ہے

''مقالات خطیب الاسلام'' کی بیشتر تحریریں اپنے اندر رواداری اور بے ساختگی کی کیفیت لیے ہوئے ہیں ...... محسوس ہوتا ہے کہ دل میں کوئی لہر اٹھتی ہے اور

کاغذ پر نقش ہو جاتی ہے۔لوگ انہیں اصرار کے ساتھ لے جاتے تھے تو ہزاروں دل ان کی گفتار کے نرغے میں ہوتے تھے وہ بات سے بات پیدا کر کے سامعین کو ہنساتے...... رلاتے ......اور تڑپاتے چلے جاتے تھے۔''مقالات خطیب الاسلام'' ایک انتہائی ''تیز گفتار'' اور سیف زبان مقرر کے لفظ لفظ کو زنجیر کرنے کی ایک کامیاب سعی ہے کہ وہ تو ہوا کی چال چلتے اور خوشبو کے لہجے میں بولتے چلے جاتے تھے۔اب یاد ہی باقی رہ گئی ہے۔

جن کے سائے میں صبا چلتی تھی
پھر نہ وہ لوگ پلٹ کر آئے

''خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ ایک روح دلنواز...... ایک گلشنِ لازوال ...... اور ایک پیکرِ جمال وکمال تھے ...... وہ آسمانِ خطابت کا نیرِ تاباں ...... ہمت و جرات کا کوہ گراں ...... محبت ومروت کا تابندہ نشاں......علوم طریقت کا بحر بیکراں......اور سادات کے قافلے کے حدی خواں تھے'' (ص:۱۱)

کاش وہ اپنی کیفیات ...... اپنے تجربات اور اپنے حالات ارادی طور پر سپرد قلم کر جاتے تو مستقبل کے مؤرخ کو ماضی کے حقائق تک پہنچنے میں بہت آسانی ہوتی۔

یہ مقالات اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی تک اور صحابہ کرام کی رفعتوں سے لے کر اولیائے کرام کی عظمتوں تک کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ان کے مطالعہ سے ایک مسلمان کے دینی شعور کو پختگی ...... ایک ادیب کے ذوق فن کو آسودگی صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک فلسفی کی سرگرداں عقل کو منزل کی سرخوشی ملے گی۔اس میں ذوق نظر کے بہت سے زاویے اور نشاط روح کی بہت سی کیفیتیں جلوہ گر ہیں......اسے نہ اہل نظر......نظر انداز کر سکیں گے......نہ تماشائی۔

Marfat.com

انداز میں جذب اس میں سب شمع شبستاں کے
اک حسن کی دنیا ہے خاکستر پروانہ

الغرض...... حسن کا اظہار...... لطیف لہجے میں ہوتو وہ ادب کہلاتا ہے۔ گویا ادب وہ حقیقت ہے جو حسن میں بستی ہے۔ اور ادب کا مقصود...... قاری کو ذہنی سرخوشی دے کر...... اس کی روح میں مضمر جمالیاتی احساس کو گدگداتا ہے۔ جمالیاتی ادب کے یہی وہ سلسلے ہیں جو شرر لکھنوی سے شروع ہوتے...... سجاد حیدر یلدرم، نیاز فتح پوری اور خلیقی دہلوی کے ہاں سنورتے...... ابوالکلام آزاد، ظفر علی خاں، صلاح الدین احمد اور شورش کاشمیری کے ہاں نکھرتے...... اور حضرت خطیب الاسلام کی ذات میں دمکتے اور آخری لپک لیتے محسوس ہوتے ہیں۔

ان کے نقوش زبان وقلم کا یہ تحفظ ایک قابل قدر ادبی اور دینی کارنامہ ہے۔ اظہار و بیان کو جمالیاتی کیف بخشنے والے ادیب وخطیب کم وبیش ناپید ہو چکے ہیں۔ نتیجہ معلوم کہ قارئین وسامعین کے ذوق سلیم کی نہ تشکیل ہورہی ہے نہ تربیت...... نہ تعمیر ہورہی ہے نہ تہذیب...... جس نثر میں فکر اور نظر کی سنگت ہو...... منطق، شعریت کے ساتھ ہم آغوش ہو...... دل اور دلیل کا ایک حسین امتزاج ہو...... وہ اپنے قارئین سے بھی ذوق کی انتہائی پاکیزگی کی طلب گار ہوا کرتی ہے۔ (ص:۱۲)

حضرت خطیب الاسلام کے اٹھ جانے کے بعد، معلوم ہوتا ہے کہ اب فطرت نے وہ سانچا ہی توڑ دیا ہے جس میں ادب کی شگفتگی اور فکر کی شادابی ڈھلا کرتی تھی۔ اب وہ لوگ کہاں جن کی شکوہ گفتار اور جن کے اعتبار کردار کے سامنے وجدان وشعور، دونوں، دوزانوں ہوجایا کرتے تھے...... دور دور تک سناٹا ہے۔

ضرورت جتنی جتنی بڑھ رہی ہے صبح روشن کی
اندھیرا اور گہرا، اور گہرا ہوتا جاتا ہے

Marfat.com

مآخذ

۱۔ اسلوب اوراس کے عناصر ترکیبی۔ڈاکٹر منظر عباس نقوی۔نگار مسائل ادب نمبر ۱۹۶۸ء ص:۴۹

۲۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی۔خطبات

۳۔ آغا شورش کاشمیری

۴۔ مولانا آزاد کی نثر نگاری۔عبدالوحید رحمانی۔الجمعیۃ دہلی۔آزاد نمبر ۱۹۵۸ء ص:۹۸

۵۔ گلستان مدحت کا گل چیدہ۔پروفیسر محمد اکرم رضا۔ارمغان فیض ۱۹۹۱ء صفحہ:۵

۶،۷۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی۔اقبال۔گنج گرانمایہ ۱۹۸۶ء صفحہ:۱۴۶

۸۔ بروایت پروفیسر منصور احمد خالد۔گورنمنٹ اسلامیہ کالج گوجرانوالہ

۹۔ نگارشات شورش۔پروفیسر محمد اقبال جاوید

۱۰۔ ابوالکلام آزاد۔امام عشق وجنوں۔ڈاکٹر سید عبداللہ۔میر امن سے عبدالحق تک ۱۹۶۵ء

۱۱۔ پاسدار ختم نبوت۔ابوالبیان علامہ محمد سعید احمد مجددی علیہ الرحمۃ۔ارمغان فیض ۱۹۹۱ء صفحہ:۴۵

۱۲۔ اردو نثر کی تاریخ میں مولانا ابوالکلام آزاد کا عہد۔پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی۔مولانا ابوالکلام آزاد شخصیت اور کارنامہ۔خلیق انجم۔۱۴۰۷ھ صفحہ:۳۴۴

Marfat.com

خطیب الاسلام کی قلمی تصویر

نام سید فیض الحسن ...... چہرہ روشن ...... ضیائے پنجتن ...... روحِ بزمِ سخن ...... بہارِ گلشن فکروفن ...... داڑھی گھنی ...... زبان کا دھنی ...... دل کا غنی ...... ساداتِ رسول[۱] کا افتخار ...... جہانِ سنیت کا وقار ...... آسمانِ علم و دانش کا نیرِ تاباں ...... غلامی کی تاریکیوں میں صورت صبحِ درخشاں ...... لب پہ دعا ...... آنکھوں میں حیا ...... زباں محوِ ثنا ...... ہاتھوں میں مصطفائی لوا ...... ہر ادا زندگی کی ضیاء اسلوبِ تکلم میں آپ اپنی نظیر ...... کاروانِ خطابت کا امیر ...... لوحِ فطرت کی حسین تحریر ...... حسن ورعنائی کی دل آویز تصویر ...... ظلماتِ عالم میں خورشید ایماں کی تنویر۔

اغیار کیلئے شمشیر بے نیام ...... اپنوں کے لیے شفقت کا پیام ...... فخرِ اولادِ خیر الانام[۲] زینت قیادت و سیادت ...... اہلِ ایماں پہ برستا ہوا ابر رحمت ...... صوفیوں کا محرم راز ...... عظمت اسلاف کی آواز ...... اصحاب معرفت کا اعزاز ...... حکمت میں عقدہ کشا ...... سیاست میں رہبر و مقتدا ...... فقر کی عبا زیب تن ...... جانِ جہاں فخرِ زمن ...... منکرین ختم نبوت کیلئے تباہی ...... اسلام کا بہادر سپاہی ...... حق و صداقت کی زندہ گواہی ...... بوریا نشینی میں انداز شہنشاہی ...... ناموس مصطفیٰ[۳] کا پاسدار ...... حب

---

۱ صلی اللہ علیہ وسلم ۲ صلی اللہ علیہ وسلم ۳ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

اہل بیت وصحابہ [1] سے سرشار...... عشاق رسول کیلئے پیار کی آبشار...... اعدائے اسلام کیلئے آتشِ شعلہ بار...... گلزار علم الیقیں کا گلِ عطرباز...... نازش اولیائے آلومہار...... سلسلہ مجددیت کا نگار...... سجادہ طریقت کا راجدار...... ملت اسلامیہ کا غمخوار...... غیرت ایمانی میں رعد کی کڑک...... بجلی کی چمک...... اداؤں میں گلِ خنداں کی مہک...... صداؤں میں شعلے کی لپک...... نرم خوئی میں سبزے کی لہک...... فکر صبح کا اُجالا...... عزم چاندنی کا جھالا...... تقریر، آبشاروں کا بہاؤ...... سادگی، شاخوں کا جھکاؤ...... محاسنِ انسانی کا مجموعہ...... اوصاف کا مرقع...... علم تصوف کا منبع...... دل نازک تر آبگینہ...... سوز و ساز زندگی کا قرینہ...... اخلاق کا پیکر...... قوم کا رہبر...... الفت شہِ دوسرا [2] کا مظہر...... فدا کارانِ اسلام کا محسن...... جانِ ایقاں...... صاحبِ ایماں...... عشق حضور [3] کی برہان...... راحت قلب وجسم وجان...... الغرض ایسا انسان کہ ہر آن نئی شان...... کردار میں گفتار میں اللہ کی برہان...... عشق وعقیدت کا بانکپن

سید فیض الحسن...... سید فیض الحسن

قدس سرہُ الاحسن

نتیجہ فکر: ابوالبیان علامہ محمد سعید احمد مجددی

---

[1] رضوان اللہ علیہم اجمعین [2] صلی اللہ علیہ وسلم [3] صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا
سوانحی خاکہ

ابوالبیان علامہ محمد سعید احمد مجددی علیہ الرحمۃ

قافلہ سالار تحریکِ ختم نبوت...... پاسدار ناموسِ رسالت ...... سلطانِ سلاطین اقالیم خطابت ...... نازش اولیائے آلومہار ...... گلشنِ مجددیت کی بہار...... میر کاروانِ احرار...... عشق کا بانکپن ...... اقبال کا مرد مومن ...... قائد حریت ...... پیر طریقت ...... خطیب عجیب ...... ادیب لبیب ...... ادب وانشاء کا امام...... خطیب الاسلام ایسے نظر افروز اور دل آویز رنگا رنگ اوصاف حمیدہ سے تشکیل پانے والی حسین وجمیل ...... سروقامت شخصیت کا نام نامی اسم گرامی صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ ہے خوش قسمتی سے آپ کو آلومہار شریف کی وہ مقدس سرزمین میسر آئی جو ہمیشہ سے اولیاء کرام کا مرکز ومحور رہی ہے۔ آلومہار شریف شہر اقبال سیالکوٹ کے قرب وجوار میں ڈسکہ سے سیالکوٹ روڈ پر واقع بظاہر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے مگر حقیقتاً بڑے بڑے شہروں کا جاہ وجلال اور حسن وجمال اس کی دیواروں میں پوشیدہ ہے۔ یہاں ایسے ایسے صاحبانِ کمال پیدا ہوئے جن کی ایمانی اور روحانی یادیں قلب گیتی پر ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو کر رہ گئی ہیں۔ اس قصبہ آلومہار کی سرزمین کے ذروں نے زمانے کے اقطاب وابدال کے قدم چومے۔ اس مئے خانہ سے روحانیت اور رشد وہدایت کے سوتے پھوٹے اور یہاں بادہ نوشوں کو ساقی کی کوتاہ دستی کی کبھی شکایت نہ ہوئی۔

Marfat.com

ولادت اور تعلیم

خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن رحمۃ اللہ علیہ اسی روحانی مرکز آلومہار شریف میں 1911ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نقوی سادات کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے اسلاف خراسان میں اعلیٰ ترین حکومتی عہدوں پر فائز تھے بعد میں ہجرت کر کے پہلے بھکر اور پھر آلومہار شریف میں آباد ہو گئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر اور اپنے گاؤں میں ہی حاصل کی۔ میٹرک کے بعد مرے کالج سیالکوٹ میں امتیازی حیثیت سے بی، اے کا امتحان پاس کیا۔

دینی تعلیم اپنے وقت کے جید علماء مولانا عبدالمجید سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا لطف اللہ کیرت پوری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ اپنے والد ماجد حضرت قبلہ پیر سید محمد حسین شاہ (سالک) رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد 1933ء میں سجادہ نشینی کی مسند سنبھالی...... مشائخ چورہ شریف نے دستار بندی فرمائی، مسند ارشاد پر متمکن ہوتے ہی دینی اور ملی خدمات انجام دینے کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔

خانقاہ سے نکل کر میدان عمل میں کودے تو تحریک آزادی اور تحریک ختم نبوت کے ہیرو بن گئے۔ بارہا قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ان کی زندگی کا کچھ حصہ جیل میں اور کچھ ریل میں گزرا۔ برصغیر کا شاید ہی کوئی شہر اور قصبہ ایسا ہو جہاں آپ نے پیغام حق نہ سنایا ہو۔ کلکتہ اور بمبئی سے لے کر سلہٹ کے میدانوں تک...... سندھ کے ریگستانوں سے لے کر وادی خیبر کی ترائیوں تک...... آپ کی مؤمنانہ للکار اور مجاہدانہ یلغار سے فرنگی حکمران لرز اٹھے۔

آپ گفتار اور کردار کے غازی تھے اور برصغیر پاک و ہند میں سلسلۂ خطابت کی آخری کڑی تھے۔ آپ کی تقریر موجۂ کوثر و سلسبیل تھی...... سلاست...... متانت...... فصاحت...... بلاغت...... اور ظرافت کا سیل بے کراں...... استعارات...... مترادفات

تمثیلات واشارات کا یہ عالم کہ بڑے بڑے ادیب...... خطیب اور اہل سخن تصویرِ حیرت بن جاتے۔آپ کے لئے ہر موضوع ہاتھ کی چھڑی اور جیب کی گھڑی تھا۔ان کے جملے دریائی لہروں کی مانند رواں دواں ہوتے۔انہیں وقت ٹھہر کر اور ہوائیں رک کر سنتی تھیں۔وہ بولتے تو موتی رولتے...... کوثر وتسنیم سے دھلی ہوئی زبان اور عشق رسالت علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات میں ڈوبا ہوا بیان گویا:

بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسول میں

o...... مولانا غلام مہر علی گولڑوی نے آپ کی عظیم المرتبت شخصیت اور فن خطابت کو بزبانِ عربی ان الفاظ میں ہدیہ تحسین پیش کیا

مَارَأَیْتُ عَلٰی ظَهْرِ الْاَرْضِ فِیْ هٰذَا الْعَصْرِ عَدِیْلَهٗ فِی الْبَیَانِ الْمُعْجَبِ وَالْخِطَابِ الْمُدْهِشِ . قَدْ رَزَقَهُ اللّٰهُ صُوْرَةً وَّجَاهَةً کَاَنَّهٗ بَدْرٌ یَتَلَالَأُ مِنَ السَّمَاءِ الْحُسَیْنِیِّ حُسْنًا وَّجَمَالًا کَاَنَّهٗ شَمْسٌ یُضِیْئُ مِنَ الْفَلَكِ الْعُلْوِیِّ وَخِطَابَتُهٗ وَفَصَاحَتُهٗ وَغدرارہ وسجعاً کَأَنَّهٗ وَابِلٌ یُمْطِرُ مِنْ سُحُبِ اَنْوَارِ الْمُحَمَّدِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: میں نے اس زمانے میں روئے زمین پر میدان خطابت میں آپ کا کوئی ثانی نہیں دیکھا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی وجیہہ صورت اور حسن وجمال سے نوازا تھا۔ گویا آپ حسینی آسمان پر چمکنے والے چودھویں کے چاند ہیں اور فلک علوی کے چمکدار سورج ہیں جو اپنی نورانی کرنیں ہر طرف بکھیر رہا ہے۔آپ کی خطابت و فصاحت وبلاغت نیز مقفیٰ و مسجع بیان سن کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ انوار محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بادلوں سے رحمت کی موسلا دھار بارش ہو رہی ہے۔ [1]

o...... مولانا محمد بخش مسلم (بی۔اے) نے آپکے حسن خطابت کو یوں خراج تحسین

---

[1] ماہنامہ ضیائے حرم خطیب الاسلام نمبر ص ۸۶، شمارہ اپریل، مئی ۱۹۸۴ء

Marfat.com

پیش کیا

آپ لاجواب خطیب تھے۔فصاحت آپ کی لونڈی اور بلاغت آپ کی خادمہ...... آپ کا اندازِ بیاں منفرد نوعیت کا تھا۔آپ اردو، پنجابی کے لاثانی مقرر تھے۔آپ کے دماغ کی بلند پروازی اپنی مثال آپ تھی۔آپ کے الفاظ کی پرواز طیاروں سے زیادہ اونچی اور سریع الحرکت تھی۔آپ کی آواز میں رعب تھا...... جلال تھا...... تیزی تھی...... تمکنت تھی...... آپ جب بولتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ محمد بن قاسم کی تلوار میدانِ جنگ میں کوندتی...... لرزتی...... گرتی...... لچکتی...... کاٹتی...... سمٹتی...... تیرتی...... چلتی...... پھرتی...... ابھرتی آگے بڑھتی چلی جارہی ہے۔برہان کی شوکت آپ کے داہنے ہاتھ میں ہے اور بائیں جانب معنویت کارفرما ہے۔آپ کبھی بھی شائستگی کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے۔ تمسخر اور طعن و تشنیع سے آپ دائماً گریز فرماتے۔آپ کا ہر ہر لفظ آپ کے لباس کی مانند بڑا قیمتی اور اجلا ہوتا تھا۔[1]

○...... معروف صحافی سجاد میر نے آپ کے اعجازِ خطابت کو ان لفظوں میں بیان کیا

''صاحبزادہ صاحب کی تقاریر سے ذہن وفکر کے زاویے بدل جاتے تھے'' [2]

یہی موصوف ایک دوسری جگہ اپنی رائے کو یوں بیان کرتے ہیں

صاحبزادہ سید فیض الحسن نہ صرف بڑے زور کے خطیب تھے بلکہ منفرد انداز بھی رکھتے تھے۔اتنا تیز بولتے کہ خود کہتے...... سی۔آئی۔ڈی۔والو اپنی قلمیں تیز کرلو۔لکھنا چاہو گے تو بھی نہ لکھ سکو گے۔بجلی فیل ہوجاتی ہے مگر صاحبزادہ کی زبان میں خدا نے کوئی رکاوٹ نہ رکھی تھی۔وہ بلاشبہ بجلی کی تیزی سے بولتے۔ہم نے اتنی تیز

۱۔ ماہنامہ ضیائے حرم خطیب الاسلام نمبر ص ۱۰۶۔۱۰۷

۲۔ شہباز خطابت از سید شبیر احمد ہاشمی ماہنامہ ضیائے حرم ص ۵۳ شمارہ نومبر ۱۹۸۸ء

Marfat.com

رفتاری سے اتنی شاندار تقریر کرتا کوئی دوسرا خطیب نہیں دیکھا...... وہ بڑی مسجع اور مرصع زبان برق رفتاری سے یوں بولتے کہ لگتا بجلی کوندرہی ہے۔ ذکر رسول کرتے تو لوگ جھوم جھوم جاتے۔ میلاد کی محفلوں میں سماں باندھ دیتے۔ ہمیں واقعہ کربلا پران کی ایک تقریر یاد ہے...... ایک جادو تھا کہ سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ یوں لگتا تھا علم، فلسفہ اور خطابت یکجا ہوگئے ہیں۔ اچانک انہوں نے رخ بدلا اور مجمع سے آہ وبکا کا شور اٹھنے لگا۔ ہر آنکھ اشکبار ہوگئی...... پھر سسکیوں کی آواز نے دھاڑوں کی شکل اختیار کرلی۔ صاحبزادہ صاحب نے فوراً رخ بدلا اور کہا

اس لئے تو مصائب بیان نہیں کرتے کہ دو چار منٹ اور لوں تو زمین شق ہوجائے اور آسمان پھٹ پڑے۔

چند ہی لمحوں میں محفل پہلے سنجیدہ ہوئی اور پھر چہرے بشارتوں اور مسرتوں سے کھل اٹھے، یہ جادو خدا نے کم لوگوں کو عطا کیا ہے۔

وہ تاریخ کے واقعات کو اس طرح بیان کرتے کہ ایک منظر باندھ دیتے۔ ان کا ایک فقرہ ہمارے حافظے میں اب بھی محفوظ ہے۔ وہ حضرت عمر کے قبول اسلام کا واقعہ یوں سنا رہے تھے کہ

عمر جا رہے تھے...... ہاتھ میں تلوار تھی...... تلوار میں چمک تھی...... آنکھوں میں دمک تھی...... دل میں کفر تھا...... کفر میں جوش تھا...... جوش میں انتقام تھا۔

وہ یہ فقرہ اس برق رفتاری اور کڑک کے ساتھ بیان کرتے کہ سارا نقشہ آنکھوں میں گھوم جاتا۔ [۱]

○...... حضرت خطیب الاسلام ایسی نابغہ روزگار ہستی تھے کہ آپ کے فضل وکمال اور حسن بیان کے اپنے تو الگ رہے غیر بھی دل وجان سے معترف تھے۔ چنانچہ قاری

---

[۱] شہر آشوب، سجاد میر، روزنامہ نوائے وقت ۱۰ مارچ ۱۹۸۴ء

محمد طفیل رضوی رقمطراز ہیں

آج سے تقریباً بیس برس قبل جبکہ میرا زمانہ طالب علمی تھا (جامعہ اسلامیہ اہل حدیث چاہ شاہاں گوجرانوالہ میں) ایک مرتبہ گوجرانوالہ ریلوے اسٹیشن کے بالمقابل جہاں آج کل ٹیکسی اسٹینڈ ہے، تمام مکاتب فکر کا ایک مشترکہ جلسہ ہوا۔ جس میں مولانا محمد اسماعیل سلفی (اہل حدیث)...... مولانا عبدالرحمان جامی (خطیب شاہی مسجد لاہور) مفتی عبدالواحد (دیوبندی)...... علامہ عبدالعزیز انصاری (مسلم لیگ)...... جیسے علماء اور سیاست دان موجود تھے۔ مذہبی مخالفین نے کہا آج صاحبزادہ فیض الحسن کا پتہ چلے گا کہ ان علماء کی موجودگی میں تقریر کس طرح ہوتی ہے؟۔ اس جلسہ کے آخری مقرر آپ ہی تھے۔ جب آپ نے اپنے جوہر خطابت سے سامعین کو گرمایا اور تڑپایا۔ تو اہل حدیثوں کے آج کل کے قائد علامہ احسان الٰہی ظہیر نے بے ساختہ کہا

اگرچہ ہمارے عقیدے کے مطابق کسی کے ہاتھ پاؤں چومنے ناجائز ہیں۔ مگر کاش! صاحبزادہ صاحب جیسے خطیب ہماری جماعت میں ہوتے تو ہم ان کے پاؤں کو بوسہ دیتے الفضل ما شهدت به الاعداء [۱]

○...... حضرت خطیب الاسلام کے اعجازِ نطق کی عظمت کو علامہ محمد یعقوب سیالکوٹی نے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔

''میں نے عرب کے شعلہ بیان خطیب ذوالحناز مصری اور ہند کے بلند پایہ ادیب ابوالکلام آزاد کو بھی سنا۔ مگر یہ بات کہنے پر مجبور ہوں کہ آج تک صاحبزادہ صاحب جیسا قادر الکلام خطیب نہیں سنا۔ ایک بار سیالکوٹ کے اجتماع سے خطاب فرما رہے تھے۔ میں نے گھڑی سامنے رکھ کر حساب کیا تو آپ نے ایک منٹ میں کوئی پانچ سو الفاظ استعمال کیے تھے۔ آپ کی زبان کوثر و سلسبیل میں ڈھلی ہوئی اور عشق

۱۔ ماہنامہ ضیائے حرم خطیب الاسلام نمبر ص ۱۲۷ شمارہ اپریل، مئی ۱۹۸۴

Marfat.com

رسالت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ ا ؎

O......حضرت خطیب الاسلام کی فن خطابت کے اپنے اور پرائے سبھی معترف تھے۔ آپکی تقریر، دلپذیر ہمہ گیر سے اذہان وقلوب میں انقلاب بپا ہوجاتا اورعوام الناس کی سوچ یوں تبدیل ہوتی کہ انہیں مسلک حق اہل سنت و جماعت کی حقانیت پر یقین آجاتا۔ اس کی ایک مثال حضرت مولانا سید مراتب علی شاہ صاحب نے یوں بیان فرمائی کہ

''ایک مرتبہ میں نے صاحبزادہ صاحب کو عارف والا میں میلاد شریف کی ایک محفل میں مدعو کیا۔ آپ نے ساڑھے تین گھنٹے ''رحمت للعالمین'' کے موضوع پر اس قدر جامع اور مؤثر خطاب فرمایا کہ آپ کے خطاب سے متاثر ہوکر اسی جلسہ میں تین سوافراد اپنے عقیدے سے تائب ہوکر مسلک اہل سنت میں داخل ہو گئے اس کو کمال خطابت کہہ لیں یا اظہار کرامت۔ ۲ ؎

آپ بلاشبہ شہر یار اقلیم خطابت تھے۔تقریر کرتے تو لفظوں کے گلدستے مہکتے معانی کے ساغر چھلکتے اور جوش وولولہ کے سوتے ابلتے...... آپ نے تحریک مسجد شہید گنج میں اپنی خطابت کو ضرب ید اللّٰہی کے بانکپن کا نمونہ ثابت کردیا تھا......شاتم رسول راجپال کے خلاف تحریک میں آپ کی پکار اور للکار نے مسلمانوں میں ایسا اعتماد اور اعتقاد پیدا کیا کہ علم الدین غازی نے راجپال کا خاتمہ کر کے ناموس رسالت ﷺ کے لئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کردیا۔حتیٰ کہ آپ کی ذات عاشقان رسول ﷺ کی نگاہوں کا مرکز اور اسلام کے جاہ وجلال کی علامت بن گئی۔

روزنامہ ''امروز'' کا اداریہ نویس لکھتا ہے

ا ؎ اعترافِ عظمت۔ماہنامہ ضیائے حرم خطیب الاسلام شمارہ اپریل مئی ۱۹۸۴ء ص: ۱۵۰

۲ ؎ میر کارواں ص: ۱۲۴ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۶

Marfat.com

''انہوں نے شہید گنج تحریک، شدھی تحریک اور شاتم رسول راجپال کے خلاف تحریک میں بھر پور حصہ لیا۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں'' ۱؎

جبکہ ہفت روزہ ''چٹان'' لکھتا ہے۔

تحریک مسجد شہید گنج کے زمانہ میں صاحبزادہ صاحب کی شعلہ نوائی کا ہر طرف چرچا ہونے لگا۔ ان کے منطقی طریق استدلال نے انہیں بہت مقبول بنا دیا اور اس طرح وہ پنجاب کے بڑے بڑے لیڈروں میں شمار ہونے لگے۔ ۲؎

مجاہد اول تحریک ختم نبوت

تحریک ختم نبوت میں سول نافرمانی کے پہلے ڈکٹیٹر آپ ہی تھے۔ 1933ء میں مرزا محمود کی صدارت میں کشمیر کمیٹی بنی جس کے رکن علامہ اقبال بھی تھے۔ چنانچہ حضرت خطیب الاسلام نے علامہ اقبال کو صورت حال سمجھا کر کمیٹی سے علیحدہ ہونے پر مجبور کر دیا۔ قادیان میں جلسہ عام کر کے مرزائیت کو آپ نے ہی للکارا تھا۔

آپ کا ولولہ انگیز خطاب یوں تھا گویا غیرت و جلال کی بجلیاں کوند رہی تھیں زبان کی تیزی یوں تھی گویا تیغ خارا شگاف دشمنوں کے سر کاٹتی جا رہی ہو۔ لہجے میں ایسی گھن گرج تھی کہ باطل کے دل دہلتے جاتے تھے۔ آپ نے پرُ جلال لہجے میں قادیانیوں کو للکارا اور فرمایا۔

قادیانیو! سن لو فیض الحسن تمہارے چیلنج کا جواب دینے آ گیا ہے...... میں حسین کا بیٹا ہوں...... ناموس رسالت اور عظمت ختم نبوت کے لئے ایک اور چھوٹی سی کربلا آباد کر دوں گا...... لیکن اپنے آقا کی عظمت ختم نبوت پر آنچ نہ آنے دوں گا۔ ۳؎

۱؎ روزنامہ امروز ۲۵ فروری ۱۹۸۴ء ۲؎ ہفت روزہ چٹان ۲۷ فروری ۱۹۸۴ء

۳؎ میر کاروان غلام نبی شیخ ص: ۱۷۔ ۲۷ مطبوعہ لاہور، اکتوبر ۱۹۸۶ء

Marfat.com

یہی واقعہ صاحبزادہ افتخار الحسن فیصل آبادی نے یوں بیان فرمایا

مجلس احرار نے قادیان میں جلسے کا پروگرام بنایا۔مرزا بشیر الدین محمود نے اعلان کیا کہ جو مسلمان یہاں آ کر جلسہ کرنے کی کوشش کرے گا اس کی لاش ہی واپس جائے گی۔مجلس احرار نے جلسے کا پروگرام تبدیل کر کے امرتسر میں رکھا۔خطیب الاسلام نے اعلان کیا کہ

جلسہ قادیان میں ہوگا اور اس کیلئے سب سے پہلے میں قادیان جا کر تقریر کروں گا "اگر شہید ہو گیا" تو زہے قسمت ...... حسین کا بیٹا ہوں...... ایک چھوٹی سی کربلا اور آباد کر دوں گا۔

چنانچہ آپ قادیان پہنچے، ہزاروں لوگ بھی آپ کا اعلان سن کر قادیان پہنچے، آپ نے زبردست تقریر فرمائی مرزائیوں کو للکارا مگر کوئی مرزائی میدان میں نہ آیا! [1]

کسی بھی شخصیت کی عظمت کی حقیقی شہادت اس کے معاصرین ہی دے سکتے ہیں اور اگر معاصرین وہ ہوں جن سے زیر بحث شخصیت کے فکری و نظری اور سیاسی و عملی راستے جدا ہو چکے ہوں۔تو پھر یہ شہادت "مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری" کا مصداق ٹھہرتی ہے۔ان ایام کی یاد تازہ کرتے ہوئے کہ جن دنوں حضرت خطیب الاسلام مجلس احرار کی طرف سے سالار پنجاب نامزد کئے گئے تھے۔جانباز مرزا اپنی تصنیف "کاروانِ احرار" میں رقمطراز ہیں۔

مجلس احرار ان دنوں دوطرفہ لڑائی لڑ رہی تھی۔ایک طرف تحریک شہید گنج میں پنجاب کے رجعت پسندوں سے اور دوسری طرف قادیانیوں سے مڈبھیڑ ہو چکی تھی اگرچہ اس لڑائی میں حکومت پنجاب براہِ راست دخیل تھی تاہم لڑائی کا رخ مرزائیوں کی طرف تھا ایسے میں مجلس احرار نے اپنی عسکری تنظیم کو نئے انداز سے ترتیب دینا

---

[1] یادگار خطاب بر موقع خطیب الاسلام کانفرنس ص: ۸ ۱۹۸۸ء مطبوعہ گوجرانوالہ

Marfat.com

شروع کیا اور اس کیلئے خانقاہ آلو مہار (سیالکوٹ) کے سجادہ نشین سید فیض الحسن شاہ صاحب کو سالار پنجاب منتخب کرلیا گیا۔

صاحبزادہ صاحب کردار اور گفتگو کے غازی تھے۔ وہ جب تک احرار سے وابستہ رہے برطانوی سامراج ان کے خلاف کئی بہانے تراشتا رہا۔ لیکن ان کی جرأت ایمانی نے دشمن کو ہر موڑ پر شکست دی اس دوران ان کی منزل کے راستے میں علاوہ دیگر مصائب کے جیل خانہ بھی آیا لیکن قفس کی تیلیاں منزل کو اوجھل نہ کرسکیں۔

پنجاب کے روائتی پیروں سے الگ تھلگ، انہوں نے اپنے لئے انفرادی مقام حاصل کیا۔ حالانکہ مشاطۂ فطرت نے ان کے بناؤ سنگھار میں کہیں بخیلی سے کام نہیں لیا۔ مضبوط جسم، سروقد، کھلے گندمی رنگ کے چہرے پر چشم آہو نے ایسی بہار باندھ رکھی تھی کہ الامان والحفیظ۔

اکھیاں یار میرے دیاں توبہ معاذاللہ!
جویں بھریاں پھرن دیوانیاں نیں

اس پر کردار کا یہ عالم کہ جس راہ سے گذر جاتے آہٹ تک نہ ہوتی تھی۔ انہیں اوصاف کی بنا پر جماعت نے انہیں عسکری ذمہ داریاں سونپ دیں۔ جنھیں انہوں نے خوب نبھایا[1]۔ ختم نبوت کے لئے پچاس ہزار رضا کاروں کی بھرتی کا اعلان بھی آپ نے فرمایا تھا۔ کئی رضا کاروں نے اپنے خون سے حلف نامے لکھ کر پیش کیے تھے۔ ان حقائق کو جسٹس منیر نے اپنی رپورٹ میں ان لفظوں میں لکھا۔

''رضا کاروں کی تعداد پچاس ہزار کی اس مقررہ تعداد سے بڑھ چکی تھی، جس کی بھرتی کا ذمہ صاحبزادہ فیض الحسن نے لے رکھا تھا۔ رضا کاروں سے حلف ناموں پر دستخط کرائے جاچکے تھے کہا جاتا ہے کہ بعض رضا کاروں نے حلف نامے اپنے خون

---

[1] کاروانِ احرار جلد: ۲ از جانباز مرزا، جون ۷۷ء

Marfat.com

سے لکھ کر پیش کئے تھے۔صاحبزادہ فیض الحسن کا رویہ خصوصاً جارحانہ ہو رہا ہے۔[۱]

ختم نبوت کے لئے آپ کی قربانیاں دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ آپ مجاہدین جنگ یمامہ کے لشکر کے ایک سپاہی ہیں جو بچھڑ کر اس دور میں آ گئے ہیں۔ آپ کی ایمان آفریں للکار نے باطل کے ایوانوں کو اس طرح سے لرزا دیا کہ پھر کبھی انہیں استحکام نصیب نہ ہو سکا اور بالآخر تاریخ کے عمل نے انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زمین بوس کر دیا۔

حضرت خطیب الاسلام تحریک ختم نبوت 1953ء کے مجاہد اول تھے۔ عشق رسول آپ کو ورثے میں ملا تھا۔شمع رسالت کا یہ پروانہ کسی خانہ ساز نبوت کا وجود کیسے برداشت کر سکتا تھا۔آپ کی زندگی کے تین اہم مقاصد تھے۔

۱...... فرنگی سامراج کی مخالفت

۲...... عقیدۂ ختم نبوت کی محافظت

۳...... پاکستان میں اسلامی نظام کی تنفیذ و اشاعت

انگریز کے خلاف آزادی میں آپ کا نام حریت اور جہد و عمل کی علامت بن گیا اور فرنگی سامراج آپ کے آوازۂ حق سے لرز اٹھا۔

والد گرامی انگریز کے عہد میں فرسٹ کلاس آنریری مجسٹریٹ تھے۔لیکن آزادیٔ وطن کی تحریک اور انگریز کی عمومی اسلام دشمنی کے خلاف احتجاج کے طور پر اس عہدہ سے مستعفی ہو گئے۔یوں آزادیٔ وطن کی تحریک سے لگاؤ خاندانی وراثت کے طور پر ملا۔[۲]

حضرت خطیب الاسلام نے خانقاہ سے نکل کر رسم شبیری ادا کرتے ہوئے کسی

۱۔ جسٹس منیر، انکوائری رپورٹ، ص:۲۵۹ ۲۔ خطیب الاسلام کی خودنوشت سوانح، ص:۹۲ ماہنامہ ضیائے حرم شمارہ اپریل، مئی ۱۹۸۴ء

Marfat.com

خطرے کی پرواہ نہ کی بلکہ آپ نے اس وقت انگریز راج کو للکارا جب ہر طرف غلامی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے مسلط تھے اور حکمرانوں سے ٹکر لینا موت کو دعوت دینا تھا آپ کے دیرینہ رفیق صاحبزادہ افتخار الحسن فیصل آبادی بیان کرتے ہیں (جو اس وقت جماعت نہم کے طالب علم تھے اور جلسے میں شامل تھے)۔

انگریز حکومت کو للکارنا اور اس وقت جب اس کی حکومت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ یہ غوث زماں حضرت پیر سید چنن شاہ آلومہاروری رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے کی غیرتِ ایمانی ہے۔ پوچھو تاریخ والوں سے! پہلے ہندوستانیوں سے خطاب تھا ''انگریزوں کو یہاں سے نکال دو'' پھر سیدھا خطاب ہوا ''انگریزو! یہاں سے نکل جاؤ''

یہ تھا ڈائریکٹ ایکشن (Direct Action)

سیالکوٹ رام تلائی میں بہت بڑا جلسہ تھا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، شورش کاشمیری سب اسٹیج پر موجود تھے ہزاروں کا اجتماع اور خطیب الاسلام کا خطاب تھا۔ ڈی، سی، ایس، پی اور سی، آئی، ڈی کے افسران موجود تھے محمدی کچھار کے شیر نے للکارتے ہوئے کہا

انگریز کتو یہاں سے نکل جاؤ!

یہ ہے خطیب الاسلام کی جرأت ایمانی۔ آپ گرفتار کر لیے گئے انگریز مجسٹریٹ نے آپ کو چھ ماہ کی سزا سنائی۔ [1]

قادیانیت کے سحر باطل کے خاتمے کے لئے آپ نے نصف صدی تک جدوجہد فرمائی۔ 1953ء میں تحریک ختم نبوت کا آغاز آپ کی تقریر سے ہوا۔

آپ ۲۶ فروری کو ایک دستے کی قیادت کرتے ہوئے کراچی پہنچے اور گرفتار

---

[1] یادگار خطاب، صاحبزادہ افتخار الحسن شاہ فیصل آبادی، ص: ۱۸۔۱۹ گوجرانوالہ، ۱۹۸۸ء

Marfat.com

کر لئے گئے۔ ۱؎

ان کے علاوہ دفتر ختم نبوت سے غازیٔ کشمیر مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری علامہ سید عطاءاللہ شاہ بخاری، مولانا لال حسین اختر، عبدالرحیم جوہر، نیازی لدھیانوی، ماسٹر تاج الدین انصاری اور اسد نواز وغیر ہاپوری قیادت کو حکومت نے گرفتار کرلیا۔

ان گرفتاریوں سے پورے ملک میں برہمی، غم وغصہ اور لاقانونیت کی ایک لہر دوڑ گئی اور لاہور میں بدنظمی اور ابتری کا سیلاب اس قدر قابو سے باہر ہوگیا کہ ۲ مارچ کو تحریک ختم نبوت کو کچلنے کے لئے لاہور میں فوج کو طلب کرلیا گیا۔ ۴،۵ مارچ کو مسلمانوں پر تشدد کی انتہاء کردی گئی ۶ مارچ ۱۹۵۳ء ڈیڑھ بجے دوپہر مارشل لاء نافذ کردیا گیا۔ ۲؎

۱۴ فروری ۱۹۵۳ء انٹیلی جنس بیورو گورنمنٹ آف پاکستان کراچی نے سی، ڈی، آئی پنجاب کو ایک مراسلے میں پہلے ہی خبردار کردیا تھا کہ

The first person who will offer himself for arrest in concetion with this agitation in Punjab will possibly be Saheb Zada- Peer Faiz-ul-Hassan who was about 30000 Murids. It is said all his murids will follwo suit.

''اس ایجی ٹیشن میں پنجاب میں جو شخص سب سے پہلے خود کو گرفتاری کے لئے پیش کرے گا یقیناوہ صاحبزادہ فیض الحسن ہونگے ان کے ہمراہ ان کے ۳۰ ہزار مرید بھی خود کو گرفتاری کے لئے پیش کریں گے۔ ۳؎

ختم نبوت کے نام پر مجموعی طور پر آپ نے ساڑھے تین سال قید کاٹی۔ جیل

۱؎ جسٹس منیر، انکوائری رپورٹ، ص: ۱۵۳ ۲؎ تحریک ختم نبوت، ۱۹۵۳ء، ص: ۳۸۲

۳؎ جسٹس منیر، انکوائری رپورٹ، ص: ۱۴۰

Marfat.com

میں آپ پر تشدد کی انتہا کر دی گئی۔ آپ کو برف پر لٹایا گیا۔ آپ نے یہ سب کچھ تقاضائے ایمان سمجھ کر قبول کیا۔ راہ حق میں ہر افتاد کو سینے سے لگایا مگر اُف تک نہ کی۔

اے رہ یار ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنا دیا
جو رکے تو کوہ گراں تھے ہم جو چلے تو جاں سے گذر گئے

یہ بھی حقیقت ہے کہ 1975ء (بھٹو کے دور اقتدار) میں تحریک ختم نبوت آپ کے ایما پر شروع ہوئی تھی جو بالآخر کامیابی سے ہم کنار ہوئی اور مرزائیوں کو آئینی طور پر دائرہ اسلام سے خارج قرار دے کر غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ تحریک ختم نبوت کی تاریخ سے واقف ہر صاحب ہوش جانتا ہے کہ ختم نبوت کے لئے سب سے پہلے گرفتاری دینے والے بھی آپ ہیں اور تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے سلسلے میں تمام تاریخ ساز جدوجہد میں آپ کا کردار شمع نور کی صورت جگمگاتا نظر آتا ہے۔ آپ کی زندگی کا جو عرصہ مجلس احرار میں گزرا وہ بھی عقیدہ تحفظ ختم نبوت کے لئے وقف رہا......

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ وہ شخصیت ہیں جنہوں نے مجلس احرار میں رہ کر تحریک پاکستان میں حصہ لیا۔ اور قیام پاکستان کی پر زور حمایت کی یاد رہے کہ مجلس احرار میں دو گروپ تھے۔

۱...... سید عطاء اللہ شاہ بخاری گروپ (یہ گروپ قیام پاکستان کا مخالف تھا)

۲...... چوہدری افضل حق گروپ (یہ گروپ پاکستان کا حامی تھا)

حضرت خطیب الاسلام تحریک پاکستان کے حامی گروپ سے متعلق تھے آپ کے وصال پر مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک تحریری تعزیتی پیغام میں فرمایا!

''مرحوم نے تحریک آزادی اور تحریک ختم نبوت میں نمایاں خدمات انجام دی

Marfat.com

ہیں آپ مجلس احرار میں رہتے ہوئے بھی قیام پاکستان کے زبردست حامی تھے۔ قیام پاکستان کے بعد بھی آپ نے شرعی نظام کے نفاذ کیلئے زبردست جدوجہد کی'' ا ؎

اہل گوجرانوالہ گواہ ہیں کہ جب قائد اعظم تحریک پاکستان کے سلسلے میں گوجرانوالہ پہنچے تو سب سے پہلے اور سب سے زیادہ نمایاں طور پر ان کا استقبال کرنے والوں اور نظریہ پاکستان کی پرجوش حمایت کرنے والوں میں حضرت خطیب الاسلام کا نام سرفہرست ہے۔

مجلس احرار میں آپکے کردار کے بارے میں روزنامہ ''امروز'' کا اداریہ نویس لکھتا ہے۔

قیام پاکستان میں ان کی مجاہدانہ کوششوں کو مسلم لیگی حلقے بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ صاحبزادہ سید فیض الحسن قیام پاکستان سے قبل اگرچہ مجلس احرار کے رکن تھے مگر حامیانِ پاکستان میں شامل تھے۔ان کا مؤقف تھا کہ قیام پاکستان کا مطالبہ درست ہے اور اس کے حصول کیلئے ہر مسلمان کو جدوجہد کرنی چاہیے وہ ہندوستان کے نیشنلسٹ مسلمانوں کے اس نظریے کے سخت خلاف تھے کہ پہلے انگریز کو ہندوستان سے نکالو، بعد میں پاکستان کا مطالبہ کرو۔ان کا مؤقف تھا کہ انگریز اور ہندو دونوں کی بالادستی سے بیک وقت نجات حاصل کرلی جائے۔انہوں نے اپنے اس نظریے کی پُرجوش تبلیغ کی اور مخالفوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ان کی علمی، دینی اور ملی خدمات کا اعتراف ہر مکتب فکر کے لوگوں نے کیا۔ ۲ ؎

قیام پاکستان سے قبل بھی حضرت خطیب الاسلام نے کبھی بھی کسی ہندو رہنما یا ہندو سیاسی جماعت سے کبھی کوئی راہ وسم نہ بڑھائی۔ کیونکہ مجلس احرار کی دیگر مذہبی قیادت کے برعکس آپ نہ صرف دینی تعلیم بلکہ سکول وکالج کی جدید تعلیم کے حامل پر

ا ؎ شہر یار خطابت، پروفیسر محمد اکرم رضا، ادارہ تنظیم الاسلام۔گوجرانوالہ، ۱۹۸۵ء

۲ ؎ روزنامہ امروز۔ ۲۵ فروری ۱۹۸۴ء، لاہور

Marfat.com

جوش نوجوان تھے۔ ہندو کی مسلم دشمنی اور تعصب سے اچھی طرح واقف ایک بیدار مغز مسلمان تھے۔اپنی خودنوشت میں رقمطراز ہیں!

''انگریز کی اسلام دشمنی کے پیش نظر تحریک حریت وطن میں حصہ لینے کی خواہش پیدا ہوئی۔ میرے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے سرکاری اعزازات چھوڑے۔ میں نے بھی اس ہنگامہ خیز دور میں ہنگاموں کا ساتھ دیا۔مگر ہندو کی متعصّبانہ روش نے کانگرس سے دور ہی رکھا۔ جہاں بھی آزادی کی طلب دیکھی وہیں دست تعاون بڑھایا کبھی خلافت اور کبھی احرار سے رابطہ بڑھایا۔ ۱؎

جمعیت علماء پاکستان میں شمولیت

حضرت خطیب الاسلام نے ۱۹۵۴ء میں مجلسِ احرار کو خیر آباد کہا اور جمعیت علماء پاکستان میں شمولیت اختیار فرمائی۔ اس کی وجہ اپنی خودنوشت میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

پہلی تحریک ختم نبوت 1953ء میں ایک سال جیل میں گزارا۔غور وفکر کا موقع ملا، حالات کا جائزہ لیا، حضرت مولانا ابوالحسنات رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی رفاقت ملی۔ مسلک حق اہل سنت و جماعت کے تحفظ کے لئے اور نوازئیدہ مملکتِ پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے جمعیت العلمائے پاکستان سے تعاون کیا۔ ۲؎

حضرت خطیب الاسلام جیسے لاثانی خطیب اور عظیم المرتبت شخصیت کی جمعیت میں شمولیت نے اس میں گویا نئی جان ڈال دی۔ جمعیت کی قیادت نے آپ کو ہاتھوں

۱؎ خطیب الاسلام کی خودنوشت سوانح ص: ۹۳، ماہنامہ ضیائے حرم، اپریل، مئی ۱۹۸۴ء

۲؎ خطیب الاسلام کی خودنوشت سوانح ص: ۹۴ ماہنامہ ضیائے حرم شمارہ اپریل، مئی ۱۹۸۱

Marfat.com

ہاتھ لیا آپ کی آمد پر بے پناہ مسرت کا اظہار کیا گیا اور ۱۹۵۴ء میں تحریک ختم نبوت کے بعد لاہور میں منعقد ہونے والی جمعیت العلمائے پاکستان کے اجلاس میں آپ کو پنجاب کا صدر منتخب کرلیا گیا۔ اب کیا تھا، کراچی سے لے کر چٹا گانگ تک آپ کی خطابت کا ڈنکا بجنے لگا۔ صبح وشام سفر، ہر رات جلسہ، ہر جگہ جمعیت کا پیغام پہنچانے لگے۔ اب آپ کی تمام تر توانیاں جمعیت کو عوامی جماعت بنانے میں صرف ہونے لگیں۔

انہی دنوں ایک واقعہ رونما ہوا۔ راقم الحروف (محمد سعید احمد مجددی) نے یہ واقعہ خود حضرت خطیب الاسلام صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ تاجدار آلومہار شریف کی زبانی سنا تھا اور قطب عالم حضرت پیر سید چراغ علی شاہ مراڑہ شریف کے عالی خاندان کے بعض مشائخ نے اس واقعہ کو اپنی مجالس میں بارہا بیان فرمایا ہے کہ فیصل آباد کے مضافات میں کسی جلسے پر حضرت شیخ الحدیث مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ (محدث اعظم پاکستان) اور حضرت خطیب الاسلام کا ایک ہی اسٹیج پر خطاب تھا۔ حضرت خطیب الاسلام اپنی روایتی اخلاقی بلندی کے تحت خود ہی حضرت شیخ الحدیث سے ملاقات کے لئے اس کمرے کی طرف چل دیئے جس میں وہ تشریف فرما تھے۔ حضرت شیخ الحدیث کو جب آپ کی آمد کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنے کمرے کے دروازے کو اندر سے بند کردیا اور ملاقات نہ کی۔ بتایا گیا کہ حضرت شیخ الحدیث نے یہ معاملہ اس بنا پر کیا ہے کہ ان کے خیال میں علمائے دیوبند کی گستاخانہ عبارات کے بارے میں ان کا مؤقف واضح نہیں ہے۔ حضرت خطیب الاسلام نے فرمایا!

"مناسب تو یہ تھا کہ حضرت مجھ سے وضاحت طلب فرمالیتے"

بہر حال یہ واقعہ جب قطبِ عالم پیر سید چراغ علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ تاجدار مراڑہ شریف کو معلوم ہوا تو آپ نے حضرت شیخ الحدیث کے ساتھ ایک قریبی ملاقات میں سخت ناراضگی اور افسوس کا اظہار فرمایا کہ

Marfat.com

آپ جیسی باعظمت شخصیت سے یہ توقع نہ تھی شاید آپ نہیں جانتے کہ صاحبزادہ فیض الحسن کس شان کے مالک ہیں؟ اہلسنت کے عقائد تو لوگ ان کے آستانے کے خادموں سے سیکھتے ہیں۔

آپ نے فرمایا! میں نے خود دیکھا کہ قطب حقانی حضرت سیدنا پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت صاحبزادہ صاحب کو (ان کی جوانی کے عالم میں) اپنی گود میں بٹھاتے اور سینے سے لگا کر فرمایا کرتے کہ

''اس شہزادے کے وجود مسعود کی برکت سے اللہ تعالیٰ اہل سنت کو بہت فائدے پہنچائیں گے''۔

اسی پیشگوئی اور فراست ایمانی کی روشنی میں قطبِ مراڑوی نے مشائخ وعلمائے اہل سنت کو مشورہ دیا کہ صاحبزادہ صاحب کی قیادت میں جمع ہو جائیں۔

جمعیت کی صدارت

حضرت خطیب الاسلام کی شاندار تنظیمی، دینی، تبلیغی اور روحانی خدمات کی وجہ سے آپ کو غازیٔ کشمیر حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال (۲ شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ بمطابق ۲۰ جنوری ۱۹۶۱ء) کے بعد جمعیت علمائے پاکستان کے مرکزی اجلاس منعقدہ لاہور میں جمعیت کا صدر چن لیا گیا۔

حضرت خطیب الاسلام نے فیصل آباد میں جمعیت کے زیر اہتمام ربیع الاول ۱۳۸۱ھ بمطابق اگست ۱۹۶۱ء منعقدہ کانفرنس سے بحیثیتِ صدر جمعیت العلمائے پاکستان خطاب فرمایا۔ اس جلسہ میں مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہ (حزب الاحناف) اور شیخ الحدیث مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی اسٹیج پر موجود تھے۔ آپ نے اپنے انتخاب اور آئندہ لائحہ عمل کا اعلان یوں فرمایا!

Marfat.com

میرے محترم جو کرسی خالی ہوتی ہے...... وہ پھر پُر نہیں ہوتی۔ زمانہ ترقی نہیں کرتا...... زمانہ تنزل پذیر ہے...... جو شخصیت چلی جاتی ہے اس کی کرسی خالی رہتی ہے۔ وہ لاجواب شخصیت جن کی قربانیوں کی داستان بڑی رنگین بھی ہے اور بڑی طویل بھی۔ جن کو حضرت علامہ ابوالحسنات رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جو مجلس عمل کے صدر تھے، جو سنیوں کے بے باک ترجمان تھے، جو غازیٔ کشمیر تھے۔ جن کے پاس علم بھی تھا اور حلم بھی، جو صرف گفتار کے ہی نہیں بلکہ کردار کے بھی غازی تھے۔ جن کے پاس قلم بھی تھی اور تلوار بھی، جو حامل اسرار قرآن بھی تھے اور صاحب ایمان بھی...... ایک بہت بڑے خاندان کے چشم و چراغ تھے اور سُنّیت کے علمبردار تھے۔ ان کے فوت ہو جانے کے بعد ایک بہت بڑی جگہ خالی ہوئی۔ جمعیت علمائے پاکستان کی میٹنگ ہوئی اور حضرت علامہ ابوالبرکات نے اس عہدے کے لئے جو خالی تھا، میرا نام پیش کر دیا۔ اب میں کیا کروں میں سمجھ گیا کہ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟۔

اس لئے نہیں کہ میں علامہ ہوں۔ اس لیے نہیں کہ میں فاضل ہوں، اس لئے نہیں کہ میں بہت پڑھا لکھا ہوں۔ انہوں نے سوچا کہ یہ نوجوان ہے۔ بوجھ اچھا اٹھاتا ہے اسی پر بوجھ ڈال دو۔ جماعت کا سارا بوجھ مجھ پر لاد دیا گیا۔ میں نے کہا حضرت میں سارا بوجھ اٹھاؤں گا اور اٹھا کر چلوں گا۔ لیکن آپ کی تائید کی ضرورت ہے۔ آپ کی راہنمائی کی ضرورت ہے۔ آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔ شیخ الحدیث کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ سُنّیوں کے تعاون کی ضرورت ہے۔

اہل سنت! اگر تم میرے ساتھ تعاون کرو تو اگر میں چھ مہینے کے عرصے میں جمعیت علمائے پاکستان کو ملک کی سب سے بڑی مقبول اور جمہوری جماعت نہ بنا دوں تو میں خدا کے سامنے جوابدہ ہوں۔ اگر تم تعاون نہ کرو تو پھر تم خدا کے سامنے جوابدہ ہو۔

Marfat.com

میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ جمعیت علمائے پاکستان کے ابتدائی رکن بن جاؤ۔ لائل پور میں جمعیت کی شاخیں قائم کرلو۔ اس کا انتخاب کرلو۔ ہم دو مہینے کے بعد مرکزی کانفرنس لاہور میں کرنے والے ہیں۔ اس کے لئے ہمیں مندوب چاہیے اور تم جب جمعیت علمائے پاکستان کی شاخیں بنالو گے تو عائلی کمیشن میں جو باتیں شریعت مصطفیٰ کے خلاف ہیں، اگر ان کو منسوخ نہ کرادوں تو پھر میں جوابدہ اور یہ خاندانی منصوبہ بندی، اس کے ڈھانچے کو اگر ہم پارہ پارہ نہ کردیں تو میں جوابدہ ہوں۔

اور پھر یاد رکھو! اگر مرزائیوں کو اقلیت بنانے کے سوال کو ہم کامیاب نہ کرادیں تو پھر ہم جوابدہ ہیں۔ ۱؎

صدارتی انتخاب اور عورت کی سربراہی کا مسئلہ

صدر ایوب خان نے مارشل لاء کے دوران ۸۰ ہزار ارکانِ بنیادی جمہوریت سے جو اپنی صدارت کی توثیق کرائی تھی اس کی مدت ۱۹۶۵ء کو ختم ہو رہی تھی لہٰذا نئے صدارتی انتخاب کی تاریخ ۲ جنوری ۱۹۶۵ء کو مقرر کی گئی۔ متحدہ حزب مخالف (G.O.P) نے صدر ایوب خان کے مقابلے میں محترمہ فاطمہ جناح کو صدارتی انتخاب لڑنے کے لئے کھڑا کیا۔ ۲؎

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کچھ عرصہ قبل لکھ چکے تھے کہ کسی محفل میلاد میں عورت کی صدارت تو کیا ملک میں عورت کی صدارت و امارت بھی حرام ہے، مگر محترمہ فاطمہ جناح کے لئے اضطرار کا عذر تراشا گیا۔ جمعیت علمائے اسلام کا مؤقف بھی عجیب ''گھن چکر'' تھا۔ پہلے تو یہ لوگ اعلان کرتے رہے کہ قاضی احسان احمد شجاع آبادی

۱؎ صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ کی تقریریں ص: ۵۵ تا ۵۷ چشتی کتب خانہ فیصل آباد ۱۹۹۳ء

۲؎ تحریک و تاریخ پاکستان، حصہ دوم ص: ۱۲۳، پروفیسر شیخ محمد رفیق، لاہور

Marfat.com

ایوب خان کے مقابلے میں انتخاب لڑیں گے مگر پھر ایوب خان ہی کی حمایت کا اعلان کر دیا۔اس وقت ان کے لئے ''دستِ غیب کے قصے'' عام ہو گئے۔ ا؎

جب بعض علماء کرام اور مفتیان قوم محترمہ فاطمہ جناح اور مودودی صاحب کی حمایت میں اکٹھے ہوئے اور فتویٰ جاری کیا کہ ''عورت سربراہ مملکت ہو سکتی ہے''۔

تو اس نازک موڑ پر اہل سنت کے اکابر علماء و مشائخ نے جمع ہو کر اس فتوے کی شدید مذمت کی اور مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ سید ابوالبرکات قادری رحمۃ اللہ علیہ نے شرعی فتویٰ جاری فرمایا کہ اسلام میں عورت سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی۔لہٰذا ہم فیلڈ مارشل ایوب خان کی حمایت کا اعلان کرتے ہیں۔اس فتویٰ کی پاکستان کے ہزاروں علماء و مشائخ نے تصدیق و تائید فرمائی، اور سب نے مل کر حضرت خطیب الاسلام سے اپیل کی کہ ہمیں آپ کی سیاسی صدارت و قیادت پر مکمل اعتماد ہے۔آپ اس وقت سیاسی دنگل میں کود کر اہل سنت کے سفینے کو کامیابی کے ساتھ ساحل مراد سے ہمکنار فرمائیں۔آپ نے علماء کرام کے اعتماد کو منزل مقصود تک پہنچانے کا بیڑا اٹھایا۔چنانچہ آپ کی قیادت میں امام اہل سنت علامہ سید احمد سعید کاظمی، حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی، خطیب پاکستان علامہ حافظ محمد شفیع اوکاڑوی (کراچی)، خطیب اہل سنت مولانا محمد شریف نوری، بین الاقوامی قاری مولانا غلام رسول، حضرت صاحبزادہ محمد طیب ہری پور ہزارہ، حضرت مولانا محمد بخش مسلم بی اے، حضرت علامہ محمود احمد رضوی (شارح بخاری)، حضرت مفتی مختار احمد نعیمی، راقم الحروف (محمد سعید احمد مجددی) اور دیگر کئی علماء و مشائخ نے مشرقی اور مغربی پاکستان کے دورے کئے۔ڈھاکہ چٹاگانگ اور سلہٹ کے میدانوں سے لے کر نشتر پارک کراچی اور موچی دروازہ لاہور تک اور وہاں سے لے کر لیاقت باغ، راولپنڈی اور یادگار چوک، پشاور تک کانفرنسیں اور جلسے

ا؎ شہباز خطابت، سید بشیر احمد ہاشمی، ماہنامہ ضیائے حرم، نومبر ۱۹۸۸ء ص: ۵۳

منعقد کئے، مودودی اور ان کے حامی علماء کو مباہلے اور مناظرے کے چیلنج دیئے لیکن محمدی کچھار کے شیروں کے مقابلے میں کوئی نہ آسکا۔

آپ نے اعلان فرمایا جب تک فیض الحسن زندہ ہے اس ملک پر عورت کی حکمرانی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ آپ کی اس جرأت اور غیرت نے پاکستان کے مسلمانوں کی فکر میں انقلاب برپا کردیا۔ پورے ملک میں انقلاب آگیا لوگوں کے دل و دماغ بدل گئے۔ آنے والے انتخابات میں عوام نے ایوب خان کو صدر چن لیا اور حضرت خطیب الاسلام کی پرعزم قیادت نے مفتی اعظم پاکستان کے فتوے کی لاج بھی رکھ لی اور پاکستان کے سنیوں کی آبرو بھی بچالی اور یوں زمانے کی دو مسلمہ شخصیات کی پیشگوئی بھی پوری ہوگئی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اس عظیم انقلابی کامیابی پر حاسدین اور بھی سیخ پا ہوکر حضرت خطیب الاسلام کی کردار کشی کے درپے ہوگئے۔ جس پر آپ نے صرف یہ جواب دیا کہ میں نے مفتی اعظم پاکستان اور دیگر علماء و مشائخ کے حکم اور فتویٰ کی تعمیل کی ہے۔ اگر ایوب خان کی حمایت کے سلسلے میں میرا اقدام آپ کی نظروں میں غلط ہے تو یہ غلطی میری نہیں فتویٰ دینے والوں کی ہے۔ آپ لوگ ان کی طرف رجوع کریں۔

ایوب خاں کی حمایت حقوق اہل سنت کا تقاضا تھا

قارئین کرام! پر یہ امر بھی واضح رہنا چاہئے کہ خطیب الاسلام نے اکابرین اہل سنت کی مشاورت سے دینی ضرورت کے تحت ایوب خان کی حمایت کی تھی اور بقول علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ اقل القبیحتین کو اختیار کیا تھا، تاکہ اس ملک کو آنے والے بدمذہبی کے سیلاب سے بچایا جائے۔ بعض کم فہموں نے اس

Marfat.com

حمایت کو سیاسی اور مفاداتی گٹھ جوڑ سمجھ لیا تھا اور آج تک غلط فہمیاں پھیلانے میں مصروف ہیں۔ (اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے) چونکہ صدر ایوب خان مرحوم کی حمایت محض سیاسی عمل نہ تھا بلکہ اہل سنت کی مذہبی ضرورت تھی۔ اسی بنیاد پر ایوب خاں سے نفاذ نظام مصطفیٰ کا وعدہ لیا تھا جو بعد میں وہ پورا نہ کر سکا اور علماء اس کی حمایت سے دستبردار ہوتے گئے، مگر خطیب الاسلام نے حقوق اہل سنت کے سلسلے میں چند اہم کارنامے ضرور انجام دے لئے تھے۔

⊙ ...... سالانہ جشن میلاد اور سالانہ گیارہویں شریف کی تعطیلات منظور کروائیں اور ان کو سرکاری سرپرستی دلائی۔

⊙ ...... ریڈیو پاکستان پر محفل میلاد کا آغاز کرایا۔

⊙ ...... شاہی مسجد لاہور سے ایک بدمذہب خطیب (منکر قربانی) کو الگ کرایا اور علامہ قیوم الٰہی عرفانی کو خطیب متعین کرایا۔

⊙ ...... جامع اسلامیہ بہاولپور یونیورسٹی میں اہل سنت کی نمائندگی کے لئے امام اہل سنت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کو بطور شیخ الحدیث خدمات سپرد کروائیں۔

⊙ ...... سیکولر ذہن رکھنے والے فضل الرحمان کو ڈائریکٹر مذہبی امور کے عہدہ سے الگ کرایا۔

⊙ ...... فوج میں اہل سنت کے دینی مدارس کے علماء اور خطباء کی تعیناتی کے لئے کام کا آغاز کیا جو بعد میں قائد اہل سنت حضرت شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ کے دور صدارت میں مکمل ہوا۔ وغیرہا

صدر جمعیت علماء پاکستان اور ناظم اعلیٰ جمعیت مشائخ پاکستان کی حیثیت سے آپ کے کارنامے تاریخ سنیت کا روشن باب ہیں ...... آپ نے دس سال سے زیادہ عرصہ تک جمعیت علماء پاکستان کے صدر اور جمعیت مشائخ پاکستان کے ناظم اعلیٰ کے

Marfat.com

فرائض انجام دیئے۔ پاکستان میں تحفظ حقوق اہلسنت کی خاطر مسلسل عملی جدوجہد فرماتے رہے...... مسلکی تشخص اور اعتقادی تعین کی حفاظت کے حوالے سے اپنوں اور بیگانوں کی طرف سے مسلسل تختۂ مشق ستم بنتے رہے۔

پاکستان کی تاریخ میں سب سے پہلے ''نظام مصطفیٰ'' (ﷺ) کا نعرہ آپ ہی نے بلند فرمایا...... بعد میں یہی نعرہ پوری قوم کے دلوں کی دھڑکن بن گیا...... آپ کی اصولی سیاست پر ہمیشہ عشق رسول علیہ السلام اور تحفظ مسلک کا غلبہ رہا۔ اسی تصلب کی بنا پر آپ کی شخصیت متنازع بھی رہی۔ بعض اوقات اپنوں نے بھی اختلاف کیا مگر حالات بدلنے اور سیاسی مطلع صاف ہونے پر آپ کے مؤقف کو سبھی نے درست تسلیم کیا۔

تحریک آزادی کشمیر

1947ء کی تحریک آزادیٔ کشمیر میں آپ نے ''ادارہ مجاہدینِ اسلام'' قائم کر کے عملی جہاد میں حصہ لیا۔ پچیس ہزار رضا کار بھرتی کئے۔ خود محاذ جنگ پر جا کر مجاہدین کے حوصلے بڑھائے اور اسلحہ، سامانِ خورد ونوش کے علاوہ مجاہدین کی ضروریات زندگی کا اہتمام کرتے رہے۔

مرد قلندر

آپ وہ مرد قلندر تھے جس کی نواؤں میں بوئے اسد اللہی کا کمال تھا، تو اداؤں میں سکندرانہ جلال کی آمیزش بھی تھی۔ آپ کو ایک شیخ طریقت کی حیثیت سے دیکھا جائے تو آپ بحرِ معرفت کے شناور اور قلزمِ طریقت کے غواص تھے۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود تصوف کا نازک ترین مسئلہ ہے۔ لیکن آپ اس مسئلے کو اس طرح حل فرماتے کہ صوفیاء ومشائخ پر رقت طاری ہو جاتی۔ ایک مرتبہ میں (راقم الحروف) نے

سوال کیا۔ حضرت اس مسئلے میں آپ کی واردات کیا ہیں؟ فرمانے لگے۔

''نقشبندی ہوں لیکن وحدت الوجودی ہوں''

کچھ عرصہ بعد یہی مسئلہ زیر بحث آیا تو فرمانے لگے آج کل وحدت شہود سے تسکین قلب ونظر کا ساماں ہورہا ہے اور یہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی روحانی توجہات کا نتیجہ ہے۔ آپ کو مکتوبات امام ربانی کے ساتھ خاص شغف تھا اور اکثر اسی کے مطالعہ میں مصروف رہتے۔

آپ کا انداز فکر صوفیانہ تھا۔ تصوف وطریقت کے اسرار ورموز کے اس قدر ماہر تھے کہ علماء ومشائخ بھی آپ سے طریقت کے سیر وسلوک کا سبق سیکھتے تھے۔ ایک مرتبہ راقم الحروف نے سلوک مجددیہ کی تکمیل کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا! الحمد اللہ بندہ نے سلوک مجددیہ طے کرلیا ہے اور ولایت علیا کی نعمت سے بہرہ اندوز ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت امام ربانی اور حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہما کبھی خواب میں اور کبھی بیداری میں باطنی تربیت فرماتے رہتے ہیں۔

والحمد للہ علیٰ ذالك

حضرت خطیب الاسلام ساری عمر ایک خطیب اور لیڈر کے روپ میں چھپے رہے۔ وہ درحقیقت ایک مستور الحال مرد فقیر تھے جن کی زندگی عشق رسالت سے تعبیر تھی وہ ادراک بسیط کی منزلوں میں گم اور بارگاہ رسالت میں حاضری وحضوری کی نعمتوں سے سرفراز تھے۔ دوران سفر ریل اور کار میں بھی اکثر مراقب رہتے۔ پاس انفاس......اسم ذات......نفی اثبات......ذکر قلبی وسری ان کا خصوصی شغل تھا۔

؎ اس کا انداز نظر اپنے زمانے سے جدا
اس کے احوال سے محرم نہیں پیرانِ طریق

شاعر مشرق علامہ محمد اقبال سے آپ کو یک گونہ عقیدت تھی ایک بار فرمانے

Marfat.com

لگے کہ میں شاعرِ مشرق علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ مرید ہندی کی حیثیت سے پیر رومی سے فکری راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں:

لب بہ بند و گوش بند و چشم بند
گر نہ بینی سرّ حق بر من بخند

جب کہ آپ (علامہ اقبال) فرماتے ہیں:

چشم و گوش و لب کشا اے ہوشمند
گر نہ بینی سرّ حق بر من بخند

اس لحاظ سے مولانا روم اسرار حق دیکھنے کے لئے لب، کان اور آنکھیں بند کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ جب کہ آپ لب، کان اور آنکھ کھلے رکھنے کو کہہ رہے ہیں۔ پیر رومی اور مرید ہندی کی فکر میں یہ تفاوت کیوں؟ میرے اس سوال پر علامہ اقبال فرمانے لگے کہ پیر اور مرید کا اندازِ فکر یکساں ہے۔ پیر رومی کہتے ہیں اپنے حواس کو اغیار کی طرف سے بند کر۔ جب کہ میرا مقصود یہ ہے کہ اپنے حواس کو خدا کی جانب کھول لے۔ علامہ اقبال کے پنجابی کے الفاظ یوں تھے کہ

''بند کر لے اغیار ولوں تے کھول لے یار ول''

مجھے یاد ہے کہ حضرت خطیب الاسلام نے اپنی تقریر منیر دل پذیر ہمہ گیر کے دوران فرمایا کہ ''میں نے درویش لاہوری' مرد قلندر' علامہ اقبال سے ایک دن پوچھا کہ علامہ صاحب! یہ تو بتائیں کہ آپ نے خدا کو کیسے مان لیا اور اس کی آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟'' علامہ صاحب نے فوراً ہی برجستہ جواب دیا!

باخدا در پردہ گویم با تو گویم آشکار
یارسول اللہ او پنہاں و تو پیدائے من

Marfat.com

حضرت خطیب الاسلام نے فرمایا کہ میں یہ جواب سن کر جھوم اٹھا۔ میں نے سوچا کہ اقبال کا یہ فارسی پیغام، پنجابی زبان میں اپنی قوم کو سنا دوں تا کہ فائدہ عام ہو جائے۔ تو میں نے اقبال کے فارسی شعر کا ترجمہ یوں کیا ہے!

کملی والیا! رب میرے لئی باطن اے
تے توں میرے لئی ظاہر ایں
میں وی رب نوں رب منیا
تے توں وی رب نوں، رب منیا
پر میرے من تے تیرے من وچہ فرق اے
توں سب تھیں پہلاں منیا اوہنوں
تے میں پہلاں منیا تینوں، تے فیر منیا اوہنوں
پر توں منیا ویکھ کے، تے میں منیا سن کے
میری شنید اے، تے تیری دید اے
ہن میں جاناں، تے توں جانیں
اگے توں جانیں ، تے اوہ جانیں

جب پہلی بار حضرت خطیب الاسلام کو عارضہ قلب لاحق ہوا تو آپ ماہر امراض قلب ڈاکٹر رؤف یوسف (لاہور) کے پاس ای سی جی کے لئے تشریف لے گئے۔ یہ عاجز (راقم الحروف) بھی وہاں پہنچا دوران گفتگو ڈاکٹر رؤف صاحب نے بتایا کہ حضرت علامہ اقبال کے ساتھ میرے بہت گہرے تعلقات تھے۔ ایک دن میں نے پوچھا علامہ صاحب میں کچھ دنوں سے آپ کے مزاج میں نمایاں تبدیلی دیکھ رہا ہوں آپ کے اشعار وافکار عشق رسول اللہ ﷺ اور تصوف کے سانچے میں ڈھلتے جا رہے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ تو علامہ صاحب نے فرمایا بعض بزرگوں کی زیارت اور صحبت

Marfat.com

نے میرے دل میں روحانی انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ ان میں سے ایک بزرگ قطب الاقطاب حضرت خواجہ سید محمد امین شاہ رحمۃ اللہ علیہ آلو مہار شریف والے ہیں اور دوسرے بزرگ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جب میں آلو مہار شریف میں حاضر ہوا تو حضرت خواجہ نے مجھے اپنے ساتھ بٹھا لیا اور نگاہ مست سے میری طرف دیکھا اور سر اور پشت پر ہاتھ پھیرا اور زبان سے فرمایا کہ بیٹا تم بڑے خوش نصیب ہو اللہ تعالیٰ تم سے ملتِ اسلامیہ کی خدمت کا کام لیں گے۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ روزانہ کثرت سے درود خضری پڑھا کرو۔ علامہ اقبال نے کہا اچانک یوں محسوس ہونے لگا کہ میرے جسم سے بوجھ اتر رہا ہے۔ سینے میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا ہو رہی ہے اور اس کے بعد میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس دن سے میرا معمول ہے کہ روزانہ پانچ ہزار مرتبہ درود شریف خضری پڑھتا ہوں۔ اسی فیضان کا اثر ہے کہ میرے سینے میں عشق رسول کا سمندر موجزن ہے اور میں الحمد للہ یقین کی حد تک اس امر کا قائل ہوں کہ واقعی اہل اللہ کی نظر کیمیا اثر ہوتی ہے اور ان کی توجہات کا فیضان قلب ونظر میں انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔ غالباً اسی فیضان کے مشاہداتی نتیجے کا اعتراف کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا تھا!

ے نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

آپ پندرہ برس تک دل کے عارضے میں مبتلا رہنے کے بعد ۲۳ فروری 1984ء بروز جمعرات سرائے فانی سے عالم باقی کی طرف سدھارے۔ آپ کے آخری الفاظ کلمہ طیبہ وذکر کے بعد یہ تھے

”روشنی آ رہی ہے پردے ہٹادو“

آپ کی نماز جنازہ پہلے گوجرانوالہ میں اور پھر آلو مہار شریف میں ادا کی گئی آپ کو

Marfat.com

آلومہار شریف میں اپنے آباؤ اجداد کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

ع ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں
بہت چراغ جلاؤ کے روشنی کے لئے

آپ کے سانحۂ ارتحال پر اہل علم و ادب نے اپنے قلبی جذبات کا اظہار کیا "مشتے نمونہ از خروارے" چند قطعات درج ذیل ہیں

اہلِ سنت کے امام و ابوالکلام
با خدا مومن، محب پنجتن!
ملّی و دینی، سیاسی رہنما
نازشِ ملت، فدا کار وطن!

(حضرت مولانا محمد بخش مسلم بی اے)

تاجدارِ فکر و فن جاتا رہا
قائدِ اہلِ سخن جاتا رہا
دوستو! بزمِ خطابت لٹ گئی
ساتھیو! میرِ سخن جاتا رہا

(علامہ شبیر احمد شاہ ہاشمی)

تیری ہر ایک سعی کا مقصد تھا بس یہی!
نافذ ہو اَرضِ پاک میں اِسلام کا نظام
الفاظ و روزمرہ تھے سب تیرے خانہ زاد!
تجھ کو بجا ہی کہتی ہے خلقت ابوالکلام

(عابد نظامی)

حضرت خطیب الاسلام کے وصال کے ساتھ ہی زندگی اپنی رعنائیوں سے

Marfat.com

محروم ہوتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ مشائخ ایک روحانی پیشوا سے محروم ہو گئے...... علماء کی آرزوؤں کا سہاگ اجڑ گیا...... عشق رسالت کی محفلیں سونی ہو گئیں...... حاملان دین متین بے سہارا ہو گئے...... منبر و محراب پر قیامت گزر گئی...... تحریک آزادی کا قافلہ سالار چل بسا...... تحریک ختم نبوت کا مجاہد اول رخصت ہو گیا...... حقوق اہل سنت کا محافظ جاتا رہا...... برصغیر پاک و ہند میں نصف صدی تک خطابت کے لولوے لالہ لٹانے والا آخری خطیب چل بسا...... اربابِ منبر و محراب...... ایسا خطیب کہاں سے لائیں گے؟۔ اصحابِ سلوک و طریقت ایسا شیخ کہاں سے لائیں گے؟...... اب فرق باطلہ کی یورشیوں اور شورشوں کی مدافعت کون کرے گا؟...... اب عقیدت مند آنسوؤں کے چراغ جلا کر اپنے محبوب رہنما کی راہ دیکھا کریں گے۔

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں، ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت و غم اے ہم نفسو! وہ خواب ہیں ہم

وہ سرزمینِ پنجاب میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی بزم سلوک و تصوف کی آخری شمع اور طریقت نقشبندیہ مجددیہ کی مسند کے آخری مسیحا تھے۔

؎ رو رہی تھی آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

Marfat.com

مختصر حالات مدونِ مقالات

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت وغم اے ہم نفسو! وہ خواب ہیں ہم

سراج العارفین حضرت علامہ ابوالبیان **پیر محمد سعید احمد** مجددی رحمۃ اللہ علیہ ایک ہمہ صفت موصوف انسان تھے جن کا شمار عالم اسلام کے نابغہ روزگار علمائے شریعت، عرفائے طریقت اور خطبائے ملت میں ہوتا تھا۔ توحید الٰہی پر ایمان آپ کی بندگی کا اثاثہ اور عظمت رسالت پر ایقان آپ کی زندگی کا خاصہ تھا۔ آپ فقر غیور کے ترجمان اور عشق جسور کے نگہبان تھے۔ سادگی و پرکاری آپ کا مزاج اور بے خودی و ہوشیاری آپ کی معراج تھا۔ آپ رعنائی وزیبائی کا منبع اور دلبرائی و پارسائی کا مرقع تھے۔ آپ جمال و کمال کا حسین سنگم اور اخلاص وللّٰہیت کا عظیم پیکر تھے۔ آپ صوفیاء کے لئے سراپا ادب و نیاز، علماء کیلئے مروّت وایثار اور عامۃ الناس کے لئے شفقت و پیار کی آبشار تھے۔

نگاہ بلند ، سخن دل نواز ، جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

شریعت وطریقت کے جامع ہونے کی بدولت آپ نے لوگوں کے چہروں کو نور سنت سے مزین اور سالکوں کے دیدۂ ودل کو نور طریقت سے منور فرمایا یہی وجہ ہے کہ بعد از وصال بھی آپ کے آستانے پر رندوں کی دھوم اور عاشقوں کا ہجوم رہتا ہے۔ بقول شاعر

ع ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے مردِ خلیق

Marfat.com

قدرت نے آپ کی ذات ستودہ صفات کو گوناں گوں خوبیاں مرحمت فرمائی تھیں۔ بلاشبہ آپ شریعت کے عالم بھی تھے اور طریقت کے حامل بھی...... سنت کے عامل بھی تھے اور شیخِ کامل بھی...... عاشق رسول اللہ بھی تھے اور مجاہد فی سبیل اللہ بھی...... مایہ ناز خطیب بھی تھے اور بلند پایہ ادیب بھی...... کتاب وسنت کے حامی بھی تھے اور شرک وبدعت کے ماحی بھی...... مرد فقیر بھی تھے اور پیر روشن ضمیر بھی...... غرضیکہ آپ حسن صورت اور حسن سیرت کا حسین امتزاج تھے، اس لئے سب سے نرالے اور انوکھے تھے۔ علامہ اقبال مرحوم نے خوب کہا

ع انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کونسی بستی کے یا رب رہنے والے ہیں

خاندانی پس منظر

کون جانتا تھا کہ خطۂ کشمیر جنت نظیر میں حضرت مولانا لال دین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر ۱۹۴۳ء بروز جمعۃ المبارک بوقت فجر پیدا ہونے والا یہ بچہ ایک دن روشن آفتاب بن کر چمکے گا اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار ونظریات کی ترجمانی کرتے ہوئے وہ عظیم کارنامہ سرانجام دے گا جسے گذشتہ چار صدیوں میں کوئی نہ کرسکا۔

۞...... آپ کا خاندان ۱۹۴۷ء میں جب ہجرت کر کے پاکستان آیا تو ضلع جہلم تحصیل سرائے عالمگیر کے گاؤں ''اورنگ آباد'' میں قیام کیا۔

۞...... آپ کے والد گرامی حضرت مولانا لال دین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ ایک عالم باعمل اور صوفی منش بزرگ تھے۔ والدہ مرحومہ دردِ دل رکھنے والی نہایت نیک سیرت اور پاکباز خاتون تھیں۔ والدین کے حسنِ تربیت اور آغوشِ ولایت نے آدابِ فرزندی سکھائے، اس طرح خودشناسی وخداشناسی اور خود آگہی وخدا آگاہی آپ کو ورثے میں ملی تھی۔

Marfat.com

ع یہ حق آگاہی ، یہ خوش گوئی، یہ ذوقِ معرفت
یہ طریق دوستی ، خود داری و تمکنت
اس کے شاہد ہیں کہ ان کے والدین ابرار تھے
با خدا تھے اہل دل تھے صاحبِ اسرار تھے

✿......آپ کا سلسلہ نسب صحابی رسول حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے جو نہایت حسین وجمیل شخصیت کے مالک تھے۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام جب کبھی لباس بشری میں بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوتے تو اکثر حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں متشکل ہوتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان کے حسن و جمال کی جھلک آپ میں نمایاں نظر آتی تھی۔

ع ان کی ذرّیت کا ہر ذرہ نہ کیوں ہو آفتاب
سر زمینِ حسن سے نکلی ہے یہ کانِ جمال

تعلیمی زندگی

گھریلو مذہبی ماحول کی وجہ سے سکول کی تعلیم کے بعد جہلم، لاہور اور گوجرانوالہ کے مختلف دینی مدارس میں ممتاز اور جید علمائے کرام سے علوم دینیہ کا اکتساب کیا۔

✿......جامعہ نظامیہ لاہور سے تنظیم المدارس کے تحت الشہادۃ العالمیہ (ایم اے عربی و اسلامیات) کا امتحان پاس کیا۔

✿......شیخ القرآن حضرت علامہ محمد عبد الغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ قرآن پڑھا۔

✿......امام اہلسنت حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ (ملتان) سے سند حدیث حاصل کی۔

خطابت

عشق رسول میں ڈوبی ہوئی آواز، سخن دل نواز، محبت بھرا لہجہ و انداز، تجنیسِ

Marfat.com

الفاظ، مترادفات کی دل نشینی ، استعارات آفرینی، مطالب کا سیلاب ، اشارات و کنایات اور تلمیحات ومحاورات کا وافر استعمال آپ کی خطابت کے دلنشین عناصر اور آپ کے عمیق مطالعہ کا بیّن ثبوت تھے ۔ جب آپ خطابت کے لولوئے لالہ لٹاتے تو کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی زبان اور دردوسوز میں گندھا ہوا بیان یوں محسوس ہوتا

ع بات کرتا ہے کہ خوشبو کو بدن دیتا ہے   اس کا لہجہ تو کلیوں کو دہن دیتا ہے

۞......خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ پیر سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ (آلو مہار شریف) کی 25 سالہ صحبت ورفاقت اور تربیت وشفقت نے آپ کے دینی، روحانی ،فکری اورادبی رجحانات میں مزید نکھار پیدا کیا جس سے میدان خطابت میں آپ کو عالمگیر شہرت اور پذیرائی حاصل ہوئی۔

۞......آپ کی خطابت کی جولانی ،سلاست وروانی اور شعلہ بیانی کو دیکھ کر شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''ابوالبیان'' کا لقب عطا فرمایا جو آپ کے نام کا جزوِلازم بن کر رہ گیا۔

دراصل آپ کی بے مثال اور شہرہ آفاق خطابت کے پیچھے آپ کے مرشد ومربی حضرت خواجہ صوفی محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کارفرما تھی کہ انہوں نے خوش ہو کر فرمایا تھا۔

''محمد سعید تجھ پر تقریر نازل ہوا کرے گی''

یہی وجہ ہے کہ آپ کے ہم عصر نامور علماء کرام اور مشائخ عظام آپ کی معراج خطابت کے معترف تھے۔

عالمی ادارہ تنظیم الاسلام کا قیام

اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا عزم بالجزم کرتے ہوئے آپ نے فروری ۱۹۸۰ء میں عالمی ادارہ تنظیم الاسلام کی بنیاد رکھی جس کے تحت نوجوانوں کی علمی ، فکری ،نظریاتی تربیت اور روحانی ذوق کی آبیاری کے لئے عملی جدوجہد کا آغاز کیا۔ عالمی ادارہ تنظیم

Marfat.com

الاسلام کے قیام کا بنیادی مقصد تعلیمات کتاب وسنت کی ترویج واشاعت، غلبہء اسلام کیلئے مسلمانوں کو متحد ومنظم اوران کی علمی وعملی، فکری اور روحانی تربیت کرنا ہے تا کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے نئے دور کا آغاز ہو سکے۔

ع اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں ترے دور کا آغاز ہے

تحریکی سرگرمیاں

آپ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے تاہم پھر بھی آپ جمعیت علمائے پاکستان، جماعت اہلسنت اور دیگر کئی مذہبی وسیاسی تنظیموں میں نمایاں عہدوں پر تبلیغی وروحانی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

❁......عرصہ تین سال تک آزاد کشمیر کی سب سے مؤثر دینی اور سیاسی تنظیم جمعیت علمائے جموں وکشمیر کی صدارت کے فرائض بھی انجام دیئے لیکن جلد ہی عملی سیاست سے کنارہ کش ہو گئے۔

سنی جہاد کونسل کا قیام

غلبہء اسلام، آزادیٔ کشمیر اور تکمیل پاکستان کے لئے آپ نے لیاقت باغ راولپنڈی میں ''جہاد کشمیر کنونشن'' کا انعقاد کیا جس میں آپ کی دعوت وتحریک پر ایک ہزار علماء ومشائخ نے شرکت کی۔ جس کے پہلے کنوینر اور صدر کنونشن آپ ہی تھے اور وہاں آپ نے ۲ مارچ ۱۹۹۲ کو آل جموں وکشمیر سنی جہاد کونسل کی بنیاد رکھی۔ شرکاء کنونشن میں سے چند مقتدر علماء ومشائخ اور سیاسی زعماء کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

❁......نبیرۂ حضرت مجدد الف ثانی پروفیسر صبغۃ اللہ مجددی (صدر افغان عبوری حکومت)

❁......مولانا محمد عبدالستار خان نیازی (وفاقی وزیر مذہبی امور پاکستان)

Marfat.com

- ...... صاحبزادہ پیر سید برکات احمد شاہ (سینیٹر، آستانہ عالیہ جلالپور شریف)
- ...... پیر طریقت علامہ محمد علاؤالدین صدیقی (آستانہ عالیہ نیریاں شریف آزاد کشمیر)
- ...... محدث سیالکوٹ علامہ حافظ محمد عالم نقشبندی (نائب امیر سنی جہاد کونسل)
- ...... پیر طریقت حضرت سید دیوان آل رسول (آستانہ عالیہ اجمیر شریف)
- ...... علامہ مفتی گل احمد عتیقی (شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)
- ...... مفتی کشمیر مفتی غلام قادر صابری (کراچی)
- ...... علامہ سید محمد عرفان شاہ مشہدی (آستانہ عالیہ بھکھی شریف)
- ...... شیخ الحدیث مفتی محمد معین الدین نقشبندی (ڈسکہ)
- ...... علامہ محمد عبدالرشید نقشبندی (شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)
- ...... استاذ العلماء حافظ غلام حیدر خادمی (سیالکوٹ)
- ...... علامہ پروفیسر محمد افضل جوہر (منتظم اعلیٰ کنونشن راولپنڈی)
- ...... استاذ العلماء علامہ محمد دین چشتی (فیصل آباد)
- ...... پیر طریقت صاحبزادہ فیض علی فیضی (آستانہ عالیہ دادوالی شریف)
- ...... استاذ العلماء مفتی محمد حسین چشتی (صدر جماعت اہل سنت آزاد کشمیر)
- ...... مولانا محمد بشیر مصطفوی (میرپور آزاد کشمیر)
- ...... شیخ الحدیث علامہ سید حسین الدین شاہ چشتی (راولپنڈی)
- ...... پیر طریقت صاحبزادہ سید عارف حسین شاہ گیلانی (آستانہ عالیہ پناگ شریف آزاد کشمیر)
- ...... ڈاکٹر حمزہ مصطفائی (صدر انجمن طلباء اسلام پاکستان)
- ...... حافظ محمد طارق رضا (صدر انجمن طلباء اسلام آزاد کشمیر)

علاوہ ازیں جماعت اہل سنت پاکستان، جمعیت علمائے پاکستان، جماعت اہل سنت

Marfat.com

آزاد کشمیر، جمعیت علماء جموں و کشمیر، عالمی ادارہ تنظیم الاسلام، انجمن طلباء اسلام، تحریک منہاج القرآن وغیرہا جیسی قابل ذکر ۱۷ تنظیموں کے سربراہان اور نمائندگان کنونشن میں شریک ہوئے اور حضرت ابوالبیان رحمۃ اللہ علیہ کو عظیم الشان جہاد کشمیر کنونشن کے انعقاد پر خراج تحسین وتبریک پیش کیا۔ بلکہ نبیرۂ سیدنا مجدد الف ثانی امیر المجاہدین پروفیسر صبغۃ اللہ مجددی (صدر افغان عبوری حکومت) نے حضرت ابوالبیان رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ فرمایا تھا۔

''جس مؤثر انداز میں علامہ مجددی صاحب نے مقدمۂ کشمیر پیش فرمایا ہے اگر ہمارے پاس ان جیسا ایک بھی رجل رشید ہوتا اور وہ افغانستان کا مقدمہ اس انداز میں پیش کرتا تو آج افغانستان کے حالات اس سے مختلف ہوتے''۔

تادم واپسیں شدت علالت کے باوجود سنی جہاد کونسل کے ناظم اعلیٰ رہے، پاکستان اور کشمیر میں اسلامی و روحانی معاشرے کی تشکیل وتعمیر کے لئے عملی جہاد میں مصروف رہے۔

دینی مدارس کا قیام

آپ نے ۱۹۸۲ء میں جی ٹی روڈ بالمقابل ریگل چائنہ گوجرانوالہ (بطرف لاہور) پانچ ایکڑ اراضی پر مشتمل مرکزی دارالعلوم اہل سنت و جماعت (جامعہ ریاض المدینہ) کی بنیاد رکھی۔

یہاں نہایت خوبصورت انداز میں تعلیمی نظام شروع فرمایا تو دیکھتے ہی دیکھتے تشنگان علم وحکمت اس مادر علمی کی طرف اُمڈ آئے۔ سینکڑوں طلباء زیور تعلیم سے آراستہ ہونے کیلئے شہر سے باہر اس دارالعلوم میں نہایت ذوق وشوق سے تشریف لے جاتے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے۔ نہایت احسن انداز میں یہ علمی سلسلہ قائم ہوا مگر بعض جاہ پسند عناصر کیلئے یہ بات بڑی ناگوار تھی کہ دین متین کے اس نظام کی قیادت حضرت ابوالبیان رحمۃ اللہ علیہ فرمائیں؟ لہٰذا انہوں نے ہر سطح پر آپ کی زبردست مخالفت شروع کر

Marfat.com

دی۔ چنانچہ بادل نخواستہ آپ اس نظام سے دست کش ہو گئے مگر معاندین کی پوری کوشش کے باوجود یہ تعلیمی نظام معطل ہی رہا بالآخر انہیں اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا کہ یہ نظام چلانا ہمارے بس کا روگ نہیں پھر سالہا سال کے تعطل کے بعد بحمدہٖ تعالیٰ یہ نظام اُنہیں دوبارہ آپ ہی کی زیر سرپرستی دینا پڑا۔ اب یہ دارالعلوم المدینہ اسلامک یونیورسٹی کے نام سے علوم اسلامیہ وعصریہ کا حسین سنگم ہے جو بڑے احسن انداز میں وارثانِ منبر ومحراب کی تعلیم وتربیت کے فرائض سرانجام دے رہا ہے۔

۞...... گوجرانوالہ ڈویژن میں اہل سنت کی عظیم دینی درس گاہ دارالعلوم نقشبندیہ امینیہ A بلاک ماڈل ٹاؤن کے بانی ومہتمم بھی آپ ہی تھے۔

علاوہ ازیں درجنوں مدارس ومساجد اور مذہبی وسماجی تنظیموں کی عمر بھر سرپرستی اور مالی معاونت فرماتے رہے۔

تبلیغی کاوشیں

آپ نے دین اسلام کے بنیادی نظریات اور کتاب وسنت کی آفاقی تعلیمات سے عوام الناس کو روشناس کرانے کے لئے مجلس دین ودانش کے تحت مختلف دروس قرآن وحدیث وتصوف کا سلسلہ شروع فرمایا جن میں بالخصوص قرآنی سورتوں کا اجمالی تعارف اور مختلف قرآنی مضامین کی تعبیر وتشریح آپ کے موضوع سخن ہوتے تھے۔

۞...... دروس احادیث میں خصوصاً شمائل ترمذی کچھ ایسے ایمان افروز اور دل کش انداز میں بیان فرماتے کہ سامعین پر رقت کی کیفیت طاری ہو جاتی۔

۞...... کئی مرتبہ بیرونی ممالک (برطانیہ، آسٹریلیا، ملائیشیا، عراق، سعودی عرب، ہندوستان وغیرہ) میں تبلیغی وروحانی دورے بھی فرمائے۔

۞...... ماشاءاللہ آٹھ مرتبہ حج بیت اللہ اور متعدد عمروں کی سعادت بھی آپ کے حصے آئی۔

قیام حرمین شریفین کے دوران بھی دعوت وارشاد کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

روحانی نسبت

آپ کو درد و سوز اور تصوف و طریقت کی طرف میلان ورثہ میں ملا تھا۔ قدوۃ الکاملین حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر زبدۃ الفقراء حضرت خواجہ صوفی محمد علی نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ خاص آلومہار شریف سیالکوٹ) سے ملاقات ہوئی جو مادرزاد ولی اور بلند پایہ صاحب حال صوفی تھے۔ ان کی نگاہ ولایت نے پہلی ہی نظر میں اس جوہر قابل اور گوہر نایاب کو پہچان لیا اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت فرمالیا۔ پھر شیخ کامل کی روحانی توجہات نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کو منازل سلوک طے کروا کے نہ صرف خرقہ خلافت سے نوازا بلکہ ''شہباز طریقت'' کا لقب بھی عطا فرمایا۔

آپ کے شیخ کامل حضرت خواجہ صوفی محمد علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر روز قیامت خدا نے پوچھا اے محمد علی! دنیا سے کیا لائے ہو تو میں محمد سعید احمد کا ہاتھ پکڑ کر بارگاہِ ایزدی میں پیش کردوں گا۔

حاصلِ عمر نثار رہ یارے کردم
شادم از زندگئ خویش کہ کارے کردم

آپ کی اعلیٰ روحانی وعلمی استعداد کو دیکھتے ہوئے اندرون وبیرون ملک کے جلیل القدر مشائخ عظام نے جملہ سلاسل طریقت (نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، شاذلیہ وغیرھا) کے فیوض وبرکات اور خرقہ ہائے خلافت واجازت سے نوازا۔ یوں آپ کی ذات بابرکات جملہ سلاسل طریقت کے فیوض وبرکات کی جامع وسنگم قرار پائی۔

جن مشائخ عظام نے آپ کو خرقہ ہائے خلافت واجازت سے نوازا ان میں سے چند اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

- ......خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ پیر سید فیض الحسن شاہ مجددی رحمۃ اللہ علیہ
(وارثِ مسندِ آلومہار شریف ضلع سیالکوٹ)
- ......شیخ المشائخ حضرت پیر محمد فضل شاہ مجددی رحمۃ اللہ علیہ (سجادہ نشین چورہ شریف ضلع اٹک)
- ...... پیر طریقت حضرت خواجہ محمد غلام فرید شاہ مجددی رحمۃ اللہ علیہ
(سجادہ نشین نتھیال شریف ضلع اٹک)
- ...... شہزادہ غوث الوریٰ حضرت صاحبزادہ پیر سید محمد انور شاہ گیلانی بغدادی مدظلہ
(سجادہ نشین سدرہ شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان صوبہ سرحد)
- ...... غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ (ملتان)
- ...... شیخ القرآن حضرت علامہ محمد عبد الغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ (وزیر آباد)
- ...... شیخ الشیوخ حضرت العلام شیخ ابو النور شاذلی رحمۃ اللہ علیہ (دمشق)
- ...... پیر طریقت حضرت صاحبزادہ پیر سید عاشق حسین شاہ مجددی رحمۃ اللہ علیہ
(سجادہ نشین آستانہ عالیہ سرہند شریف (انڈیا) مدفون شیخوپورہ پاکستان)

بحیثیت شیخ طریقت

شیخ کامل مکمل نبوت و رسالت کی نیابت و خلافت کے طور پر سالکین کی قلبی تنویر اور باطنی تطہیر کر کے انہیں منزل آشنا کرتا ہے۔ ''نقشبنداں عجب قافلہ سالار انند'' کے مصداق آپ سلوک نقشبندیہ مجددیہ طے کروانے میں بہت مشاق تھے۔ کئی احباب کو ایک ہی توجہ سے عالم امر اور عالم خلق کے لطائف طے کروا دیئے۔ دیگر سلاسل طریقت کے سالکین بھی آپ سے توجہات قدسیہ اور باطنی رہنمائی حاصل کرتے تھے بلکہ بعض نامور مشائخ بھی آپ سے اسرار طریقت سیکھتے اور روحانی مسائل دریافت کرتے تھے۔

دروس تصوف

تصوف وطریقت کے نہایت باریک، لطیف اور دقیق مسائل ومعارف پر شرح وبسط کے ساتھ کلام کرنے اور عامۃ الناس کے قلوب واذہان میں صحیح اسلامی تصوف کو اجاگر کرنے کی صلاحیت خصوصی طور پر قدرت نے آپ کو ودیعت فرمائی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ قدوۃ الکاملین حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق کتاب مستطاب کشف المحجوب کا مسلسل ۸ برس (۱۹۸۹ء تا مئی ۱۹۹۶) تک ہفتہ وار درس ارشاد فرماتے رہے۔

❁...... حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی علوم ومعارف پر مشتمل رسالہ مبارکہ ''مبدأ ومعاد'' احباب کو سبقاً پڑھایا۔

❁...... نیز مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کا تقریباً ربع صدی درس ارشاد فرمایا۔

البینات شرح مکتوبات

۱۹۸۹ء میں جب عالمی ادارہ تنظیم الاسلام کے زیر اہتمام ''ماہنامہ دعوتِ تنظیم الاسلام'' کا اجراء ہوا تو آپ نے تعلیمات مجددیہ کے فروغ واحیاء کے لئے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے ''مکتوبات شریفہ'' کی پہلی اردو شرح ''البینات'' کے عنوان سے لکھنے کا آغاز فرمایا۔

مکتوبات امام ربانی علوم ومعارف اور حقیقت ومعرفت کا بحر ذخار ہے جن کے متعلق حضرت العلام سید عبدالحکیم بن المصطفیٰ الآرواسی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

افضل الکتب الاسلامیۃ بعد کتاب اللہ تعالیٰ وبعد احادیث النبویۃ مکتوبات للامام الربانی لامثل لہٗ فی الاقطار الجہانی

مکتوبات کی شرح یقیناً ایک مشکل ترین کام تھا کیونکہ مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کو

Marfat.com

سمجھنے کے لئے صرف عربی اور فارسی زبان پر عبور اور اصطلاحاتِ تصوف کا جان لینا ہی کافی نہیں بلکہ حضرت مجدد پاک رحمۃ اللہ علیہ کے لامحدود مکشوفات، حقائق ومعارف کو سمجھنے کے لئے اعلیٰ روحانی استعداد کے ساتھ ساتھ بلندئ فکر ونظر اور علم کسبی کے علاوہ علم وہبی کی بھی ضرورت ہے جو کہ خداداد صلاحیت ہے نیز یہ قال کا علم نہیں بلکہ حال کا علم ہے۔ اس کا تعلق واردات قلبیہ اور مشاہدات ذاتیہ کے ساتھ ہے نیز قلبی واردات وکیفیات اور ذاتی مشاہدات ومکاشفات کا ادراک کر کے ان کو الفاظ کی حسین لڑی میں پرونا اور بھی مشکل کام ہے بحمدہٖ تعالیٰ اللہ رب العزت نے یہ ساری قابلیتیں وصلاحیتیں آپ کی ذات بابرکات میں ودیعت فرمائی تھیں۔

آپ کے اس کام نے علماء کے علاوہ اخص الخواص کو بھی ورطۂ حیرت میں مبتلا کر دیا۔ کچھ نے اس کام کو سراہا اور دادِ تحسین دی تو کچھ انگشت بدنداں رہ گئے۔ جب کہ کچھ نے تو یہ سمجھا کہ یہ کام زیادہ دیر تک چلنے والا نہیں لیکن جس کام کی بنیاد خلوص وللہیت پر ہو، جہاں تائید ایزدی اور بزرگوں کی توجہات شاملِ حال ہوں، مزید یہ کہ خود حضور مجدد پاک علیہ الرحمہ کی روحانیت ممد ومعاون ہو تو ناکامی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلہ میں آپ خود فرماتے ہیں کہ بارہا ایسا ہوا کہ البینات کے سلسلہ میں کسی مشکل مسئلہ کے حل کی جب کوئی صورت نہ بن پڑتی تو حضور مجدد پاک رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں فاتحہ پڑھ کر متوجہ ہوتا تو اس مسئلہ کا حل معلوم ہو جاتا کبھی القائی طور پر تو کبھی یوں کہ اچانک کسی نہ کسی کتاب میں فوراً ہی مسئلہ سامنے آ جاتا۔ وللہ الحمد

تصانیف عالیہ

جس طرح آپ نے فن خطابت میں اپنی عظمتوں کا لوہا منوایا اسی طرح آپ میدانِ تحریر کے بھی شاہسوار تھے۔ آپ کی تصنیفات جلیلہ ادب وانشاء کا عظیم شاہکار

Marfat.com

ہیں جن میں تحقیق وتدقیق کے ساتھ ساتھ ایجاز و اختصار اور برمحل اشعار کا استعمال قارئین کے لئے دلچسپی کا باعث ہے۔ ان میں علوم ومعارف، حقائق ودقائق، شریعت وطریقت اور حقیقت ومعرفت کے دریا بہادیئے گئے ہیں جن کا صحیح ادراک واحساس ان کے مطالعہ وملاحظہ سے ہی ممکن ہے۔ تاحال آپ کی درج ذیل تصانیف منظر عام پر آئی ہیں جبکہ متعدد منصوبہ جات ابھی تشنۂ تکمیل ہیں۔

- ۞......البینات شرح مکتوبات (مطبوعہ چار جلدیں، مزید کام جاری ہے)
- ۞......سعادت العباد شرح مبدأ ومعاد (مکمل دو جلدیں)
- ۞......البیان (تقریری مجموعہ)......(مطبوعہ پانچ جلدیں، مزید کام جاری ہے)
- ۞......تذکرہ مشائخ آلومہار شریف
- ۞......مقالات ابوالبیان
- ۞......سرمایہ ملت کا نگہبان
- ۞......آداب الحرمین
- ۞......کلمہ طیبہ اوراس کے تقاضے
- ۞......ایمان اوراس کے ثمرات
- ۞......اسلام میں عید میلاد النبی کی حیثیت
- ۞......صلوات الابرار (مجموعہ درود وسلام)
- ۞......قرآنی سورتوں کا اجمالی تعارف (زیر ترتیب)
- ۞......شرح شمائل ترمذی (زیر ترتیب)
- ۞......شرح کشف المحجوب (زیر ترتیب)

وصال باکمال

جملہ سلاسل طریقت کی نسبتوں کے حامل یہ مرد وحید اپنے مشائخ کرام کے تفویض کردہ روحانی وتبلیغی مشن کی تکمیل وتشہیر کے بعد یہ تبلیغی و روحانی نظام اپنے جانشین مکرم مدظلہٗ کے سپرد فرما کر آخر کار 10، 11 اگست ۲۰۰۲ء بروز اتوار بمطابق یکم جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ کو واصل بحق ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

Marfat.com

جانشین حضرت ابوالبیان مدظلہٗ

آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد آپ کا کاشت فرمودہ چمن اپنی بہاریں روز افزوں بکھیر رہا ہے، اس گلستان علم وعرفان کی آبیاری پروردۂ آغوش ولایت حضرت علامہ صاحبزادہ پیر محمد رفیق احمد مجددی مدظلہٗ فرمارہے ہیں۔

حضرت جانشین محترم مدظلہٗ ایک بلند پایہ علمی ، فکری اور روحانی شخصیت ہیں۔ قدرت نے آپ کو یقین محکم ،عمل پیہم ، بلند ہمتی اور وسعت قلب ونظر جیسی گوناگوں صفات سے متصف فرمایا ہے۔آپ کی زیر قیادت عالمی ادارہ تنظیم الاسلام کا قافلۂ شوق اندرون وبیرون ملک علمی، ادبی ،فکری، تحقیقی، تصنیفی ،تبلیغی اور روحانی خدمات سرانجام دے رہا ہے اور بیسیوں مساجد ومدارس کی تعمیر وتاسیس کا مبارک سلسلہ جاری ہے۔ یہ مدارس علوم اسلامیہ وعصریہ کا حسین سنگم ہیں جہاں ہزاروں طلباء وطالبات زیور تعلیم وتربیت سے آراستہ ہورہے ہیں۔ یوں آپ کی انتھک کاوشوں سے عالمی ادارہ تنظیم الاسلام کا دائرۂ عمل وسیع سے وسیع تر ہورہا ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذالك

۞......آپ نے اپنے مرشد ومربی حضرت ابوالبیان رحمۃ اللہ علیہ کے نقوش سیرت کو اپناتے ہوئے نہایت تھوڑے وقت میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں جن میں خصوصاً دختران اسلام کی تعلیم وتربیت کیلئے عظیم الشان تنظیم الاسلام ایجوکیشن سنٹر کا قیام، درگاہ حضرت ابوالبیان رحمۃ اللہ علیہ کی تعمیر وتشکیل ،مرکزی جامع مسجد نقشبندیہ کی تعمیر وتزئین نو اور تیسری بلڈنگ کا اضافہ ،ابوالبیان ریسرچ انسٹیٹیوٹ کیلئے دو عدد خوبصورت وسیع لائبریریاں اور جامعہ مدینۃ الاسلام کے طلباء کیلئے عظیم الشان تعلیمی ورہائشی بلاکس کی تعمیر وتکمیل ہے۔

۞......آپ نے ارباب ذوق اور عامۃ المسلمین کی باطنی تطہیر اور قلبی تنویر کا خوب سامان بہم پہنچایا ہے۔جن میں سرفہرست ادارہ کے مرکزی سیکرٹریٹ درگاہ حضرت ابوالبیان رحمۃ اللہ علیہ میں منعقدہ ہفتہ وار محفل ذکر ہے۔ جہاں سینکڑوں سالکین طریقت

Marfat.com

اپنے قلب وروح کے انجلاء ویقین کا سامان پاتے ہیں۔علاوہ ازیں یہاں امت مسلمہ کا قلبی رشتہ قرآن حکیم سے مضبوط تر کرنے کیلئے عظیم الشان سالانہ انٹرنیشنل محفل حسن قرأت کا اہتمام کیا جاتا ہے جن میں دنیائے اسلام کے نامور قرأ عظام اپنے لحن داؤدی سے عوام الناس کے قلوب واذہان کو انوار قرآنی سے منور کرتے ہیں۔تعلیمات کتاب وسنت کو عام کرنے کی غرض سے شب وروز دروس قرآن وحدیث کی صورت میں بھٹکے ہوئے آھو کو سوئے حرم لیجانے کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔نیز حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کی تجدیدی خدمات سے عوام وخواص کو روشناس کروانے کے لئے عشرۂ امام ربانی کو نہایت تزک واحتشام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔حضور اکرم نور مجسم ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی میں ماہ ربیع الاول میں سالانہ مشعل بردار جلوس نہایت تزک واحتشام کے ساتھ نکالا جاتا ہے جو دنیا بھر میں اپنی نوعیت کا منفرد جلوس ہوتا ہے۔

مزید برآں آپ نے ۲۰۰۹ء میں طلباء کیلئے جامعہ تنظیم الاسلام پیپلز کالونی میں درس نظامی کی کلاس کا اجراء فرمادیا ہے جبکہ طالبات کیلئے تنظیم الاسلام ایجوکیشن سنٹر برائے خواتین ماڈل ٹاؤن میں درس نظامی کی کلاس کئی برسوں سے جاری ہے۔۲۰۰۹ء میں طالبات نے الشہادۃ العالمیہ (دورۂ حدیث) کا امتحان دیا تھا اور ایک طالبہ نے ملک بھر میں الشہادۃ العالمیہ تنظیم المدارس کے امتحان میں دوسری پوزیشن حاصل کی تھی بحمدہٖ تعالیٰ عالمی ادارہ تنظیم الاسلام کے زیر اہتمام ان مدارس میں طلباء وطالبات کیلئے علوم اسلامیہ وعصریہ کا حسین امتزاج ہے۔

بفضلہٖ تعالیٰ ۲۰۱۱ء حضرت ابوالبیان قدس سرہٗ العزیز کی مذہبی وملی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے عشرۂ حضرت ابوالبیان نہایت عقیدت واحترام سے منانے کا آغاز بھی ہو چکا ہے۔

❁...... تصنیفی اور تحقیقی خدمات کے حوالے سے آپ نے حضرت ابوالبیان علیہ الرحمہ کی تصنیفات وتالیفات کو صوری اور معنوی خوبیوں سے مزین کر کے ادارہ کی تصنیفات کا

Marfat.com

اک معیار قائم کر دیا ہے۔ خصوصاً البینات شرح مکتوبات اور دیگر کتب مقدسہ کو آپ نہایت احسن انداز میں منظر عام پر لا رہے ہیں۔ چشم بد دور! آپ کے انقلابی افکار وخدمات نے عوام وخواص کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ قُبِلَ مَنۡ قُبِلَ بِلَا عِلَّةٍ

با خدا دادگان ستیزہ مکن — کہ خدا دادہ را خدا دادہ است

درحقیقت یہ محض فضل ربانی اور تائید ایزدی ہے جو حضور اکرم ﷺ کی توجہات قدسیہ اور خواجہ ابوالبیان رحمۃ اللہ علیہ کے تصرفات باطنیہ کا ثمرہ ہیں (ماشاء اللہ)

......آپ کی زیر قیادت، اندرون وبیرون ممالک بالخصوص آسٹریلیا، انگلینڈ، کینیڈا ساؤتھ آفریقہ، ملائیشیا میں مدارس ومساجد کی تعمیر وتاسیس، تعلیم وتربیت اور تبلیغ اسلام کا مبارک سلسلہ جاری ہے۔ خصوصاً آسٹریلیا میں ۱۲ ایکڑ قطعہ اراضی پر مشتمل نہایت خوبصورت اسلامک ہال کا قیام عمل میں آچکا ہے جہاں پنج وقتہ نماز اور جمعۃ المبارک کے ساتھ ساتھ ہفتہ وار محفل ذکر کا اہتمام بھی ہورہا ہے۔ اس طرح دیار اسلام اور دیار کفر میں قال اللہ جل جلالہ اور قال رسول اللہ ﷺ کی صدائیں برابر جاری وساری ہیں اور نئے منصوبہ جات کی طرف تیزی سے پیش قدمی ہو رہی ہے۔

الغرض! یہ اللہ رب العزت کا بہت بڑا فیضان وانعام ہے کہ اس نے اس آستانے کو ایسا رفیق عطا فرمایا ہے جنہوں نے صحیح معنوں میں اپنے آپ کو رفیق ابوالبیان ثابت کر دیا ہے۔

ع حضرت رفیق اُن کی نشانی ہیں ہُو بہ ہُو — ساقی نیا ہے اور پرانا ہی جام ہے

دعا ہے کہ اللہ رب العزت آپ کو عمر خضر عطا فرمائے ......اس آستاں کو تا قیام قیامت شاد وآباد رکھے اور خلق خدا کو اس کی شادابیوں سے بہرہ مند فرمائے۔

ع الٰہی تا ابد آباد آستان یار رہے — آسرا ہے غریبوں کا برقرار رہے

اللّٰھم اٰمین بحق طٰہٰ ویٰسین علیہ التحیۃ والتسلیم

محمد نوید اقبال مجددی ایم۔فل (اسکالر)

Marfat.com

حمد و ثنا

مکان ہو کہ لامکاں وہی عیاں یہاں وہاں
حجاب حسنِ یار ہیں تعینات این و آں

(حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

وہ جوششِ ظہور ہے کہ ہر ایک ذرہ طور ہے
ہر ایک چیز مست ہے فضا میں وہ سرور ہے

وہ صورتوں میں ہے عیاں وہ نکہتوں میں ہے نہاں
کہاں ہے وہ ؟ کہاں نہیں؟ وہ ہے محیطِ این و آں

(حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

کلمہ طیبہ

(لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمہ طیبہ دعوتِ توحید و رسالت کی بنیاد اور قصرِ اسلام کی نہاد ہے۔ شجرِ دین کی جڑ اور شرع متین کی اساس ہے۔ اس ایک کلمہ کی تصدیق سے انسان دائرہ کفر سے نکل کر، حلقہ بگوش اسلام ہو جاتا ہے۔ اس کلمہ کی تصدیق اور تفہیم پر ہی تمام تر اسلامی زندگی کا مدار ہے۔ اس ایک کلمہ کو کما حقہٗ ماننے سے انسانی زندگی میں ایک عظیم الشان انقلاب آجاتا ہے اور انسان، زندگی کی اعلیٰ ترین اقدار کا حامل اور پاسدار بن جاتا ہے۔

انسان نے ہر دور حیات میں اپنی بیچارگی اور ناتمامی کے احساس کے پیش نظر...... کسی بلند و برتر اور قوی و توانا ذات کی پرستش کی۔ اس کا سر نیاز ہمیشہ کسی کے سامنے جھکا اور اس نے ہمیشہ کسی قادر اور توانا ہستی سے استعانت کی۔ لیکن اپنے الٰہ اور معبود کے تصور اور تعین میں ہمیشہ غلطیاں کرتا رہا۔ کبھی رعد و برق سے سہم کر...... کبھی تندیٔ باد و باراں سے گھبرا کر...... کبھی آفتاب کی حدت اور قوت سے مرعوب ہو کر...... اور کبھی کواکب کی چمک دمک سے مسحور ہو کر، وہ اعلیٰ مظاہر فطرت کے سامنے جھکتا رہا۔ اشرف المخلوقات ہو کر ارذل اور ادنیٰ اشیاء کے سامنے سرنگوں ہوتا رہا۔ جس سے شرف انسانی مجروح ہو گیا۔ خدا ناشناسی کی وجہ سے وہ خود شناسی سے بھی محروم ہو کر...... اپنے

Marfat.com

انسانی منصب ومقام کو بھول گیا۔

لیکن لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ایک انقلاب آفرین کلمہ نے انسان کو رفعت وعظمت کا وہ اعلیٰ ترین مقام دلوایا جس کو وہ کھو چکا تھا۔ معبود کے صحیح تصور سے آشنا ہو کر وہ خود آگاہ اور خوددار بن گیا۔ کائنات کی اسیری سے نکل کر وہ تسخیرِ کائنات کے قابل ہو گیا۔ اس کا ضعف، قوت سے...... خوف، جرأت سے...... احتیاط استغناء سے...... قنوطیت، رجائیت سے بدل گئی۔ جلالِ برق وباد سے ترساں انسان ...... جہان برق وباراں کا حکمران بن گیا۔ شمس وقمر سے مرعوب انسان عرفان توحید ورسالت کی قوت سے...... ان پر حکمرانی کرنے لگا اور اس نے منصبِ خلافت ارضی کو پا کر...... ارضی ماحول کو تسخیر کرنے کا عزم بالجزم کر لیا۔

کلمہ طیبہ کے مفہوم کو سمجھ لینے اور مان لینے کے بعد...... اللہ تعالیٰ کی عبودیت کے تصور وتعلق کی وجہ سے انسان ماسوی اللہ کی بالادستی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی عبودیت...... اعانت...... حفاظت...... کفالت...... نصرت...... اور ہدایت کی تمام تر نسبتوں کو صرف ایک ہی معبود کی ذات سے وابستہ کر لیتا ہے۔ خالق کا بندہ مخلوق کے خوف سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اپنے واحد خالق اور مالک پر بھروسا کر لینے کے بعد وہ خود کو ہمہ تن سازگار ماحول اور معاون فضا میں مقیم پاتا ہے۔ اس کا معبود...... اللہ تعالیٰ رحیم اور کریم ہے...... حافظ اور ناصر ہے...... اور غفور وودود ہے۔ اس عرفان سے زندگی...... جنت بکنار بن جاتی ہے اور مومن انجام کار لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ کی سدا بہار فضا میں پہنچ جاتا ہے۔

علامہ اقبال نے کلمہ طیبہ کی اس انقلاب آفریں قوت کا اپنے حسین اشعار میں یوں تعارف کرایا ہے۔

Marfat.com

خودی کا سرِ نہاں لا الٰہ الّا اللہ
خودی ہے تیغِ فساں لا الٰہ الّا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الّا اللہ
یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الّا اللہ

اس کلمہ کے زبان سے اقرار کے ساتھ کی اس کی دلی تصدیق بھی لازم ہے تا کہ برکت وسعادت کے وہ اثرات مرتب ہوسکیں جو اسلامی زندگی کا حاصل ہیں۔اس کلمہ سے صرف اُخروی نجات ہی حاصل نہیں ہوتی ...... بلکہ دینوی کامیابی اور کامرانی بھی نصیب ہوتی ہے۔دنیا آخرت کی کھیتی ہے، یہاں جو بویا جائے گا...... آخرت میں اس کا پھل حاصل ہوگا۔کامیاب دنیوی زندگی ہی کامیاب اخروی زندگی کا ذریعہ ہے۔ پس لازم ہے کہ کلمہ طیبہ پر دل کی گہرائیوں سے ایمان لایا جائے تا کہ فلاح دارین حاصل ہو سکے۔

لا الٰہ گوئی بگو از روئے جاں
تا ز اندامِ تو آید بوئے جاں
زیستن با سوز اُو قہاری است
لا الٰہ خوب است و ضرب کاری است

کلمہ طیبہ کی زبانی اور قلبی تصدیق سے عرفان ذات اور تسخیر کائنات کی کلید ہاتھ آجاتی ہے۔مومن بہ یک جُست غیر اللہ کے موہوم ومزموم ...... مسحور کن اثرات سے آزاد ہوکر عرفان وایقان اور سرور واطمینان کی لازوال دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔رحمان و رحیم معبود کی نسبت عبادت ومحبت سے وہ سراپا رحمت وشفقت بن جاتا ہے۔خالق کی

محبت مخلوق پر شفقت کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہے۔ وہ سب کا محسن...... سب کا غمگسار ...... اور امن وسلامتی کا علمبردار بن جاتا ہے کہ اسلام اور ایمان میں امن وسلامتی کا پیغام مضمر ہے۔ باطل قوتیں مؤمن کو مرعوب نہیں کرسکتیں اور فانی لذتیں اسے مسحور نہیں کرسکتیں۔

کلمہ طیبہ پر ایمان لانے سے اور ایک معبود برحق کی عبودیت سے انسان کے خودساختہ قوانین کی ناتمامی اور مضرت واضح ہوجاتی ہے اور یہ اذعان نصیب ہوجاتا ہے کہ حکومت اور قانون سازی صرف خالق ومالک کا حق ہے۔ کوئی انسان دوسرے انسان پر نہ حکمران ہوسکتا ہے اور نہ ہی فلاح دارین کا ضامن ...... مؤمن ان قوانین صداقت پر عامل ہوتا ہے جو سراپا عمل اور انسانیت کی بقا اور ارتقاء کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اسی لئے وہ اپنا ضابطۂ قانون اور زندگی کا لائحہ عمل اللہ تعالیٰ کے آخری نبی علیہ السلام کے ذریعہ تمام صداقتوں کے حامل قرآن کی صورت میں حاصل کرتا ہے جو ہر عیب سے پاک ہے اور یوں اس کی انسانی زندگی ملکوتی حسن کی مظہر بن جاتی ہے۔ اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا حیات انگیز اور برکات آفرین کلمہ انسان کو ظاہری ...... باطنی ...... جسمانی ...... ذہنی ...... دنیاوی معاملات وحالات میں صداقتوں اور سعادتوں کا امین بنادیتا ہے۔ توحید ورسالت پر ایمان لانے سے مؤمن ایک ایسی قومیت کے تصور سے آشنا ہوجاتا ہے جس کی بنیاد رنگ، نسل یا لسانی امکان پر نہیں بلکہ ایمان وایقان پر ہوتی ہے اور یوں ایک نسلی یا جغرافیائی قومیت کی بجائے ایک نظریاتی قومیت وجود پذیر ہوجاتی ہے۔ جہاں مؤمن انفرادی اور اجتماعی طور پر شرفِ انسانی کا نقیب اور ضروریاتِ انسانی کا کفیل بن جاتا ہے۔ کلمہ طیبہ کی فکری اساس پر مبنی معاشرہ میں ہر انسان کو عدل وانصاف ...... اخوت ومساوات ...... محبت و مؤدت ...... سکون وراحت کی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ توحید ورسالت کی طبعی اور

Marfat.com

فطری صداقت پر مبنی معاشرہ اعلیٰ ترین انسانی اقدار کا حامل ہوتا ہے۔ آسمانی ہدایت اس کی رہنما اور حضور رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس کے مقتدا اور پیشوا ہوتے ہیں۔

لہٰذا ایک سچا مؤمن اخلاقی حسن وکمال کا پیکر اور شرافت وصداقت کا مظہر ہوتا ہے۔ اس کے جذبات میں توازن اور تعلقات میں محبت والفت کا ظہور ہوتا ہے۔

Marfat.com

رُبُوبیّت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۱؎

قانونِ ربوبیت

آیت قرآنی اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ کے مطابق کائنات میں ایک عالمگیر اور ہمہ رس قانون ربوبیت ورحمت یا قانون تعمیر وتحسین کارفرما ہے۔ کائنات کی بقا اور ارتقاء اس بات کی شاہد ہے کہ یہاں خیر...... شر پر...... اور تعمیر...... تخریب پر غالب ہے۔ یہاں تخریب بھی کسی نئی تعمیر کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ درد والم کا انجام بھی راحت وسرور کے نئے دور کے آغاز کے رنگ میں ہوتا ہے۔ افراد ہوں یا اقوام ......ابتلاء...... ارتقاء کا...... قربانی...... ترقی کا...... اور مصیبت...... راحت کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ جب شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اسی وقت صلاحیت حیات میں ایک نئی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ خالق حیات...... حفاظتِ حیات کا خود کفیل ہے۔ یہاں ہر شکست وریخت کی مرمت کا اور درد کی دوا کا ایک مستقل خودکار، نظام موجود ہے۔

ذرا انسانی تخلیق کے حیرت انگیز اور معجزانہ عمل پر غور فرمائیے کس طرح ۲۸۰

۱؎ الفاتحہ، ۱:۱

Marfat.com

دن کے عرصہ میں قدرت ایک جرثومہ کو ایک مکمل انسانی جسم میں منتقل کر دیتی ہے۔ سائنس دان آج تک کسی بے جان مادے سے کسی جاندار شے کو وجود میں نہیں لا سکے۔ مگر یہ قدرت کا عجب کارنامہ ہے کہ ایک بے جان بوند سے علَقہ (جما ہوا خون) پھر اس خون سے تدریجاً مُضغہ (یعنی گوشت کا لوتھڑا) وجود میں آتا ہے۔ پھر اس سے ایک جیتا جاگتا انسان...... انسانی اعضاء کے قالب میں ڈھال دیا جاتا ہے اور اس کو مرد یا عورت کا روپ عطا کر دیا جاتا ہے...... انسانی تخلیق کے ان تمام مراحل پر غور کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی بہت بڑا انجینئر کسی نہایت ہی پیچیدہ مشین کا نقشہ سامنے رکھ کر بیٹھا ہوا اور ہر ایک پرزے اور ہر اک کیل کانٹے کو ایک طے شدہ سکیم کے مطابق ترتیب وار مناسب مواقع پر نصب کرتا چلا جا رہا ہو، تا آنکہ لاکھوں مختلف چھوٹے بڑے پرزوں کے ترتیب وار اجتماع سے ایک مکمل مشین وجود پذیر ہو جائے۔ جس میں ہر پرزہ اپنے اپنے مقام پر اپنا مقررہ فریضہ ادا کر رہا ہو اور یوں بے شمار متفرق پرزوں کی مکمل ہم آہنگی سے ایک نہائت ہی طاقتور مشین کارفرما ہو جائے۔ انسانی جسم کا کمال یہ ہے کہ یہ مشین پوری طرح مکمل ہونے سے پہلے ہی چلنا شروع کر دیتی ہے۔ اور چلتی ہی رہتی ہے اور اپنی تکمیل بھی کرتی رہتی ہے۔ یہ ضرورت پڑنے پر اپنی مرمت بھی خود ہی کرتی رہتی ہے۔

قانونِ ترتیب و تحسین

جسم انسانی کی تخلیق اور ترتیب و تحسین کے اس حیرت انگیز فعل کو دیکھ کر آپ کو کسی علیم اور قدیر خالق کے وجود کو لامحالہ ماننا پڑے گا۔ انسانی جسم کی بے حد پیچیدہ مشین کی یہ ساری تجویز ایک چھوٹے سے خلیے میں بند ہوتی ہے جو کہ ایک جرثومہ حیات کی صورت میں رحم مادر میں جاگزین ہوتا ہے۔ جس میں ایک ایک فرد کے آباؤ

Marfat.com

اجداد کے تمام ذہنی اور جسمانی اثرات بھی محفوظ ہوتے ہیں اور مستقبل میں اس خاص فرد کی وضع قطع ...... رنگ روپ ...... صورت سیرت کے تمام معین ممکنات بھی مرکوز ہوتے ہیں۔ جو ایک خاص نظم وضبط کے ساتھ اپنے مقررہ وقت پر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔

اس ایک جرثومہ حیات میں شعور قدرت کی تمام تر قوت مخفی ہوتی ہے۔ ایک طرف اپنی نوع کے ماضی کے تجربات کا ورثہ بشکل جبلت اور دوسری طرف مستقبل میں ایک خاص صورت وسیرت کی خاصیت ...... اسی ننھے سے خلیہ میں پنہاں ہوتی ہے۔ جو مناسب وقت پر مناسب طریقہ سے ظہور پذیر ہو کر تخلیق وترتیب کا معجزانہ فعل انجام دیتی رہتی ہے۔ خالق کائنات نے زندگی کے ہر خلیے میں ایک مخفی شعور رکھ دیا ہے جو پوری تندہی سے خالق کی تجویز کے مطابق ایک معین راہ پر چلتا رہتا ہے اور معین فرض منصبی کو نبھاتا رہتا ہے۔ صرف ۲۸۰ دنوں میں اسی جرثومہ حیات کی مخفی قوتیں ظاہر ہو کر رگوں ...... پٹھوں ...... وریدوں ...... بالوں ...... ہڈیوں ...... آنکھوں ...... کانوں دل ودماغ ...... معدہ وجگر ...... ہاتھوں اور پاؤں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اور پھر پوری ہم آہنگی سے جسمانی بقاء اور ارتقاء کا فریضہ ادا کرنے لگتی ہیں۔

شاہکار تخلیق

جسم انسانی ایک محیر العقول شاہکار تخلیق ہے۔ اس کا ہر ایک عضو بجائے خود ایک حیرت انگیز تخلیق ہے۔ آنکھ کو ہی لیجئے ...... یہ بظاہر چھوٹا سا عضو کیا کچھ اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ ایک سیکنڈ میں کئی رنگین تصاویر کھینچتا ہے۔ نیگیٹو خود بخود Develop ہو جاتا ہے۔ پھر خود ہی مٹ کر اس کی جگہ نئی تصویریں لے لیتی ہیں۔ اس کا Foccusing بھی خودکار ہے۔ اس کا صفائی اور تری کا بھی ساتھ ہی ساتھ اہتمام ہے۔ آنکھ جھپکنے

Marfat.com

سے صفائی اور چکنائی کا کام خود بخود ہو جاتا ہے۔ کان کو لیجئے اس میں ایسا احساس رکھ دیا ہے اور اس کے اندرونی حصے اس حد تک حساس واقع ہوئے ہیں کہ آواز کے معمولی سے معمولی زیر و بم میں بھی امتیاز کر لیتے ہیں۔ آنکھ سے رگِ بصارت اور کان سے رگِ سماعت جو دماغ تک خارجی تاثرات کو پہنچاتی ہیں، بجائے خود ایک عجوبہ ہیں۔

جس علیم و قدیر نے جسم انسانی کی یہ حیرت انگیز مشین تخلیق کی ہے اس نے اس عظیم شاہکار کی حفاظت اور مرمت کا انتظام بھی کر دیا ہے۔ انسان کے تحت الشعور میں پنہاں قوتِ حیات یا طب کی اصطلاح میں طبیعت مدبرہ بدن (قوت مدافعت) بڑی مستعدی، مہارت اور کامیابی کے ساتھ ہر مرض کی اصلاح کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ جب مرض کا جسم پر حملہ ہوتا ہے تو دفاع اور اصلاح کی قوتیں زور و شور سے حرکت میں آ جاتی ہیں اور قدم قدم پر مرض کا مقابلہ کرتی ہیں۔

صحت و شفا...... انسان کی طبعی کیفیت ہے

مرض ایک غیر طبعی صورت حال ہے اور صحت، طبعی کیفیت ہے۔ جسم کا اپنی طبعی اور معتدل کیفیت کی طرف لوٹنا ایک قدرتی امر ہے۔ اس لئے حصول صحت اتنا مشکل امر نہیں جتنا اپنی غلط اندیشی سے عام لوگوں نے بنا رکھا ہے۔ اگر اپنے خالق کی ربوبیت اور رحمت پر پورا اعتماد کیا جائے اور ایک صاف ستھری سادہ زندگی...... قدرتی اصولوں کے مطابق بسر کی جائے...... تو شفا بغیر دوا کے صرف ممکن ہی نہیں بلکہ ایک امر واقع ہے۔ اگر انسان اپنے اور خالق کے تعلق کو صحیح معنوں میں سمجھ لے...... اور اس کی ربوبیت...... رحمت...... محبت...... اور حفاظت کا ادراک کر لے تو جسم اس معتدل طبعی حالت پر قائم رہتا ہے جہاں مرض حملہ آور نہیں ہو سکتی اور اگر ہو جائے تو قائم نہیں رہ سکتی۔ مرض کے متعلق حواس کے ذریعے جو احساس دماغ تک جاتے ہیں وہ اکثر

Marfat.com

المناک ہوتے ہیں۔اس سے انسان میں خوف کی ایک ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو مرض میں زیادتی کا باعث بن جاتی ہے۔لیکن اگر آدمی خود آگاہ ہو اور جسم انسانی کی حفاظت اور تقویت کے خود کار نظام کو سمجھ لے تو اس پر یہ حقیقت واشگاف ہو جاتی ہے کہ قدرت نے زندگی کی حفاظت کا ایسا محیر العقول نظام انسان کے لاشعور میں و دیعت کر رکھا ہے، جو نازک سے نازک صورت حال کا کامیابی سے مقابلہ کرنے کی اہلیت رکھتا ہے جو کبھی بھی غافل نہیں ہوتا۔اور اگر اس قدرتی نظام شفا کی راہ میں غیر طبعی رکاوٹیں نہ پیدا کی جائیں اور اس سے کماحقہ تعاون کیا جائے ......تو حصول صحت کا طبعی پروگرام پورا ہو کر رہتا ہے۔

انگلی کے ایک معمولی زخم ہی کو لیجئے۔کھال کے کٹنے اور خون کے بہنے کے ساتھ ہی زندگی کا شعورِ باطنی فوراً سرگرم عمل ہو جاتا ہے۔خون کے زخم سے بہہ کر ہوا سے مس ہوتے ہی اس میں ایک کیمیاوی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔اور خود بخود ایک کھرنڈ زخم کے منہ پر بن کر زخم کو سر بمہر کر دیتا ہے۔تا کہ باہر سے جراثیم وغیرہ داخل ہو کر زخم کو خراب نہ کریں۔ساتھ ہی خون کے سفید خلیات وافر مقدار میں زخم کے مقام پر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔کچھ تو زخم کو مندمل کرنے اور نئی جلد پیدا کرنے کے کام آتے ہیں اور کچھ مضر جراثیم تلف کرنے میں لگ جاتے ہیں۔یوں کھرنڈ کے اندر ہی اندر نئے خلیات وجود پذیر ہو کر زخم کو مندمل کر دیتے ہیں۔

طبیب صرف ہڈیوں کو جوڑ دیتا ہے اور جلد میں ٹانکے لگا دیتا ہے۔باقی کام کیسے ہوتا ہے اور نئے خلیات کیسے پیدا ہوتے ہیں؟ یہ بات نہ ہنوز طبیب کے علم میں آئی ہے اور نہ یہ اس کے بس کی بات ہے۔یہ تمام کام طبیعت مدبرہ بدن (قوت مدافعت) یا باطنی شعور یا قوتِ ربوبیت کا ہی کارنامہ ہوتا ہے۔روحانی علاج میں اسی ربوبیت اور رحمت کے قانون پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ذہنی شکوک وشبہات کو مٹا دیا

Marfat.com

جاتا ہے۔منفی نقطہ نگاہ کی بجائے مثبت نقطہ نگاہ اپنالیا جاتا ہے۔ بے یقینی کی بجائے یقین اور بے اعتمادی کی بجائے اعتماد کی کیفیت پیدا کر لی جاتی ہے۔اس سے قانونِ ربوبیت اور رحمت کی کارفرمائی کی راہ سے نفسیاتی رکاوٹ دور ہو جاتی ہے اور مرض کافور ہو جاتی ہے۔اس قانونِ ربوبیت ورحمت پر یقین کے لئے جسم انسانی کی حیرت انگیز ساخت اور اس کی حفاظت کے خود کار نظام کا بہ نظر غائر مطالعہ بے حد ضروری ہے تاکہ انسان فطری وطبعی دلائل و آثار کے ذریعے تصدیق وتسلیم کے جذبے سے سرشار ہو کر توحید ومعرفت کی منزل پا سکے۔(وللہ الحمد)

نیاز و ناز

حریمِ ناز کے پردے اٹھائے جاتے ہیں
جمالِ یار کے جلوے دکھائے جاتے ہیں

(حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

ہے ہمالہ کی طرح سے استوار
خاتمیت پر تری میرا یقیں

پھر مزا ہے ربطِ حسن و عشق کا
تیرا سنگِ در ہو اور میری جبیں

کاروانِ عشق کی تُو منزل مقصود ہے
ہے یہ سارا ذوق و شوق رہرواں تیرے لئے

تیرا عروج ، باعثِ رونق عالم وجود
تیرا نزول علتِ حسن جہانِ ممکنات

ساقی محفل الَست رحمتِ عام سے تیری
آ گیا اعتدال پر کیفِ مزاجِ زندگی

(حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

عصمتِ نبوّت

(علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ۱؎

منزل کا تعین سفر کی کامیابی کے لئے ضروری ہے۔ وسائلِ سفر کتنے ہی عمدہ ہوں اور مسافر کی نیت کتنی ہی نیک ہو، اگر منزل واضح نہیں تو ہر چیز بے کار ہے۔ کیونکہ وسائل، منزل کے حصول کے لئے ہی ہیں اور اگر یہی علم نہ ہو کہ کہاں پہنچنا ہے تو چلنا بے کار ہے بلکہ بسا اوقات مضر پڑتا ہے۔ اگر منزل کا تصور واضح نہ ہو تو امکان ہے کہ مسافر کسی غلط سمت کو ہی چل دے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جتنا وہ چلے گا اتنا ہی منزل سے دور ہوتا جائے گا۔ پس ایسی حالت میں نہ چلنا، چلنے سے بہتر ہوگا۔ تصورِ منزل کی غلطی کی صورت میں ...... نہ چلنے سے منزل کا قرب نہیں حاصل ہو سکتا ...... لیکن اگر چلا جائے تو قرب کی بجائے ...... اُلٹا بُعد بڑھتا چلا جائے گا۔ پس لازم ہے کہ آغاز سفر سے پہلے ...... منزل کا قطعی تصور ...... مسافر کے سامنے موجود ہو۔

اپنے نکتہ نگاہ کو سمجھانے کے لئے ایک اور مثال پیش کرتا ہوں۔ آپ ایک ایسے آدمی کا تصور کیجئے جو ایک حکومت میں ایک شریف شہری کی حیثیت سے زندگی گزارتا ہے۔ وہ ملکی قانون کا پابند ہے۔ کسی دوسرے شہری کے حقوق میں دخل انداز نہیں ہوتا۔

۱؎ الحج، ۲۲:۶۷

Marfat.com

کسی دوسرے آدمی کو اس کے طرزِ عمل سے کوئی بھی شکایت نہیں۔ وہ حکومت کو بطور ایک شہری کے...... تمام ٹیکس رضا کارانہ طور پر بروقت ادا کرتا رہتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ اپنی کوششوں سے اپنے ملک اور معاشرہ کی تعمیری خدمت بھی کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا آدمی ایک شریف انسان ہے اور اس کی زندگی پر کوئی تنقید نہ ہونی چاہئے بلکہ اس کو تمام حقوقِ شہریت مکمل طور پر حاصل ہونے چاہیں۔ لیکن اگر آپ کو یہ پتہ چل جائے کہ عملی طور پر تو وہ ایک اچھا اور معیاری شہری ہے لیکن جس ملک یا معاشرہ میں وہ رہتا ہے، اس کی ہیئت کو وہ تسلیم نہیں کرتا۔ یا اس کے اختیارات اور مفادات کی غلط توجیہہ کرتا ہے تو لازماً اس کی تمام عملی صلاحیتوں اور خوبیوں کے باوجود...... اس کے حقوق شہریت یا سلب ہو جائیں گے یا محدود کر دیئے جائیں گے۔ کیونکہ اعمال اسی وقت تک عمدہ قرار دیئے جا سکتے ہیں جب تک کہ وہ اس مخصوص نظریہ کے ماتحت وقوع پذیر ہوں...... جو اس معاشرہ کا خصوصی نظریہ ہے۔

جس طرح کسی مسافر کے سفر کی کامیابی اور افادیت...... تصورِ منزل کی صحت پر مبنی ہوتی ہے۔ اسی طرح کسی شہری کے اعمال کی اچھائی اور افادیت بھی ایک مخصوص نظریۂ حیات کی خدمت پر ہی مبنی ہوتی ہے۔ تصورِ منزل غلط ہو تو سفر بے کار ہو گا اور اگر نظریہ ہی غلط ہو تو اعمال بھی قطعاً بے کار ہوں گے۔

ایمان و عمل کا باہمی ربط

انہی دو مثالوں سے ایمان اور عمل کے باہمی ربط کو سمجھ لیجئے۔ ایمان ہی وہ منزل ہے جس کے حصول...... قرب...... یا یافت کی خواہش کے پیشِ نظر اعمال کو پرکھا جائے گا۔ اگر ایمان نہ ہو...... یا غلط ہو تو پھر تمام اعمال بے کار ہو کر رہ جائیں گے۔ یہی وہ نظریہ ہے جس کا فقدان...... یا جس میں غلطی...... ہر عمل کو عملِ صالح کی فہرست سے

Marfat.com

نکال دے گی اور ان کو حرف غلط کی طرح بیکار قرار دے دے گی۔ وہ کونسا ظاہری عمل اور وقتی قربانی تھی جو منافقین کی فہرستِ اعمال میں موجود نہ تھی۔ وہ کونسا بظاہر اچھا قول وفعل تھا جو مخلص مومن کرتے تھے...... لیکن منافقین نہ کرتے تھے؟ منافقین کی وضع قطع اور میل ملاپ ...... سبھی کچھ مومنوں سے ملتا جلتا تھا۔ صحبتِ رسالت بھی مومنوں کی طرح ہی منافقوں کو بھی میسر تھی ...... لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ منافقین کے تمام اعمال اور ظاہری حسنات اکارت ہی گئے۔ ان کی ہر نیکی ...... بدی قرار دی گئی اور ان کے ہر بظاہر اچھے عمل کو مردود قرار دیا گیا۔ صرف اسی لئے کہ یہ وہ مسافر تھے جن کا تصور منزل غلط تھا...... یہ وہ شہری تھے جو نظریہ حیات کو چھوڑ کر بظاہر مصروف عمل تھے...... لیکن مذہبی اصطلاح میں یوں کہئے کہ یہ ''بے ایمان عامل'' تھے۔ پس ہر عمل تب ہی صالح بن سکتا ہے جب کہ ایمان صحیح ہو۔ ورنہ مذہبی زندگی کا تمام تانا بانا خرافات سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔

حکم قرآنی: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ[1] میں ایمان کا تقدم اور عمل کا تاخر اسی حقیقت کا غماز ہے۔

شدتِ یقین

ایک مخصوص نظریۂ حیات اور ضابطۂ فکر وعمل کو...... بلا چون وچرا...... بہ صمیم قلب مان لینے کا نام ایمان ہے۔ اب ماننا تو کسی دلیل کی وجہ سے ہی ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ مذہب کے ماوراء الطبعیاتی حقائق عقل کی زد سے ماوراء ہوتے ہیں۔ کسی منطقی استدلال یا فلسفیانہ تجزیہ سے یہ حقائق سمجھے نہیں جا سکتے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان حقائق کو صرف کسی عقلی یافت کے طور پر مانا نہیں جاتا بلکہ ان پر بڑی شدت کے ساتھ

۱۔ البقرہ، ۲:۲۷۷

یقین ہوتا ہے اور یقین کی یہ شدت روزمرہ کے عام عقلی نتائج کے متعلق نہیں ہوتی اور یہی شدتِ یقین...... علم اور ایمان کے درمیان مابہ الامتیاز ہوتی ہے۔

اس کی ایک عام دلیل یہ ہے کہ کسی بھی مذہبی عقیدہ پر عقلی تنقید کر کے دیکھ لی جائے۔ ایک عام آدمی آپ کی تنقید کا کوئی بھی تسلی بخش جواب نہ دے سکے گا۔ لیکن شدتِ یقین کی بنا پر وہ آپ کی تنقید کو ٹھنڈے دل سے گوارا بھی نہ کرے گا۔ بلکہ وہ اسے اپنے عقائد کے تقدس کے منافی سمجھے گا کہ کوئی آدمی ان پر عقلی تنقید کرنے کی جرأت کرے۔ لہٰذا جذبات میں ہیجان پیدا ہو جائے گا اور ہوسکتا ہے کہ معاملہ کشت و خون تک جا پہنچے۔ اس سے ایک بات تو واضح ہوگئی کہ عقائد اور مذہبی حقائق کو ماورائے طورِ عقلی ہی سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ میں تو یہاں تک بھی کہہ سکتا ہوں کہ جو عقیدہ عقلی تنقید کی زد میں آجائے وہ بطورِ عقیدہ کے اپنے تقدس کو کھو دیتا ہے۔ تو جب عقائد عقل سے حاصل نہیں ہوتے تو پھر ان کے حصول کا کون سا ذریعہ ہے؟ جو عقل سے بلند تر ہے اور عقل کی لغزشوں اور غلطیوں سے بھی پاک ہے کہ عقل کے نتائج پر شک کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس وسیلہ علم پر شک کا گمان بھی نہیں ہوسکتا اور اگر اس پر بھی شک وشبہ کا امکان ہو اور اس کے پیش کردہ حقائق پر بھی منطقی جرح ونقد کی جاسکتی ہو تو پھر مذہب کا سارا تانا بانا ادھڑ کر رہ جاتا ہے اور یقین کی شدت جو ایمان کے نام سے موسوم ہوتی ہے...... کبھی بھی حاصل نہیں ہوسکتی۔

علم نبوت

پس وہ قطعی دلیل اور بے خطا وسیلۂ معرفت، علم نبوت ہے...... کہ جو ہر قسم کی عقلی تنقید سے ماوراء اور ہر قسم کی لغزش سے منزہ ہوتا ہے۔ وہ غیبی حقائق جو حواسِ خمسہ اور عقلی استدلال سے جانے نہیں جاسکتے...... وہ علم نبوت کے وسیلہ سے جانے جاتے

ہیں۔ذات خدا...... عالم آخرت ...... ملائکہ...... جزاوسزا...... جنت وجہنم...... حشر و نشر...... حیات بعد الممات...... یہ سب اوران کے متعلقہ دیگر تمام حقائق صرف ارشاد نبوت کی بنا پر ہی بلا دلیل و برہان...... از روئے جان مانے جاتے ہیں۔اور یہی وہ حقائق ہیں جن کے تسلیم کرنے پر نظامِ مذہب کی بنیاد ہے۔یہ اعتقادات اور تیقنات اصولِ دین ہیں اوران پر یقین حاصل ہونے کا ایک اور صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ علم نبوت ہے۔نبی چونکہ اللہ کے پاس سے آتا ہے اور وہ علم بھی ذات ہی سے لیتا ہے اس لئے اس کا علم حضوری ہوتا ہے...... نبی کی خلوت اللہ کی دید اوراس کی جلوت اللہ کی شنید ہوتی ہے۔آیاتِ قرآنیہ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ [1] اور عَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا [2] میں علم نبوت کی شان بیان کی گئی ہے...... نبی اللہ سے بلاواسطہ کلام کرتا ہے...... ملائکہ...... جنات اور عالم غیب کو دیکھتا ہے...... نباتات و جمادات سے ہم کلام ہوتا ہے...... دلوں کے حالات پر مطلع ہوتا ہے۔اس کا علم، کامل اور عقل، مکمل ہوتی ہے۔جہاں فرشتوں کے علم کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے علم نبوت کی ابتدا ہوتی ہے۔

اس ساری بحث سے یہ بات خود بخود واضح ہوجاتی ہے کہ غیر شعوری طور پر بھی علمِ نبوت کے بے خطا ہونے پر ایک مومن کا یقین ہوتا ہے ورنہ وہ کبھی بھی ان ورائے طور عقلی حقائق کو اس شدت سے نہ مانے...... جس طرح کہ وہ مانتا ہے۔اور جب تک نبی کی عصمت علمی پر اس کو کامل یقین نہ ہو وہ کبھی بھی بلا چون و چرا اَن دیکھے اوراَن سمجھے امور پر ایمان نہیں لاسکتا ہے۔نبی کا ذریعۂ علم، وحی ہوتی ہے جو قطعاً بے خطا وسیلۂ علم ہے۔یہی وہ آخری اور قطعی بے خطا اور بے ریب ذریعہ علم ہے...... جو ہر قسم کے اسقام واغلاط سے قطعاً منزّہ ہوتا ہے۔اس لئے اسی پر مذہب کی نہاد اور نجات کی بنیاد

---

[1] النساء، ۴: ۱۱۳ [2] البقرہ، ۲: ۳۱

ہوتی ہے۔لیکن خود وحی پر ایمان اور وحی کے وجود کا اعتراف بھی تو نبی ہی کے ارشاد اور اعتماد کی بنا پر ہوتا ہے۔پس ایمان و عمل کی تمام تر سچائیوں کا دارومدار...... نبی کی ذات کے اعتماد پر مبنی ہوتا ہے اور نبی کی ذات پر اعتماد کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ اسے معصوم مطلق مانا جائے۔اس کے قول و فعل اور علم و عمل کی سچائی اور درستی پر کامل یقین ہو اور نبی پر اس نوع کے کامل یقین کو ایمان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

عصمتِ نبوت کا مفہوم

نبی کی عصمت کا مفہوم یہ ہے کہ نبی گناہ پر قادر ہونے کے باوجود گناہ سے اجتناب کا ملکہ اور مہارت رکھتا ہے۔وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ فطرت سلیم کی بنا پر گناہ کی رغبت اور اس کے تصور سے بھی منزہ ہوتا ہے۔اس کا علم قطعاً صحیح...... اس کے پیش کردہ حقائق قطعاً درست اور اس کا ہر فیصلہ سراپا حق ہوتا ہے۔نہ صرف یہ بلکہ اس میں کسی بھی غلطی کا گمان نہیں ہوتا۔نظام کائنات کے اصول و قوانین چاہے بدل جائیں لیکن علمِ نبوت کی صحت میں فرق نہیں آسکتا۔اس کا ذات حق سے ہر وقت ایسا قوی اور قریبی رابطہ ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت بلا استثناء مؤید بہ قدرت ہوتا ہے۔اس کے تمام اعمال بھی اس کے علم ہی کی طرح بے خطا اور درست ہوتے ہیں۔وہ خدا کی مرضی کا ترجمان اور اس کی رضا کا مظہر ہوتا ہے۔نبی...... قوانین کی تقویم اور شریعت کی تشکیل پر مامور ہوتا ہے...... اگر نبوت کی حقیقت سے عصمت کو الگ کر لیا جائے...... تو نبی کے لائے ہوئے دین کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی اور نہ ہی دین کا کوئی مفہوم قابل تسلیم رہ جاتا ہے۔دراصل اس کی فطرت ہی حق و باطل کا معیار ہوتی ہے۔

وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ [1]

---

[1] الحدید، ۲۵:۵۷

Marfat.com

یہ میزان، نبی کی وہ فطرت صالح ہوتی ہے...... جو خیر وشر کی معیار ہوتی ہے۔ حق اور مزاجِ نبوت مترادف ہوتے ہیں۔ حق وصداقت جب مجسم بن کر سامنے آتے ہیں تو پیکرِ نبوت بن جاتے ہیں۔ مَنْ رَانِي فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ [1] کا اعلان اس کا واضح ثبوت ہے۔ نبوت کی عقل میں حواس کا التباس شامل نہیں ہوسکتا ہے۔ کیونکہ حدیث قدسی میں ارشاد ہے کہ میں بندے کے ہاتھ بنتا ہوں جن سے پکڑتا ہے...... میں بندے کے پاؤں بنتا ہوں جن سے چلتا ہے...... میں بندے کی آنکھیں بنتا ہوں جن سے دیکھتا ہے...... اور میں بندے کے کان بنتا ہوں جن سے سنتا ہے۔ پس جس کے حواس اور اعضاء وجوارح اس حد تک مظہر قوتِ ربانیہ اور محور رضائے الٰہیہ ہوں کہ ان کی فضیلت کو خدا اپنی فضیلت اور ان کی قوت کو اپنی قوت اور ان کی حرکت کو اپنی حرکت قرار دے...... تو پھر بھلا وہاں کسی غلطی یا لغزش کا امکان کیسے ہوسکتا ہے؟ محفوظیت کا یہ مقام نبی کے غلاموں کو بھی نبی کے فیضِ صحبت اور توجہ سے حاصل ہوجاتا ہے۔ تو پھر بھلا جس کے شاگردوں اور خوشہ چینوں کو محفوظیت کا یہ مقام عالی نصیب ہوجاتا ہے۔ اس کی اپنی عصمت اور رفعت کا کیا حال ہوگا؟ نبی صرف خود ہی معصوم نہیں بلکہ وہ اپنے فیض سے دیگر ناقصوں کو بھی ایسا کامل بنادیتا ہے کہ وہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے مقام پر جاکر...... کلی حفاظت کے مقام خاص کو پالیتے ہیں۔

فیضِ صحبت کی تاثیر

صحبتِ نبوت کی رفعت اور فیضِ معیت کی تاثیر دیکھیئے کہ نبوت کی صحبت ومعیت نے اہل بیت نبوت کو تطہیر کامل کے مقام ارفع پر پہنچا دیا۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ

---

[1] صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۶۴۸۱، جلد ۲۱، ص: ۳۵۲، بخاری، محمد بن اسماعیل (۲۵۶ھ)

Marfat.com

تَطْهِيْرًا ۱ ’’یعنی اللہ کریم حضور ﷺ کے گھر والوں کو خوب خوب پاک کرنا (رکھنا) چاہتے ہیں‘‘۔

خدا کا ارادہ ہی کسی فعل کا اتمام ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ یہ تطہیر کامل کا مقام اہل بیت نبوت کو مل گیا۔ یہ طہارت کا مقام عطیۂ قدرت ہے اور اس کا اعلان قرآن کریم کر رہا ہے۔ اس اعلان کے بعد اہل بیت نبوت کے اعمال کو منطقی پیمانوں میں ماپنا اور عقلی توجیہات کی غلط کاریوں سے ان کو آلودہ کرنا...... یقیناً خدائی اعلان سے بغاوت ہے...... جس اعلان کے بعد...... اہل بیت نبوت کی پاکیزگی کو ماننا ہر سچے مسلمان کا فرض ہے۔ اور ماننے سے یہ مراد ہے کہ بطیب خاطر دل کی گہرائیوں سے مان لیا جائے کہ اس مقدس گروہ کے اقوال و اعمال عین مبنی برحق و صواب ہیں۔ ان کی فطرت صالحہ سے خطا کا وقوع محال ہے۔ اگر یہ تسلیم نہ کیا جائے تو یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا کا مفہوم ہی ضائع ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس اعتراف حق کے بعد یہ حقیقت خود بخود منکشف ہو جاتی ہے کہ جس کے متعلقین کو ان کے فیض سے...... یہ مقام تطہیر حاصل ہو جاتا ہے وہ خود کس قدر منبعِ عصمت وطہارت ہوگا۔

تکمیلِ معنوی

مخلوقات کی تکمیل معنوی کے لئے لازم ہے کہ ایک مخلوق ایسی ضرور موجود ہو جو ہر لحاظ سے مکمل ہو۔ وہ وہی ہوگی جو ہر عیب وخطا سے پاک ہو اور اگر تمام مخلوقات میں ایک بھی وجود ایسا موجود نہ ہو جو ہر قسم کی غلطی، ناکامی اور خطا سے پاک ہو تو پھر تمام مخلوقات ناقص ہی رہے گی ...... کیونکہ ناقصوں کا مجموعہ بھی ناقص ہوتا ہے۔ اور اگر یہ صورت حال موجود ہو تو خود خالق کی تخلیق پر نقص اور ناکامی کا الزام عائد ہوتا ہے جو اس

---

۱ الاحزاب، ۳۳:۳۳

کی شان پاک کے زیبا نہیں...... تَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ۱؎

اس صورت میں ناقص خالقوں کی ناقص مخلوق اور کامل خالق کی کامل مخلوق میں کوئی وجہ امتیاز باقی نہیں رہتی۔ پس لازم تھا کہ خالق کل ایک نہ ایک مخلوق ایسی بناتا جو ہر لحاظ سے مقام کمال پر فائز ہوتی اور یوں وہ اپنے خالق کے کمال کی دلیل بنے۔ پس وہ برہان قطعی اور وہ مخلوق کامل...... ذاتِ ختمی مرتبت علیہ السلام ہی ہے۔ ''قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ'' ۲؎ اور مَنْ رَأنِيْ فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ اس کی دلیل ہیں اور اسی مخلوق کامل کے مقام کمال ہی کو عصمتِ کلی کا مقام کہا جاتا ہے۔**وهو المطلوب**

نبی کا مُزکی ہونا دلیلِ عصمت وطہارت ہے

اور پھر اس پر بھی غور فرمایئے کہ حضرت ختمی مرتبت علیہ السلام کا منصب...... مزکّی کا ہے۔ حضور علیہ السلام اپنی توجہ...... تربیت...... اور تصرف سے اپنے نیاز مندوں کا تزکیہ فرماتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۳؎ اور نبی انہیں پاک کرتا ہے

دوسرے کو پاک وہی کرسکتا ہے جو خود پہلے پاک ہو اور اس حد تک پاک ہو کہ وہ اپنے لمس...... توجہ...... اور فیض سے اپنی طہارت کا اثر دوسرے تک بھی پہنچا سکے۔ اس کی اپنی طہارت اتنی قوی ہو کہ وہ اپنے صحبت یافتوں کو بھی متاثر کر کے اپنے رنگ میں رنگ دے۔ چنانچہ اہل بیت اطہار اور صحابہ کبار کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا۔ اب دیکھئے پانی سے دوسری ناپاک اشیاء کو دھو کر پاک کیا جاتا ہے۔ پانی کے استعمال کی پہلی شرط یہ ہے کہ پانی خود پاک ہو اور اگر پانی خود ہی پاک نہ ہو تو پھر دوسری شے قطعاً

۱؎ المؤمنون، ۲۳: ۱۴ ۲؎ النسآء، ۴: ۱۷۴ ۳؎ آل عمران، ۳: ۱۶۴

Marfat.com

پاک نہیں ہو سکتی۔ نتیجہ کی طہارت کے لئے وسیلہ کی طہارت شرطِ لازم ہے۔ پس اگر نبی کریم ﷺ کے فیض سے دوسروں کا تزکیہ ہوتا ہے اور آپ مزکی ہیں تو لازم ہے کہ آپ خود سراپا طہارت و عصمت ہوں۔ یہ ایک ایسا نتیجہ ہے کہ جس پر بہر حال ایمان لانا پڑتا ہے۔ ورنہ ''یُزَکِّیْھِمْ'' کا مفہوم ہی بے مقصد ہو کر رہ جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نبی کو مزکی ماننے کے لئے اسے معصوم ماننا لازم ہے کیونکہ وہ معصوم ہوگا تو مزکی بن سکے گا اور اگر اس کے مزکی ہونے سے انکار کیا جائے گا تو قرآن حکیم کی قطعی آیت کا انکار ہوگا جو کفر ہے۔ پس نبی اکرم ﷺ کی معصومیت پر دل سے ایمان لانا لازم ہے اور حقیقی شرط ایمان ہے۔

زَلاتِ انبیاء

واضح رہے کہ قرآن نے جن انبیاء کی بعض زلات (لغزشوں) کا ذکر کیا ہے ان کی حقیقت ...... معصیت (گناہ) نہیں بلکہ یہ امور از قبیلِ نسیان یا خطائے اجتہادی ہیں۔ جیسا کہ آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا [1]

اور یونس علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے:

فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ [2]

انبیاء اگرچہ معصوم ہوتے ہیں لیکن نسیان یا خطائے اجتہادی ان کے حق میں امر جائز ہیں۔ جیسا کہ علماء اہل سنت نے تصریح فرمائی ہے۔ انبیاء کے متعلق عصیان ...... غوایت ...... اور ذنب کے الفاظ کا اطلاق محض مجازاً اور استعارتاً ہے۔ انبیاء کا بعض امور پر استغفار ...... تواضع ...... اور کسر نفسی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ان امور پر عتاب فرمانا ان کی

---

[1] طٰہ، ۲۰: ۱۱۵ [2] الانبیاء، ۲۱: ۸۷

Marfat.com

رفعتِ شان کی وجہ سے ہے۔

عصمتِ مصطفیٰ ﷺ

چونکہ سرور کائنات علیہ التحیات والصلوات کا مرتبہ تمام انبیاء ورسل سے بہت بلند و بالا ہے...... اس لئے آپ کے حق میں عصمت کا تحقق سب سے زیادہ اتم و اکمل ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ سرور کائنات ﷺ سے قبل از بعثت یا بعد از بعثت کوئی گناہ صغیرہ یا کبیرہ...... سہواً یا عمداً ہرگز ثابت نہیں۔ البتہ انبیائے سابقین کے حق میں خطائے اجتہادی ثابت و جائز ہے۔ لیکن حضور سرور عالم ﷺ کے حق میں یہ بھی ثابت و جائز نہیں...... جیسا کہ امام نووی، قاضی عیاض وغیرہما محققینِ مذہب نے تصریح فرمائی ہے کہ سرور عالم ﷺ کی فکر و عقل آپ کا علم و عمل اور قول و فعل و اجتہاد مکمل طور پر حق و صواب ہیں۔ ان میں سرِ مو خطا کی گنجائش تک نہیں۔ آیاتِ قرآنیہ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ[1] اور اِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ[2] وغیرہا اس پر شاہد ہیں۔

۱۔ الحج، ۲۲:۶۷ ۲۔ الشوریٰ، ۴۲:۵۲

عشقِ رسول ﷺ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ [۱]

عشق و محبت...... محویتِ مقصد کا نام ہے...... مقصد کو ہی محبوب بھی کہا جاتا ہے۔ تعینِ مقصد خالص انسانی فعل ہے۔ یہ کم تر درجہ کے حیوانات کے بس کی بات نہیں...... حیوانات تو اسیر جبلت ہوتے ہیں اور تسکینِ جبلت ہی میں ان کی عمر گذر جاتی ہے...... ان کے لئے تعینِ مقصد...... زور جبلت ہی کا اثر ہوتا ہے اور تسکین جبلت کے بعد...... مقصد بھی ختم ہو جاتا ہے۔ حیوان...... مقصد پر جبلت کو قربان نہیں کرسکتا...... لیکن انسان محبت مقصد کے زور میں نہ صرف جبلی تقاضوں کو روک سکتا ہے بلکہ مقصد کی خاطر جبلی تقاضوں کے خلاف بھی کام کر گذرتا ہے۔ یوں وہ جبلی پابندیوں کے زنداں سے آزاد ہو کر...... جمال و کمال کی بے کراں وادیوں میں جا پہنچتا ہے...... روح انسانی محبت ہی کے پر و بال سے زمان و مکان کی حدود و قیود کو پھلانگ جاتی ہے۔

؎ عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمیں و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

جبلتوں کی تسکین پر مدار حیات جسمانی ہے...... اس لئے ان کا زور بے پناہ ہوتا ہے...... تا کہ حیات حیوانی کی گاڑی خودکار طریقہ پر چلتی رہے اور بقائے حیات

[۱] آل عمران، ۳:۳۱

کے تقاضے بہر حال پورے ہوتے رہیں ...... لیکن زور محبت کے زیر اثر جب تمام جبلی تقاضے ایک مقصد متعین (محبوب) کے حصول کے لئے وقف ہو جاتے ہیں تو ان کے زور کی بے پناہی کا اندازہ بھی ممکن نہیں ہوتا۔ محبت کا زور جبلی زنجیروں کو توڑ کر زمان و مکان کے طلسم کو بھی توڑ دیتا ہے۔ موت سے کھیل جاتا ہے اور انسان کی فکری اور عملی قوتوں میں محیر القعول حد تک اضافہ کر دیتا ہے۔

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

محبت کا داخلی نفسیاتی پہلو یہ ہوتا ہے کہ وحدت مقصد کی وجہ سے داخلی جبلی کشمکش مٹ جاتی ہے۔ تعینِ مقصد سے ایک محویت سی پیدا ہو جاتی ہے ...... جو سراپا مسرت و کیف ہوتی ہے۔ کیفِ محبت دافع درد والم ہوتا ہے ...... وجہ سرور و فرحت ہوتا ہے ...... محبت کا مرغزار بے خار ہوتا ہے ...... یہاں فرقت کی تلخیوں میں بھی ...... لاکھوں شیرینیاں پنہاں ہوتی ہیں، اس کے اضطراب میں بھی اطمینان ہوتا ہے۔ غرضیکہ نفسیاتی اور باطنی سکون و اطمینان کے نقطہ نگاہ سے بھی صرف عشق و محبت ہی تمام داخلی امراض کا واحد اور شافی علاج ہے۔ بقول پیر رومی رحمۃ اللہ علیہ

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ علت ہائے ما
اے علاج نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما

دین میں بھی ایمان ...... محبت سے ہی معنون ہے ''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ''[1] کا یہی مفہوم ہے۔ خدا تعالیٰ کے جمال و کمال کی بے پناہی سے الجھنا ......

---

[1] البقرہ، ۲:۱۶۵

Marfat.com

عقل جزئی کے بس کی بات نہیں۔ جہاں حضرت موسیٰ کلیم اللہ بے خود ہو جائیں وہاں عام انسان کی کیا بساط ...... کہ طلب دید کر سکے ...... لیکن محبت تو دید ہی چاہتی ہے۔ بلکہ هَلْ مِنْ مَّزِيْد سے بھی باز نہیں آتی۔ لہٰذا حقیقت منتظر ...... کبھی کبھی لباس مجاز کو بھی نوازتی ہے۔ اور وجوب ...... آئینہ امکان میں جلوہ نمائی کرتا ہے کہ عاشقانِ کم نگاہ کچھ تو دید جمال سے بہرہ ور ہو سکیں۔ انسان کامل ...... برزخ کبریٰ ہوتا ہے کہ وہ وجوب و امکان اور حدوث و قِدم میں رابطہ کا کام دیتا ہے۔ وہ حدوث کے لئے قِدم کی دلیل اور امکان کے لئے وجوب کا ثبوت ہوتا ہے۔ اسی لئے اس کی اطاعت عینِ رضائے خدا ہوتی ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ [۱]

وہ ایسا مطاع ہوتا ہے کہ اس کے مطیع بھی محبوب خدا ہوتے ہیں۔

فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ [۲]

اس کی کامل اتباع سندِ محبوبیت ہے اور اس کی کامل اطاعت وجہِ مقبولیت ہے۔

وہ داخلی اور خارجی ...... جسمانی اور روحانی طور پر حسن و خوبی کا مظہر اتم ہوتا ہے۔ وہ خالق کا شاہکارِ صنعت اور مخلوق کا مرکزِ محبت ہوتا ہے اور دانائے راز اقبال کے نزدیک تو وہ ”از خدا محبوب تر گردد نبی“ کا مصداق بن جاتا ہے۔

ایک واضح ...... معین اور حسین مقصد کی محبت ہی سے قوم وجود میں آتی ہے اور وہی مقصد جب انسانی روپ میں حسین کردار بن کر آشکارا ہوتا ہے تو وہ اس قوم کا قائد ...... مطاع اور اجتماعی محبوب ہوتا ہے۔ اس محبوب کے کردار کو اپنانے سے قومی کردار وجود پذیر ہوتا ہے۔ اس کی محبت سے قوم میں باطنی اطمینان اور خارجی وحدت پیدا ہوتی ہے اور اس ایک ہی محبوب کے وجدانی رابطہ سے اس قوم میں انفرادیت قائم

۱؎ النساء، ۴:۸۰ ۲؎ آل عمران، ۳:۳۱

Marfat.com

ہوتی ہے۔ غرضیکہ ایک مخصوص قوم کی بقاء اور ارتقاء کا دار و مدار ایک متعین مقصد (محبوب) سے کامل وابستگی (محبت) پر ہی مبنی ہوتا ہے۔ حکیم الامت حضرت اقبال نے اسی حقیقت کو بڑے حسین رنگ میں بیان کیا ہے۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باُو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

ملت اسلامیہ کا مرکز محبت...... حضرت ختمی مرتبت علیہ السلام کی ذات بابرکات ہے۔ انہی کی محبت سرمایہ ایمان ہے۔ انہی سے نسبت زیست کا سامان ہے۔ انہی کی عادت شریعت ہے۔ انہی کی حالت طریقت ہے۔ انہی کا عرفان غایت حیات ہے اور انہی کی پہچان وجہ نجات ہے۔

در دلِ مسلم مقام مصطفیٰ ست
آبروئے ما ز نام مصطفیٰ ست

پہلے نبی اسی محبوب منتظر کی بشارات دیتے چلے گئے۔ خالق کائنات نے اسی گلِ رعنا کی نمود کے لئے مرغزارِ وجود کو سجایا۔ اسی پر تخلیق نوع انسانی کا ارتقاء ختم ہوا۔ یہی مظہر رضائے خدا اور یہی نوع انسانی کے لئے آخری اور قطعی وسیلۂ ارتقاء ہے...... یہ وہ محبوب ہے کہ اس کے ذکر جمیل کی شنید سے...... عشق و محبت کے جذبات بیدار ہو جاتے ہیں۔ خوشا نصیب ان کا جنہوں نے اس جان خوبی کو جی بھر کر دیکھا اور اس کی زیارت...... معیت...... اور اطاعت کے مزے اٹھائے۔ کیا کہنا ان کے مقدر کا اور کیا کہنا ان کی محبت کا۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ طور پر گئے تو قوم نے گئو سالہ پرستی شروع کر دی۔ حضرت عیسیٰ روح اللہ کی مخبری، دشمنوں کے سامنے ان کے ایک حواری نے کر دی لیکن اس گلِ رعنا کے عندلیب اور اس شمع فروزاں کے پروانے...... موت سے کھیل گئے...... تیر و تفنگ سے لڑ گئے...... گھر بار لٹا دیئے...... لیکن محبوب کے نام اور اس کے

Marfat.com

نظام پر آنچ نہ آنے دی۔ عشق ومحبت کی دوسری تمام داستانیں بھول گئیں...... وطن چھوٹ گئے...... اولاد کے رشتے ٹوٹ گئے...... مال ومتاع جاتے رہے...... جان پر بن گئی...... لیکن نسبت محبت بڑھتی ہی گئی...... ان کی محبت ہر مصیبت پر ایسی غالب آ گئی کہ راہ محبت کی ہر مصیبت...... راحت اور ہر خزاں...... بہار بن گئی...... حسن یار میں ایسے کھو گئے کہ خود حسن بن گئے...... محبوب کی ایسی اطاعت کی کہ اپنی شخصیت ہی بدل دی۔ رضائے یار کا ایسا اہتمام کیا کہ یار سے اپنی رضا کا انعام لیا...... رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

؎ عاشقانِ او ز خوباں خوب تر
خوش تر و زیبا تر و محبوب تر

آیئے!...... ان پیکران عشق ووفا اور کشتگانِ تسلیم ورضا کی وارفتگی محبت کے کچھ اندازِ محبت دیکھتے چلیں...... کہ اس تکمیلِ عشق کی داستانِ جمیل سے جہاں حسن وجمال مصطفوی کا کچھ اندازہ ہوتا ہے وہاں دیکھنے اور سننے والوں کے جذبات محبت بھی ابھرتے ہیں...... جہاں حسن...... وجہ عشق ہے وہاں عشق بھی تو دلیل حسن ہے۔

ع شمع بھی ساز محفل ہے، زینت ہے پروانہ بھی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسی محبوب کے عشق نے صدیق بنا دیا...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسی پیکر جمال کے رابطہ نے فاروق بنا دیا...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسی دولتِ حسن کی بدولت غنی بن گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی جان خوبی کی نسبت سے مرتضیٰ بن گئے...... قطرے اسی کی نسبت سے بحر زخار اور ذرے اسی کی تجلی سے آفتابِ نصف النہار بن گئے۔

؎ احساسِ مرگ و زیست کے قابل بنا دیا
جس دل کو تو نے دیکھ لیا دل بنا دیا

ظاہری شہنشاہ ...... دنیا سے گئے تو ان کا جاہ وجلال افسانہ پارینہ بن کر رہ گیا...... مہ جبیں ...... روپوش ہوئے تو ان کے حسنِ عالم سوز کی تابانیاں بھی ختم ہو گئیں...... حکماء اور فضلاء کا نام اور پیام تو رہ گیا لیکن ان سے روح انسانی کا دائمی رابطہ محبت باقی نہ رہ سکا...... لیکن محبوب خدا ﷺ کے حسن عالم افروز کا کیا کہنا...... کہ صدیوں کے بعد بھی اس کی تجلیات جمال پر وہی نکھار اور اس کے گلشنِ کمال میں وہی بہار ہے...... نہ اس کے ناز میں کوئی کمی آئی ہے نہ عشاق کے نیاز میں...... لاکھوں عشاق دلفگار...... یار کو نہیں تو کوئے یار ہی کو دیکھنے پروانہ وار چلے آتے ہیں۔ حریم یار کی خلوتوں کے نہ سہی...... حرم یار کی جلوتوں کے مزے لوٹنے کو ہی لاکھوں عشاق مدینۃ النبی کے گلی کوچوں کا طواف کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ لامتناہی سلسلہ وارفتگی محبت کبھی ختم ہونے میں نہیں آتا۔

ترے نقشِ کفِ پا پہ لاکھوں کے سلام

دنیا بھر میں ہر سال نہیں بلکہ ہر روز ہزاروں محافل میلاد منعقد ہوتی رہتی ہیں اور بمصداق ذکرِ حبیب کم نہیں...... وصلِ حبیب سے...... حضور علیہ السلام کے تذکار سے مومنین دل وجان کے اطمینان کا سامان کرتے رہتے ہیں۔ لاکھوں شعراء...... ہزاروں ادباء...... سینکڑوں حکماء اور فضلاء شب وروز اپنی اپنی بساط کے مطابق حسن وجمال کے اس پیکر اتم...... عرصہ محشر کے اس شافع اُمم...... ختم المرسلین...... محبوب رب العالمین ﷺ کی بارگاہ ناز میں ہدیہ نیاز پیش کرتے رہتے ہیں۔ اس کی داستان حسین دنیائے باطن کے لئے باعث تسکین اور عالم ظاہر کے لئے وجہ تزئین ہے۔

؎ بہار عالم حسنش دل و جاں زندہ می دارد
برنگ ارباب صورت را بہ بو ارباب معنیٰ را

عالم شریعت میں اس کی اطاعت...... عالم طریقت میں اس کی محبت...... اور

Marfat.com

عالم معرفت میں اس کی کیفیت مقصود مومن ہے۔ یہ ایک ہی حقیقت کی مختلف کیفیات ہیں......اور ایک ہی صنعت کے مختلف نام ہیں...... کچھ کہہ لیجئے بات ایک ہی ہے...... کہ......

اس کی محبت ہی جان ایمان اور دین حق کی شرط اول ہے۔

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ؎۱

اس حقیقت کو جان لینے اور اس حکم کو مان لینے والوں کا اسلوب محبت بھی ذرا دیکھتے جائے تا کہ آداب محبت کو جان سکیں اور عشق نبوی کا انداز ان سے سیکھیں...... جن کے عشق کی تادیب خود حسن نے فرمائی تھی ۔ جہاں تکمیل حسن ...... ذات پاک سرور کائنات ﷺ پر ہوئی۔ تکمیل عشق کا مرتبہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ذات بابرکات کو نصیب ہوا

؎ تو انتہائے حسن ہے یہ انتہائے عشق
دیکھے تجھے کہ ان کا تماشا کرے کوئی

یاد رکھنا چاہئے کہ محبت ہی ادب و توقیر سکھاتی ہے اور محبت ہی محبوب کی رضا کو ذاتی رضا پر غالب کر کے......کمال اطاعت کے مقام تک لے جاتی ہے۔ محبت بغیر ادب واحترام کے ناتمام ......اور اطاعت بغیر محبت وعقیدت کے جسم بے جان سے زیادہ نہیں۔

○...... عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کو قریش نے صلح حدیبیہ سے قبل بارگاہِ رسالت میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا......انہیں تاکید کر دی گئی کہ بارگاہ نبوت کے حالات بغور دیکھیں اور آکر قریش کے سامنے بیان کریں۔ عروہ نے دیکھا...... حضور علیہ السلام وضو فرماتے ہیں

؎۱ صحیح بخاری، رقم الحدیث ۱۴ جلد ۱

تو صحابہ میں وضو کے پانی کے حصول پر مقابلہ سا ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ کے لعاب پاک کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زمین پر گرنے نہیں دیتے...... حضور علیہ السلام بولتے ہیں تو ہُو کا عالم ہو جاتا ہے...... تعظیم کا یہ عالم ہے کہ کوئی بھی آنکھ اٹھا کر روئے انور کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں کرتا۔ عروہ نے واپس آ کر قوم کو بتایا...... کہ اصحاب رسول اپنے رسول (ﷺ) کی جو تعظیم کرتے ہیں وہ کسی بھی شہنشاہ کو اپنے دربار میں حاصل نہیں۔ ا؎

o...... حضرت زید بن وثنہ رضی اللہ عنہ کو جب کفار مکہ سولی دینے لگے...... تو ابوسفیان نے ان سے کہا...... کہ زید تم دل میں چاہتے ہو گے کہ آج تمہارے بدلے تمہارے نبی کو سولی دی جاتی اور تم آرام سے ہوتے...... حضرت زید نے فرمایا...... کہ خدا کی قسم! میں تو یہ بھی نہیں چاہتا کہ میری رہائی کے عوض حضور علیہ السلام کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی چبھے۔ ابوسفیان حیران رہ گیا اور پکار اٹھا کہ ایسی بے پناہ محبت میں نے اس سے قبل کہیں نہیں دیکھی۔

o...... عبداللہ بن یزید صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی...... یارسول اللہ! آپ مجھے جان و مال اور اہل و عیال سے زیادہ پیارے ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ آپ کو دیکھتا ہی رہوں۔ ایک اور صحابی جب بھی حاضر ہوتے ٹکٹکی لگا کر روئے انور کی زیارت میں محو ہو جاتے...... حضور ﷺ کے پوچھنے پر عرض کی...... کہ حضور قیامت میں خدا جانے ایسی فرصت پھر نصیب نہ ہو۔ جی چاہتا ہے کہ یہیں جمالِ جہاں آراء کی دید سے جی بھر کر مستفید ہو لوں۔ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے تسلی دی کہ میرا محب جنت میں بھی میری معیت میں ہوگا۔ ''اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّہ''

o...... جنگ احد میں ایک صحابیہ کا شوہر...... بھائی اور بیٹا سب یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ وہ مدینہ سے چل کر میدان جنگ میں آئی اور اپنے اعزہ کی شہادت کی خبر کے

ا؎ مسند ابویعلی رقم الحدیث ۱۵۶۳ جلد ۴

Marfat.com

باوجود صرف حضور علیہ السلام کی خیریت کا پتہ پوچھتی رہی اور جب حضور علیہ السلام کے جمال جہاں آرا کو دیکھا تو جوش محبت میں بول اٹھتی ہے

كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ ا؎

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر

اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ مرے اس دعا کے بعد

○...... عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین تھا...... اور اس کا فرزند صادقین میں سے تھا۔ بارگاہ رسالت میں عرض کی

لَوْشِئْتَ لَآتَيْتُ بِرَأْسِهٖ

اگر حضور چاہیں تو میں اپنے باپ کا سر کاٹ لاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا۔

○...... عشاق جمالِ نبوت کا حسنِ بیان تو دیکھئے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں...... کہ میں نے ریشم یا کوئی اور چیز ایسی نہیں دیکھی جو حضور علیہ السلام کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور کوئی مشک و عنبر کا عطر ایسا نہیں سونگھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ سے زیادہ خوشبودار ہو۔

○...... جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور مسجد سے گھر کو چلے تو بچوں نے فرط محبت سے گھیر لیا...... حضور سب پر دست شفقت پھیرتے جاتے تھے۔ جب میرے چہرے کو ہاتھ لگا تو مجھے ٹھنڈک سی پڑ گئی اور ایسی خوشبو آئی کہ گویا ہاتھ ابھی طبلۂ عطار سے نکلا ہو۔

○...... ربیع بنت معوذ صحابیہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے پوتے نے حضور علیہ السلام کا حلیہ بیان کرنے کا کہا تو فرمایا کہ اگر "تو حضور کو دیکھ پاتا تو محسوس کرتا کہ ابھی سورج نکل آیا ہے"۔

○...... جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ چاندنی رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حلۂ حمرا (سرخ

ا؎ للواقدی جلد اول: ۳۱۴

Marfat.com

چادر) اوڑھے لیٹے ہوئے تھے۔ میں نے جب یہ منظر حسین دیکھا تو چاند میری نظر میں ماند پڑ گیا اور جمال نبوت کے سامنے ہیچ معلوم ہونے لگا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی محبت ...... جانِ ایمان ہے اور اطاعت علامتِ محبت ہے۔ تکمیل محبت نبوی ایک مومن کی ...... غایتِ آخری ہے اور یہی آخری ترقی ہے۔ صفاتِ محبوب سے بہرہ اندوزی...... تکمیل شخصیت ہے اور وفور محبت...... حاصلِ معرفت ہے...... کثرتِ ذکرِ محبوب...... محبت کا مقصد ہے...... محویتِ محبت سے محب...... محبوب بھی بن جاتا ہے اور عشق خود سراپا حسن بن جاتا ہے۔ یہ کیفیت دید و شنید میں نہیں آتی ...... ہاں محسوس کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس بقاء سے پہلے فنا شرط ہے۔ اللہ کریم ہم سب کو کیف صہبائے عشق مصطفی ﷺ نصیب فرمائے۔ آمین

محمد عربی کابروئے ہر دوسرا ست
کسیکہ خاک درش نیست خاک بر سرِ اُو

Marfat.com

اِرتقائے انسانی اور اُسوہ مصطفیٰ ﷺ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ ؎ا

ربوبیت ایک تدریجی ارتقائی عمل ہے جو زمان و مکاں میں ایک خاص انداز سے کارفرما ہوتا ہے۔ ربوبیت کا مفہوم و مقصد یہ ہے کہ ہر چیز بتدریج اپنے کمال کو پہنچ جائے...... اس سلسلہ میں زندگی کو موانعاتِ راہ سے الجھنا اور متصادم بھی ہونا پڑتا ہے اور کبھی کبھار ہزیمت اور پسپائی بھی ہوتی ہے۔ لیکن یہ ایک ناگزیر اور عارضی حالت ہوتی ہے اور ارتقائے حیات کا سیلِ رواں...... راہ کے خس و خاشاک کو بہاتا ہوا، ہر وقت اپنی منزل مقصود کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔

باقی اشیاء کائنات کی طرح ابتداً انسان کا ارتقائی عمل سست رو ہوتا ہے...... لیکن جب آسمانی ہدایت سے انسان کو منزل مقصود کا شعوری عرفان حاصل ہو جاتا ہے۔ تو سالوں کی مسافت ساعتوں میں طے ہونے لگتی ہے اور کچھ یوں لگتا ہے کہ منزل خود رہ روانِ راہ شوق کے استقبال کو آ جاتی ہے۔

؎ مانا کہ محبت کی رہ میں ہر گام پہ سو سو مشکل ہے
لیکن یہ سفر آسان بھی ہے گر ساتھ تمہارا ہو جائے

ا۔ الاحزاب، ۳۳:۲۱

رب العالمین مخلص مسافرانِ راہ طلب کی خود راہنمائی فرماتے ہیں اور اپنی حفاظت میں منزل مقصود تک پہنچاتے ہیں ''وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا'' ۱؎ کی آسمانی نوید اس دعویٰ کی تائید ہے۔

عزم سفر اور آغازِ سفر سے بھی پہلے...... منزل مقصود کا تعین اور تعارف لازم ہے ورنہ تمام تگ ودو بیکار اور ہر حرکت بے مقصد ہو کر رہ جاتی ہے۔ حصول کمال کے لئے تصور کمال ضروری ہے اور جذبہ تکمیل کی تسکین کے لئے کسی پیکر جمال وکمال کی محسوس تصویر اور واضح تمثیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ رب العالمین نے انسانی شخصیت کی امکانی تکمیل کے لئے ذاتِ مصطفیٰ ﷺ کو خوبی وکمال...... حسن و جمال اور اخلاقِ عالیہ کا مکمل ترین نمونہ بنا کر بھیجا...... تا کہ حصول کمال کے لئے انسانی کارواں کو منزلِ مقصود مل جائے اور مقصدِ تخلیق پورا ہو جائے۔ پس حضور علیہ السلام تمام انسانوں کے مطاع اور خاتم الانبیاء قرار پائے۔ حضور علیہ السلام وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۲؎ کے مصداق اور رفعت اخلاق کے حرف آخر ہیں...... اور اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۳؎ کا آسمانی اعلان...... آپ کے مطاعِ کل ہونے کی قطعی دلیل ہے اور لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کی نوید...... اس دعوے کی تائید مزید ہے۔

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ ست

۱؎ العنکبوت، ۲۹:۶۹ ۲؎ القلم، ۶۸:۴ ۳؎ آل عمران، ۳:۳۱

Marfat.com

رب العالمین کی عنایتِ ہدایت ہمہ گیر اور ہمہ رس ہے۔ لیکن انسانی تہذیب و تمدن کے دورِ طفولیت میں...... نورِ ہدایت...... نسلی...... لسانی اور جغرافیائی حد بندیوں میں ظہور پذیر ہوتا رہا ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا چراغ ہدایت نینوا اور بابل کے لئے تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شمع ہدایت سے کنعان کا علاقہ منور ہوا، جمالِ یوسفی کی روشنی سے مصر کو تنویر حاصل ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فانوسِ ہدایت سے بنی اسرائیل کے گھرانے کی ظلمت کافور ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روحانی تابشوں سے بھی ایک خاص قوم اور خاص علاقہ نے اخذ فیض کیا۔

لیکن آخر کار رب العالمین کی حکمتِ بالغہ نے تکمیل تمدن اور اتمام ہدایت کے لئے ایک ہی آفتاب عالمتاب کے ذریعے...... عالمین کے ذرے ذرے کو مستنیر اور پتے پتے کو مستفید کرنے کا انتظام فرما دیا۔ تاکہ انسانی تعلیم اور تکمیل...... نسلی اور وطنی حد بندیوں سے آزاد ہو کر شرف انسانی کے ایک ہی مقام رفیع تک پہنچ جائے اور ایک خدا کا ایک پیغام...... ایک ہی رسول ﷺ کے ذریعے انسانیتِ عامہ کو شرف انسانی کے ایک ہی مقامِ وحدت پر لے آئے اور یوں ایک نظریاتی وحدت...... انسانیت کو اپنے دامن عاطفت میں محصور و محفوظ کر لے...... اور نسلی یا لسانی خانہ ساز حدود و قیود...... وحدتِ انسانی کی تکمیل منزل کی راہ میں حائل نہ ہو سکیں۔ اور اُسوہ رسول کی اطاعت کی برکت سے ایک ایسی نظریاتی قوم وجود پذیر ہو جائے جو قیامت تک کے لئے انسانی شرف و مجد اور خوبی و کمال کا معیار قرار پائے۔

لہٰذا چھوٹے چھوٹے اور متفرق مدرسوں اور کالجوں کے بجائے ایک ہی عالمگیر یونیورسٹی کا انتظام کر دیا گیا۔ جس میں بہ یک وقت روحانی...... جسمانی...... نفسیاتی...... طبعیاتی...... اقتصادی...... معاشرتی...... اور سیاسی علوم کی تعلیم و تربیت کا مکمل

Marfat.com

اہتمام کر دیا گیا۔ اب اس ایک ہی درس گاہ سے...... ایک ہی معلم انسانیت کے فیض تربیت سے...... حضرت ابوبکر صدیق...... حضرت عمر فاروق...... حضرت عثمان غنی ذوالنورین...... حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہم) جیسے حکمران اور جہاں بان پیدا ہوئے۔ جن کے عدل وانصاف کے سامنے نوشیرواں کے عدل وانصاف کی داستانیں ماند پڑ گئیں اور جن کے انتظامی اصولوں اور ضابطوں نے ایرانی دستور اور رومی قانون کو بے اثر کر دیا۔ اور دنیا کی سیاسی اور انتظامی تاریخ کے صفحات پر اپنے حسنِ انتظام اور بے لاگ عدل وانصاف کے ابدی اور غیر فانی نقوش ثبت کر دیئے۔

پھر اسی درسگاہ سے وہ کشور کشا اور مردانِ میدان بھی پیدا ہوئے جن کی ہمت اور جرأت کے سیلِ رواں کے سامنے ظلم وجبر اور عصیان وطغیان پر مبنی...... عظیم اور قدیم حکومتوں کے فلک بوس ایوانِ اقتدار خس وخاشاک کی طرح بہہ گئے۔ ان میں حضرت خالد بن ولید، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبیدہ بن جراح، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم جیسے فقید المثال سپہ سالار قابل ذکر ہیں۔ جن کے حالات وواقعات آج بھی اہل عقل ودانش کے لئے اعجاز کی حیثیت رکھتے ہیں۔

پھر اسی درس گاہ علم وفضل کے فیض تربیت سے حضرت عمر بن خطاب...... حضرت علی المرتضیٰ...... حضرت عبداللہ بن عباس...... حضرت عبداللہ بن مسعود...... حضرت عائشہ صدیقہ...... حضرت ام سلمہ...... حضرت ابی بن کعب...... حضرت معاذ بن جبل...... اور حضرت زید بن ثابت جیسی یگانہ روزگار نابغہ شخصیات پیدا ہوئیں۔ جن کے علم وحکمت کے سوتوں سے تا قیامت تشنگانِ علم وحکمت سیراب ہوتے رہیں گے۔ (ان کی فقہ اور قانون کی قائم کردہ بنیادوں پر) فقیہہ اور مقنن...... رفیع اور وقیع عمارتیں استوار کرتے رہیں گے۔ (رضی اللہ عنہم)

Marfat.com

پھر دینی...... دنیاوی...... جسمانی......اور روحانی علوم کی اسی جامعہ سے حضرت ابوذر غفاری...... حضرت سلمان فارسی...... حضرت عبداللہ ابن عمر...... حضرت مصعب بن عمیر...... حضرت عثمان بن مظعون...... حضرت محمد بن سلمہ......اور حضرت ابودرداء (رضی اللہ عنہم) جیسے عبادت گزار...... قناعت شعار...... شب بیدار...... وفا شعار...... لذائذ فانی سے بیزار...... قرب حق سے سرشار...... عباد وزہاد پیدا ہوئے۔ جن کی ایمانی ضیاء ، طالبانِ معرفت کو تا ابد روحانی جلا بخشتی رہے گی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

پھر اسی درس گاہ محبت سے وہ سرشارِ بادہ وفا بھی پیدا ہوئے جنہوں نے راہ حق میں تسلیم ورضا کی نئی نئی روشیں تراشیں اور غیر فانی داستانیں مرتب کیں اور یہ کشتگانِ تسلیم ورضا...... عشاق کو وفا وبقا کا ابدی اُسلوب سکھا گئے۔ ان میں حضرت ہالہ...... حضرت خباب...... حضرت حرام بن ملحان...... حضرت کعب بن عمر غفاری...... حضرت بلال...... حضرت زبیر...... حضرت سعید بن زید......اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہم) بھی شامل ہیں اور یہ سب مردانِ وفا کیش کی عظیم جماعت میں سے مشتے نمونہ از خروارے ہیں۔

گویا حضور رحمۃ للعالمین ﷺ وہ آفتاب عالم تاب ہیں جن کے رشحاتِ نور سے...... پست وبلند...... باغ وراغ...... کوہ ودمن...... دشت وچمن...... سرو وسمن...... بحر وبر...... شجر وحجر...... خشک وتر...... اسود واحمر...... ابیض واصفر...... شاہ وگدا...... ادنیٰ واعلیٰ...... عربی وعجمی...... رومی وحبشی یکساں فیض یاب ہوئے۔

یہ وہ ابر بہار ہے جس سے لق ودق صحرا...... وادیٔ بے آب وگیاہ...... یخ بستہ کوہسار...... نشاط انگیز آبشار...... حسین لالہ زار......اور رنگین مرغزار...... اپنی اپنی

Marfat.com

بساط اور ضرورت کے مطابق بہرہ ورو بہرہ یاب ہوئے ...... اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔

طبعی ...... نسلی ...... اور لسانی اختلافات کے باوجود متعلمین درسِ مصطفیٰ (ﷺ) سب ایک ہی خدا کے پرستار تھے ...... نشۂ عشق مصطفی میں سرشار تھے ...... کفر و شرک سے بیزار تھے ...... انسانیت کے غمگسار تھے ...... تعمیر و ترقی کے پاسدار تھے ...... دنیائے تخریب میں جہانِ تعمیر کے معمار تھے ...... وہ عقل کی بستی میں عشق کی مستی کے علمبردار تھے۔

ہم تا بہ ابد سعی و ترقی کے ولی ہیں
ہم مصطفوی مصطفوی مصطفوی ہیں

حضور رحمۃ للعالمین کی رحمت ...... رب العالمین کی ربوبیت کی طرح ہمہ گیر اور ہمہ رس ہے۔ حضور ﷺ حسنِ اخلاق کا منتہا ہیں ...... اس لئے سب کے مطاع ہیں ...... ان کی اطاعت غایتِ حیات ہے کیونکہ صرف یہی وجہ نجات ہے ...... ان کے اقوال سراپا حکمت اور ان کے اعمال سراپا عصمت ہیں ...... یہی وسیلہ تکمیل ہیں اس لئے یہی علتِ تخلیق ہیں ...... رحمۃ للعالمینی، ربوبیت کی انتہا ہے اس لئے یہی وجہ بقا و ارتقاء ہے۔

خلق و تدبیر و ہدایت ابتدا ست
رحمۃ للعالمینی انتہا است

اسی لئے حضور علیہ السلام کی طرف سے صلائے عام ہے اگر تم کو محبتِ خدا کا دعویٰ ہے تو میری پیروی کرو کہ اس سے محبت، محبوب بن جاتا ہے ...... اگر تم خادم ہو تو میری پیروی کرو ...... اگر مخدوم ہو تو میری پیروی کرو ...... اگر راعی ہو تو میری پیروی کرو ......

اگر رعایا ہوتو میری پیروی کرو...... اگر سپہ سالار ہوتو میری پیروی کرو...... اگر زاہد شب زندہ دار ہوتو میری پیروی کرو...... خطیب ہو یا طبیب...... معلم ہو یا متعلم...... پدر ہو یا شوہر...... پسر ہو یا برادر...... یتیم ہو یا مسافر...... میری ہی پیروی کرو...... رزم ہو یا بزم...... مکتب ہو یا مسجد...... زراعت ہو یا صنعت...... سیاست ہو یا حکومت...... صحت ہو یا مرض...... رنج ہو یا راحت...... فرحت ہو یا کلفت...... میری ہی پیروی کرو کہ میری ذات میں سب کے لئے سب حالات کے لئے اور تمام اوقات کے لئے...... ابدی اور سرمدی...... اکمل اور ارفع اسوۂ حسنہ موجود ہے۔ جو مفصل بھی ہے اور مبسوط بھی...... واضح بھی ہے اور محفوظ بھی...... جامع بھی ہے اور کفیل بھی...... حسین بھی ہے اور جمیل بھی...... اور یہ اسوۂ حسنہ روایتی نہیں حقیقی ہے...... صرف علمی نہیں عملی ہے...... افسانوی نہیں واقعاتی ہے...... یہ صرف عرشی ہی نہیں فرشی بھی ہے۔

پس تمام کائنات کی فلاح وصلاح...... بقا وارتقاء...... تعمیر وتحسین...... تنویر وتزئین کے لئے اتباع اسوۂ حسنہ ہی قطعی اور حتمی ذریعہ ہے۔ اس ابدی اور سرمدی ذریعہ نجات کو ہر انسان تک پہنچانے اور اتباعِ اسوۂ حسنہ کی اہمیت کو بتانے اور منوانے کے لئے ہی یہ عظیم الشان سیرت کانفرنس منعقد کی گئی ہے۔ (جس کے انعقاد کی سعادت کے حصول پر حکومت پنجاب عموماً اور محکمہ اوقاف خصوصاً مستحق تبریک ہے)۔

اس سلسلہ میں گورنر پنجاب میجر جنرل غلام جیلانی خاں صاحب نے جس عقیدت کا ثبوت دیا ہے، وہ قابل تبریک ہے۔ اور ناظم اعلیٰ اوقاف خان آفتاب احمد خان صاحب نے جس محبت وعقیدت سے حسن انتظام کیا ہے وہ قابل تحسین ہے۔

دعا ہے کہ ان سب پر حضور علیہ السلام خاص عنایت فرمائیں۔ آیئے! اب قال کو حال کے سانچے میں ڈھالیں...... اور اتباع اسوۂ رسول کریم سے کسبِ فیض اور حصول

Marfat.com

سعادت کا آغاز اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال سے کریں تاکہ عہد حاضر کی ظلمت کو تنویر اور تشنگی کو تسکین مل جائے۔ اور انسان کی روحِ مضطرب اسوۂ حسنہ کی رحمت وبرکت سے اس اطمینان کو پالے جو حاصلِ حیات اور وجہ نجات ہے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

اسوۂ رسول وہ آفتاب عالم تاب ہے کہ جس کے طلوع کے بعد غروب نہیں...... یہ وہ صبح بہار ہے کہ جس کے بعد موسم خزاں نہیں۔ آیئے! اسی مرکزِ نور وسرور اور منبعِ کیف وحضور سے بہرہ ور ہو کر کائنات کو امن وامانت...... اخوت ومحبت...... عدل وصداقت...... دیانت وشرافت...... خیریت وبرکت...... اور رحمت وسعادت کا گہوارہ بنادیں۔ یہ کام قال سے نہیں بلکہ حال سے ہوگا...... دلیلِ لفظی سے نہیں بلکہ مثالِ عملی سے ہوگا۔ جب ہم سیرتِ طیبہ کے سانچے میں ڈھل کر اور اولیاء کبار کے نقش قدم پر چل کر...... آقائے ہجویری...... خواجہ اجمیری...... مجدد سرہندی اور دیگر اولیاء امت رحمۃ اللہ علیہم کی طرح اسوۂ مصطفائی کے رنگِ یکتائی اور سنتِ مصطفائی کے فیضانِ خدائی سے مزین ہو کر نکلیں گے تو ہماری ہی شخصیت کی جاذبیت اور ہمارے ہی حسن وجمال کی جامعیت سے دنیا بدل جائے گی۔ اور ہمارے ہی فیضانِ اتباع مصطفیٰ سے وہ روحانی انقلاب برپا ہوجائے گا جو ارتقائے انسانیت کا ضامن بھی ہے اور تقاضائے فطرت کا متکفل بھی۔

اُٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں ترے دور کا آغاز ہے

Marfat.com

رسولِ رحمت ﷺ اور اصولِ جنگ

جنگ ناگوار ہے لیکن ناگزیر بھی ہے۔ یہ سراپا ہلاکت وتخریب ہے لیکن محافظ حیات وتعمیر بھی ہے۔ جراح کے نشتر سے درد بھی ہوتا ہے اور خون بھی بہتا ہے لیکن مواد فاسد کے نکالنے کا چارہ کار بھی یہی ہے۔ دوائی کی کڑواہٹ ناگوار ہے لیکن بحالیٔ صحت کے لئے یہ کڑوا گھونٹ پینا ہی پڑتا ہے۔ جب تک دنیا میں شر موجود ہے، خیر کو اس سے الجھنا ہی پڑے گا۔ جب تک ظلم کی چیرہ دستیاں موجود ہیں، ان کو روکنے کا انتظام کرنا ہی پڑے گا۔ جب تک جبر وجور بے لگام رہیں گے، عدل وانصاف کو اپنا تحفظ کرنا ہی پڑے گا اور پھر یہ ابتلاء، وجہِ ارتقاء بھی ہے۔ جنگ کی ظلمتوں کے بعد ہی امن وسعادت کی صبح روشن منور ہوتی ہے اور جنگ کی بادِ سموم کئی بار امن کی نسیم بہار کی پیامبر ہوتی ہے۔

جنگ کی جبلت بھی دوسری بنیادی جبلتوں کی طرح فطرت انسانی کا ایک بنیادی تقاضا ہے۔ اس میں بے مقصد افراط ہو تو ظلم وجبر کا رنگ اختیار کر لیتی ہے اور تفریط ہو تو بزدلی اور نامردی کا روپ دھار لیتی ہے۔ بامقصد ہو تو جہاد ہے اور بے مقصد ہو تو فساد ہے۔ مقصد سے مراد، اسلامی اخلاقی اقدار کا تحفظ ہے۔ اس کا مقصد ہوسِ ملک گیری یا تاخت وتاراج ہو تو یہ رہزنی ہے۔ لیکن اگر مقصد تحفظِ عدل وانصاف ہو تو کمال رہبری ہے۔ پس جنگ کے جواز یا عدم جواز اس کی افادیت یا

Marfat.com

مضرت کا دارومدار اس کے مقصد پر ہے۔ اگر مقصد اچھا ہے تو جنگ مظہرِ بر و خیر ہے۔ لیکن اگر مقصد برا ہے تو جنگ سراپا شر و قہر ہے۔ اس کا دوسرا پہلو جنگ کے دوران میں غیر ضروری ظلم و جور بلا وجہ کشت و خون اور انتقامی شکست و ریخت کو روکنے سے متعلق ہے۔ خصوصاً آج کل کے فضائی اور ایٹمی دور میں شہری آبادی پر بمباری، ہسپتالوں تک، پر فضائی حملے اور نہتے شہریوں کے کشت و خون جیسے غیر اخلاقی اور غیر انسانی افعال کے انسداد کا انتظام ہے۔

آپ کو حیرت ہوگی کہ سائنس اور ایجاد میں حیرت انگیز ترقی کے باوجود انسان نے اخلاق و کردار میں ترقی نہیں کی۔ حرب و ضرب کے ہولناک آلات بنانے کے ساتھ ساتھ ان کے استعمال پر تحدید کا کوئی اہتمام نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہر آن انسانیت کی پوری اجتماعی زندگی خطرے میں ہے۔ کوئی ملک اور کوئی آبادی محفوظ نہیں۔ ہلاکت کے مہیب عفریت ...... ایٹمی قوتوں کی صورت میں فضاؤں میں منڈلا رہے ہیں۔ ہلاکت کے یہ جنات جس وقت بھی بوتل سے باہر آ گئے قیامتِ صغریٰ برپا ہو جائے گی۔ اب کہیں جا کر یہ احساس ہوا ہے کہ تخفیفِ اسلحہ اور تحدید قوت کا کوئی ضابطہ بنایا جائے اور کچھ عرصہ تک کے لئے انسانی زندگی کی ''فرصتِ حیات'' کو طول بخشا جائے لیکن ہنوز کوئی نتیجہ بخش حل یا تجویز سامنے نہیں آئی۔ اسلحہ سازی کی دوڑ میں برتری کا جذبہ بڑھتا جاتا ہے اور انسان کے بیشتر وسائل ہلاکت آفرینیوں کے سامان میں اضافہ کیلئے وقف ہو چکے ہیں۔

آیئے مغرب کے قانون جنگ کی ترتیب اور ہیئت کی تاریخ پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے چلیں اور پھر یہ بھی دیکھتے چلیں ...... کہ آج سے چودہ سو برس پہلے رسولِ رحمت ختمی مرتبت ﷺ نے انسان کو ایک مکمل اور عظیم اخلاقی ضابطہ جنگ و جہاد مہیا فرما کر انسانیت پر کتنا بڑا احسان و انعام فرمایا۔

Marfat.com

1618ء سے 1648ء تک کی تیس (۳۰) سالہ جنگ میں اس بے دردی اور سفاکی سے انسانی کشت وخون ہوا اور تاخت وتاراج میں اتنی فراوانی ہوئی کہ اس جنگ کے خاتمہ پر مفکرین کو انسانیت کی اس ہولناک تباہی سے بچانے کے طریقوں پر غور کیلئے مجبور ہونا پڑا۔ چنانچہ 1648ء میں جنگ کے خاتمہ پر ویسٹ فالیا (West falia) کی کانگریس میں یورپ کے مفکرین نے غور وفکر کے بعد گروٹیوس کی اس سفارش کو قبول کرلیا کہ

''جنگ میں اس شریفانہ رعایت کو ملحوظ رکھا جائے کہ عورتوں...... بچوں...... بوڑھوں...... پادریوں...... کاشتکاروں...... تاجروں اور جنگی قیدیوں کو قتل وغارت سے محفوظ رکھا جائے۔''

یہ واضح رہے کہ اس چیز کو بطور ایک قانون کے نہیں بلکہ بطور ایک شریفانہ رعایت کے منظور کیا گیا گروٹیوس ہالینڈ کے ایک مقنن تھے اور انہوں نے بین الاقوامی قانون پر ایک مشہور تاریخی کتاب (Deivre Belleac Pacis) لکھی جو بعد میں تمام بین الاقوامی قوانین کے لئے اساس کا کام دیتی رہی۔ گروٹیوس نے پہلی بار جنگ میں اخلاق کی آمیزش کی کوشش کی لیکن اس کی رائے بھی یہ تھی کہ قانون میں ان تمام لوگوں کا قتل جائز ہے ''جو دشمن کی حدود میں پائے جائیں قطع نظر اس کے کہ وہ عورتیں ہوں یا بچے اور بوڑھے''۔ کشت وخون کا یہ غیر محدود حیوانی حق آج تک ہر جنگ میں پوری فراخ دلی سے استعمال کیا جارہا ہے۔ اور اس میں آج سے تین سو سال پہلے کی اور آج کی جنگوں میں قطعاً کوئی فرق نہیں بلکہ سائنس کی تباہ کن ایجادات کی وجہ سے حالیہ جنگوں میں خونریزی اور بربادی اپنی انتہا کو جاپہنچی ہے۔ ناگاساکی پر صرف ایک ایٹم بم گرنے سے جو تباہی ہوئی وہ اس سے پہلے کی جنگوں کی سالوں کی تباہی سے بھی کہیں بڑھ گئی۔

انیسویں صدی کے وسط تک یورپ میں جنگی اصلاح کے سلسلہ میں کوئی منظور شدہ ضابطہ قانون موجود نہ تھا اور محارب فوجوں کی رہنمائی کے لئے اور انہیں غیر ضروری کشت وخون سے بندر کھنے کیلئے کوئی ایسا قانون موجود نہ تھا جس کو قوموں نے اجتماعی طور پر منظور کیا ہو۔ 1863ء میں پہلی مرتبہ امریکہ نے اپنی فوجوں کی راہنمائی کے لئے ایک ہدایت نامہ مرتب کیا۔ امریکہ کے اتباع میں انگلستان ...... روس ...... جرمنی ...... اور فرانس نے اس سے ملتا جلتا ایک ایک ہدایت نامہ اپنی اپنی افواج کو مہیا کیا۔ اس کے ایک سال بعد حکومت سوئٹز لینڈ نے جنیوا کے مقام پر ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد کروائی جس میں بیماروں، زخمیوں اور معالجوں کے تحفظ کے لئے کچھ سفارشات مرتب کی گئیں ...... جس کی تفصیلی وضاحت اور قانونی ہیٔت جنیوا کی تیسری بین الاقوامی کانفرنس میں مرتب کی گئی جس کو ہم ایک ضابطہ قانون کا نام دے سکتے ہیں۔

اس کے بعد زار روس الگزنڈر دوم کی تحریک پر 1874ء میں بروسلز کانفرنس ہوئی۔ جس میں پہلی مرتبہ بری جنگ کے متعلق کچھ اصلاحی قانون بنائے گئے لیکن اکثر حکومتوں نے اس کی توثیق نہ کی اور جرمنی اور انگلستان نے ان کے ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ بروسلز کانفرنس کی تجاویز ۲۵ برس تک بیکار پڑی رہیں حتیٰ کہ 1899ء میں زار نکولس ثانی کی تحریک پر ہیگ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں دنیا کی ۲۶ حکومتوں نے حصہ لیا اور جنگ کی اصلاح کے سلسلہ میں کچھ مزید کام ہوا۔ یہ کانفرنس بھی اپنا کام مکمل نہ کر سکی اور اصلاح جنگ کے سلسلہ قانون کی تدوین کا کام مزید ۸ سال کے لئے رکا رہا۔ 1907ء میں امریکہ کے صدر مسٹر روز ویلٹ اور زار نکولس ثانی کی تحریک پر دوبارہ ہیگ کانفرنس منعقد ہوئی اور وہ ایک حد تک اپنے مقصد میں کامیاب رہی۔ اس میں پہلے سمجھوتوں کی توثیق کے علاوہ مندرجہ ذیل امور کے متعلق بھی کچھ

Marfat.com

فیصلے ہوئے۔

۱...... آغاز جنگ کے لے اعلان جنگ کا لزوم

۲...... حالت جنگ میں دشمن کے تجارتی جہازوں کا تحفظ

۳...... حالت جنگ میں جہازوں پر گولہ باری اوران کی گرفتاری کے متعلق قوانین

۴...... بری اور بحری جنگوں میں غیر جانبداروں کے متعلق ضابطہ کار۔

یورپ میں جنگی قوانین کی تدوین کی اس مختصر تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یورپ کو ابھی مہذب قوانین جنگ سے آشنا ہوئے ساٹھ (۶۰) برس سے زیادہ وقت نہیں گزرا اور قوانین کی تکمیل کے وقت سے حساب لگائیں تو ماننا پڑے گا کہ بیس برس سے پہلے تک یورپ میں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا جنگلی قانون ہی کارفرما تھا۔ اور یورپ کے پاس کوئی ایسا ضابطہ قانون موجود نہ تھا جو حالت جنگ میں بھی انسان کو انسانی حدود وقیود کے اندر رکھ سکے اور ممکن حد تک جنگ کی تباہ کاریوں کو کم کرسکے۔

اس کے مقابلہ میں اسلامی ضابطۂ جنگ اور اصول جہاد پر نظر ڈالئے تو واضح ہوجائے گا کہ وہ ایک ایسا انتہائی مہذب اور مکمل ضابطہ قانون ہے جس میں آج تک کسی ترمیم وتنسیخ کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی اور یورپ نے بعد از خرابی بسیار جو کچھ کام اصلاح جنگ کے سلسلہ میں کیا ہے، وہ اسلامی ضابطہ قانون کی ہی ایک ناتمام خوشہ چینی معلوم ہوتی ہے اور بعض معاملات میں تو یورپ کا ضابطہء قوانین...... اسلامی ضابطۂ قوانین سے بہت پیچھے ہے۔

مقصدِ جہاد اور اصلاحِ جنگ

حضور ﷺ کی بعثت کے وقت عرب میں جنگ ایک نہایت ہی ہولناک اور

Marfat.com

مہیب امر تھی۔اس میں ہر ظلم وجور اور ہر قسم کی تخریب وتعزیر جائز تھی۔عرب میں جنگ کے لئے محرکات عموماً مندرجہ ذیل تھے۔

۱...... مال غنیمت کا شوق (یعنی اجتماعی لوٹ کھسوٹ)

۲...... تفاخر وانتقام

طریقہ جنگ میں غیر مقاتلین پر تعدی مثلاً دشمنوں کو آگ میں جلانا ...... غفلت میں حملہ ...... مقتولوں کی لاشوں کی تذلیل ...... بدعہدی ...... بچوں ...... بوڑھوں ...... اور عورتوں کا قتل، یہ سب امور نہ صرف جائز تھے بلکہ یہ ایک معمول کی شکل اختیار کر چکے تھے۔

روم اور ایران میں بھی بعینہ یہی امور رائج تھے اور ان کے ہاں بھی جنگ میں مظالم اور تخریب کا معیار کسی طرح بھی جاہل عربوں سے کم نہ تھا۔

یہ وہ ماحول تھا جس میں حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے اصلاح جنگ کا علم بلند فرمایا اور دنیا کو اصلاح جنگ کا وہ مہذب اصول مہیا فرمایا جو رہتی دنیا تک انسانوں کی راہنمائی کرتا رہے گا۔اسلام نے جنگ کو ایک نیا رنگ دے دیا۔اور تطہیر مقصد اور تہذیب کار سے اس تخریب کو تعمیر...... جنگ کو امن ......اور فساد کو جہاد بنا دیا۔اسلام کا نظریہ یہ تھا کہ جنگ فی الاصل ایک مصیبت ہے لیکن جب دنیا میں اس سے بڑی مصیبت یعنی ظلم وطغیان اور فتنہ وفساد پھیل جائے اور ظالم انسانوں کی سرکشی انسانیت کے امن وراحت کو تباہ کرنے پر تل جائے تو محض دفع فتنہ وفساد کے لئے جنگ نہ صرف جائز ہو جاتی ہے بلکہ فرض ہو جاتی ہے۔اس جنگ کو جہاد فی سبیل اللہ کا نام دے کہ اسلام نے تمام ذاتی اغراض کا قلع قمع کر دیا اور صرف رفع شر اور حصول خیر کو ہی مقصد جہاد قرار دیا۔

۵...... حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے

Marfat.com

پاس آیا اور عرض کی کہ یارسول اللہ! قتال فی سبیل اللہ کیا ہے؟ ہم میں سے کوئی جوشِ غضب سے لڑتا ہے کوئی حمیتِ قومی میں۔ حضور علیہ السلام نے جواب دیا کہ جو شخص راہ خدا میں لڑتا ہے اسی کی جنگ راہِ خدا میں ہے۔

o...... حضرت عبادہ ابن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے...... کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص خدا کی راہ میں لڑنے گیا اور اونٹ باندھنے کی رسی حاصل کرنے کی نیت دل میں کر لی تو اسے وہ رسی ہی ملے گی ثواب کچھ نہ ملے گا''۔

o...... حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں...... کہ ایک آدمی نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو مالی فائدہ اور ناموری کے لئے جنگ کرتا ہے؟ ایسے شخص کو کیا ملے گا؟ حضور ﷺ نے فرمایا لَا شَیْئَ لَہٗ اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا۔

دیکھیے! حضور ﷺ نے مقصد جنگ کو کتنا مہذب...... کتنا مقدس...... اور کتنا تعمیری بنا دیا۔ تطہیر مقصد سے ہی جنگ کا رنگ بدل گیا اور یہ تحفظ، تہذیب وشرافت کا ایک مقدس فریضہ بن گئی۔

مقصد جنگ کی تقدیس کے ساتھ ساتھ طریقہ جنگ کی بھی ایسی تطہیر فرمائی کہ جاہلیت کی تمام ظالمانہ رسمیں اور وحشت و بربریت کے تمام گھناؤنے افعال یک قلم ناجائز قرار دے دیئے اور عرصۂ رزم کو بھی تہذیب وشرافت کی بزم بنا دیا۔

غیر اہل قتال مثلاً عورتیں، بچے، بوڑھے، بیمار، زخمی، اندھے، سیاح، خانقاہ نشین، زاہد، معبدوں اور مندروں کے مجاور اور ایسے ہی تمام بے ضرر لوگوں کے قتل کو سختی سے ممنوع فرما دیا۔

o...... ایک مرتبہ میدان جنگ میں ایک عورت کی لاش دیکھ کر سخت اظہار ناراضگی فرمایا، اسی وقت سالارِ لشکر کو ہدایت فرمائی کہ آئندہ عورتوں...... بچوں...... اور اجیر کو

ہر گز قتل نہ کیا جائے۔

o ...... فتح مکہ کے موقع پر آپ نے شہر میں داخلہ سے بھی پہلے ہدایت فرمادی کہ کسی زخمی پر حملہ نہ کیا جائے، بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرنا اور جو اپنا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے اسے امان دینا۔ ا ۔

o ...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''حضور ﷺ جب کہیں فوج بھیجتے تو ہدایت فرمادیتے کہ معابد کے بے ضرر خادموں اور خانقاہ نشیں زاہدوں کو قتل نہ کرنا۔

لَا تَقْتُلُوْا اَصْحَابَ الصَّوَامِعْ ۲ ۔

غفلت میں حملہ کرنے سے احتراز

كَانَ اِذَا جَآءَ قَوْماً بِلَيْلٍ لَمْ يَغُرَّ عَلَيْهِمْ حَتّٰى يَصْبَحَ ۳ ۔

آنحضرت علیہ السلام جب کسی دشمن قوم پر رات کے وقت پہنچتے تو صبح ہونے سے پہلے ان پر حملہ نہ فرماتے۔

o ...... دشمن کو آگ میں جلانے کی ممانعت فرمادی ...... فرمایا آگ کا عذاب دینا سوائے آگ کے پیدا کرنے والے کے کسی اور کو سزاوار نہیں۔

o ...... قتلِ صبر کی ممانعت ...... رسول اللہ ﷺ نے دشمن کو باندھ کر تکلیفیں دے دے کر مارنے سے منع فرمادیا۔

o ...... لوٹ مار کی ممانعت ...... ایک دفعہ سفر جہاد میں اہل لشکر نے بکریاں لوٹ کر ان کا گوشت پکا کر کھانا چاہا، حضور علیہ السلام کو خبر ہوئی تو آ کر سب دیگچیاں الٹ دیں اور فرمایا لوٹ کھسوٹ کا مال مردار سے بہتر نہیں ہے۔

o ...... عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے لوٹے ہوئے

ا ۔ فتوح البلدان ۲ ۔ مسند ابی رقم: ۲۶۵۰ ۳ ۔ سنن ترمذی، رقم: ۱۵۵۰

Marfat.com

مال کو حرام قرار دیا۔

تباہ کاری کی ممانعت

قرآن مجید میں ارشاد ہے: اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ۱؎

o...... حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے شام و عراق کی طرف جانے والی فوجوں کو جو ہدایات دی تھیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ بستیوں کو ویران نہ کرنا اور فصلوں کو خراب نہ کرنا۔

مُثلہ کی ممانعت

عبداللہ بن یزید انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے لوٹ کے مال اور مثلہ (قطع اعضاء) کی ممانعت کردی ہے نبی کریم علیہ السلام فوجوں کو بھیجتے وقت بتاکید ہدایت فرمایا کرتے تھے:

لَا تَغْدِرُوْا وَلَا تَغُلُّوْا وَلَا تُمَثِّلُوْا ۲؎

بدعہدی نہ کرو، غنیمت میں خیانت نہ کرو اور مثلہ نہ کرو

قتلِ اسیر کی ممانعت

حجاج بن یوسف نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر کو کہا کہ وہ ایک اسیر کو قتل کردیں۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس بات کی اجازت نہیں دی۔ البتہ اس بات کا حکم دیا ہے کہ قیدی کے ساتھ احسان کا برتاؤ کریں یا اسے فدیہ لے کر رہا کردیں۔ قاصدوں اور سفیروں کے قتل کی بھی حضور علیہ السلام نے ممانعت فرمادی۔ مسیلمہ کذّاب کا قاصد عبادہ بن الحارث جب اس کا گستاخانہ پیغام لے کر

۱؎ البقرہ، ۲:۲۰۵ ۲؎ سنن ابی داود، رقم: ۲۶۱۵

Marfat.com

بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا:

لَوْ لَا اَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ عُنُقَكَ

اگر قاصدوں کا قتل ممنوع نہ ہوتا تو میں تیری گردن مار دیتا۔

قتل وغارت کے خلاف اور دورانِ جنگ اخلاقی حدود کی پاسداری کے متعلق عام ہدایات

فوجوں کی روانگی پر ان کو اصلاحی و اخلاقی ہدایات دینے کے اصول سے انیسویں صدی کے وسط تک نام نہاد مغربی دنیا نا آشنا تھی لیکن حضور علیہ السلام کا شیوہ تھا کہ فوجوں کی روانگی پر ان کو تقویٰ اور خوفِ خدا کی نصیحت فرماتے اور پھر ارشاد فرماتے ''جاؤ اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ ان لوگوں سے جو اللہ سے کفر کرتے ہیں مگر جنگ میں کسی سے بدعہدی نہ کرو...... غنیمت میں خیانت نہ کرو...... مثلہ نہ کرو......اور کسی بچہ کو قتل نہ کرو''

خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام کو فوجیں روانہ کرتے وقت ان کو جو ہدایات فرمائی تھیں ان کو تمام مؤرخین اور محدثین نے نقل کیا ہے اور وہ اسلامی ضابطۂ جنگ کا لُبِ لباب ہیں۔ ان سے اسلامی قانونِ جنگ کی عظمت...... وسعت ......اور اصلاحی حیثیت کا اندازہ ہو سکتا ہے اور وہ ہدایات مندرجہ ذیل ہیں۔

١...... عورتیں، بچے اور بوڑھے قتل نہ کئے جائیں

٢...... راہبوں اور عابدوں کو پریشان نہ کیا جائے اور ان کے معابد مسمار نہ کئے جائیں

٣...... مُثلہ (لاشوں کے اعضاء کاٹنا) نہ کیا جائے۔

Marfat.com

۴...... پھل دار درخت نہ کاٹے جائیں اور کھیتیاں نہ جلائی جائیں

۵...... آبادیاں ویران نہ کی جائیں

۶...... جانوروں کو ہلاک نہ کیا جائے

۷...... بدعہدی سے ہر حال میں احتراز کیا جائے

۸...... اطاعت کرنے والوں کی جان و مال کا تحفظ...... مسلمانوں کی جان و مال کے تحفظ کی طرح ہی کیا جائے۔

۹...... غنیمت میں خیانت نہ کی جائے۔

۱۰...... جنگ میں پیٹھ نہ پھیری جائے۔

اصلاحِ جنگ کی اس عظیم اخلاقی تعلیم کا جو اثر ہوا اس کا اندازہ فتح مکہ میں مسلمان فاتح فوج کے شہر میں داخلہ کے واقعات سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ اصلاح آج سے تقریباً چودہ سو برس پہلے عرب جیسی انتہائی غیر متمدن اور جنگی معاملات میں ظالم اور سفاک قوم میں عملاً رائج کی گئی۔ یہ یقیناً آسمانی انقلاب تھا اور امام الانبیاء کا معجزانہ کارنامہ تھا کہ انتہائی جاہل اور ظالم قوم کو تہذیب و تمدن...... انسانیت...... اور شرافت کے اس مقام پر لا کھڑا کیا کہ صدیوں بعد بھی نام نہاد تہذیب و تمدن کے علمبرداران بلندیوں کے دامن کو بھی نہیں چھو سکتے۔ جنگ کے سلسلہ میں یہ عظیم انقلابی اصلاح صرف آٹھ سال کے قلیل عرصہ میں ہوئی۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ اہل مکہ وہ لوگ تھے جنہوں نے مسلمانوں کو ملک بدر کیا ان کی املاک چھین لیں، ان کے بچوں کو قتل کیا، ان پر عرصۂ حیات تنگ کیا، مسلمانوں کو مدینہ میں بھی چین نہ لینے دیا، کئی دفعہ وہاں جا کر مسلمانوں پر بھرپور حملے کئے، عرب بھر میں بلکہ حبشہ...... ایران...... اور روم تک جا کر مسلمانوں کے خلاف مسلسل پروپیگنڈا کیا۔ وہ شہر جب فتح ہوا اور وہی دشمن جب مفتوح ہوئے تو ان کے ساتھ اسلامی فوجوں

کا انتہائی مہذب اور شریفانہ سلوک دیکھیے اور پھر انصاف سے بتائیے کہ تاریخ انسانیت کوئی ایک واقعہ بھی ایسا پیش کرسکی ہے۔ جو فتح مکہ جیسی رواداری...... قانون کی پاسداری...... فوجی ڈسپلن...... اور اخلاقی ذمہ داری کے احساسات کا حامل ہو۔ اور اگر تاریخ ایک بھی ایسا واقعہ اپنے دامن میں نہیں پاتی تو پھر تقاضائے انصاف یہی ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے احسان عظیم کا بہر حال اعتراف کیا جائے اور ان کی مقدس تعلیم کو اپنا کر انسانیت کو جنگ کی غیر ضروری ہلاکت آفرینیوں سے بچایا جائے۔ جذبات کے انتہائی ہیجان کے عالم میں اخلاق کی پاسداری، تہذیب وشرافت کی دلیل ہے۔ اس ایٹمی دور میں اصلاح جنگ کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات کو اپنانے میں ہی انسانیت کی نجات ہے، ورنہ لوگ سائنس کے تیار کردہ جہنم میں بھسم ہو کر رہ جائیں گے۔

مقصد جنگ کی تطہیر اور طریقہ جنگ کی تہذیب میں ہی انسانی فلاح وتعمیر کا راز مضمر ہے اور اس سلسلہ میں حضور رحمت للعالمین علیہ السلام کی تعلیمات ہی حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یورپ کا قانون جنگ آج بھی اسلامی تعلیمات کی ناتمام خوشہ چینی پر مبنی ہے۔ اب ضروری ہے کہ اقوام عالم کا مرکزی ادارہ...... اصلاح جنگ کے سلسلہ میں مرتب شدہ قوانین کے عملی نفاذ کا بھی احترام کرے۔ آج ہر قوم ان بین الاقوامی اصلاحی قوانین کا منہ چڑا رہی ہے۔ بین الاقوامی اخلاق کی تذلیل کی جارہی ہے اور بین الملکی قوانین کی تضحیک کی جارہی ہے۔ اور اسی شرمناک قانون شکنی کو ہی قوت کا نام دیا جارہا ہے۔ اور جمعیتِ اقوام ایک بے بس تماشائی کی طرح ان قانون شکنیوں کو دیکھ رہی ہے۔ اس کا انجام ایک ہولناک اور عالمگیر تباہی کی صورت میں برآمد ہونا یقینی ہے۔ بھارت کا بین الاقوامی قانون کے خلاف پاکستان کے نوے ہزار فوجیوں کو طویل عرصہ تک حراست میں رکھنا، ان پر آئے دن فائرنگ کرنا اور ان کو

Marfat.com

بین الاقوامی منظور شدہ مراعات سے بھی محروم رکھنا، اس بین الاقوامی قانون شکنی کی تازہ اور بدترین مثال ہے۔

یہ صرف بھارت اور پاکستان کا ہی معاملہ نہیں بلکہ بین الاقوامی قانون کے احترام کا بھی معاملہ ہے۔ اگر بعض خودسر اور کوتاہ اندیش قوموں کی ان بے اعتدالیوں کو خاموشی سے گوارا کرلیا گیا تو بین الاقوامی قانون کا احترام قطعاً ختم ہو جائے گا اور پھر اقوام عالم کو مستقبل میں بدامنی اور ہولناک تباہی سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔

قانون ضامنِ امن ہوتا ہے اور اس کا احترام دلیلِ تہذیب...... احترام قانون کو چھوڑ کر انسان حیوان سے بدتر ہو جاتا ہے۔ عدل کی بجائے قوت حکمران ہوتو دنیائے تہذیب جنگل کا روپ دھار لیتی ہے اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول دنیا کو جہنم بنا دیتا ہے۔ بہر حال یہ مفکرینِ عالم کے لئے ایک اہم لمحہ فکر یہ ہے۔ جنگ کے سلسلہ میں اسلام کی عظیم تعلیم ضامنِ امن اور محافظِ تہذیب ہے۔ ضرورت ہے کہ دنیا رسول رحمت ﷺ کی تعلیم رحمت سے مستفید ہو کر دائمی امن و رحمت سے ہمکنار ہو جائے۔

خلق و تدبیر و ہدایت ابتدا است
رحمۃً للعالمینی انتہا است

Marfat.com

عقیدت وارادت

اُن کی تعلیمات کی جب دل میں تابانی ہوئی
گلہ بانوں کے مقدر میں جہاں بانی ہوئی

(حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

رفیقِ معتبر غار ثور ہے صدیق
دلیلِ منزل مقصود جس کی راہبری

اے گل باغ رسالت مجھے تیری ہی قسم
زلفِ یٰسں سے ماخوذ ہے نکہت تیری

غازۂ روئے صداقت ہے شہادت تیری
مایۂ خونِ پیمبر ہے شجاعت تیری

تیری خاطر ہوا سجدہ نبوت کا طویل
کس قدر حق کو بھی منظور ہے راحت تیری

(حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ؀[۱]

شاگرد کی تکمیل، استاد کی قابلیت اور محنت کی دلیل ہوتی ہے اور مریض کی صحت، طبیب کی فراست اور حکمت کا ثبوت ہوتی ہے۔ معلم اگر کسی خاص متعلم کی طرف خصوصی توجہ دے اور اسے مسلسل اپنی معیت اور شفقت سے نوازے۔ تو وہ متعلم معلم کی تعلیمی صلاحیت اور قابلیت کا نمونہ بن جاتا ہے۔ اور اس کی صلاحیتوں اور خوبیوں کے عرفان سے استاد کی تربیت کے فیضان کی پہچان ہوتی ہے۔ پھر جو معلم یا فنکار جس فن کا ماہرِ خاص ہوتا ہے اس کا شاگرد یا فنی شاہکار اسی خصوصی فن کا ترجمان اور آئینہ دار ہوتا ہے۔

عمارت کا حسن، معمار کے حسنِ تعمیر کی دلیل ہوتا ہے۔
شعر کا حسن، شاعر کے حسنِ ذوق کی دلیل ہوتا ہے
تصویر کا حسن، مصور کے کمالِ فن کی دلیل ہوتا ہے

انبیاء علیہم السلام کا خصوصی کام چونکہ انسانی سیرت و کردار کی تکمیل و تشکیل ہوتا ہے اس لئے ان کے تربیت یافتہ صحابہ کی تربیت و سیرت ...... انبیاء کی پیغمبرانہ اور

---

۱ ؎ الزمر، ۳۹: ۳۳

Marfat.com

معجزانہ تربیت کی دلیل ہوتی ہے۔ جس طرح انبیاء علیہم السلام کے جمالِ سیرت سے خدا کے کمالِ تخلیق کا عرفان ہوتا ہے اسی طرح انبیاء کے رفقاء کی شخصیت سے انبیاء علیہم السلام کے حسنِ تربیت اور فیضان صحت کا پتہ چلتا ہے۔

پھر جس کو محبوب کبریا اور امام الانبیاء علیہ السلام اپنی خصوصی رفاقت اور معیت کے لئے چن لیں اور خلوت و جلوت...... سفر و حضر...... رزم و بزم میں اپنی خصوصی معیت اور تربیت سے نوازیں۔ اس کی شخصیت کے کمال اور اس کی سیرت کے جمال کا اندازہ محال ہے اور وہ عظیم ہستی...... وہ پروردۂ فیض نبوت...... وہ ادب خوردہ نگاہِ محبت...... وہ ختم المرسلین کا مونس و ہمدم...... وہ رحمۃ للعالمین کا رفیق پیہم...... وہ وارفتۂ جمال مصطفائی...... وہ مظہر انوار مجتبائی...... وہ عندلیبِ باغ رسالت...... وہ پروانۂ شمع نبوت...... وہ تربیتِ نبوت کا شاہکار...... یارِ غار...... اور یار مزار حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت اقبال اس ممدوح کی شان میں یوں رطب اللسان ہیں!

آں امنَّ الناس بر مولائے ما
آں کلیم اول سینائے ما
ہمت اُو کشت ملت را چو اَبر
ثانی اسلام و غار و بدر و قبر

حضور ختم المرسلین علیہ السلام کے پہلے جانشین اور خلیفہ اول بلا فصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

اصلی نام عبداللہ...... ابوبکر کنیت...... اور صدیق لقب تھا۔ باپ کا نام عثمان اور کنیت ابوقحافہ تھی۔ والدہ ماجدہ کا نام اُم الخیر سلمٰی تھا۔ یہ معزز گھرانہ خاندان قریش کے قبیلہ بنو تمیم سے تھا۔ جو عرب میں اپنی نجابت اور وجاہت کے لحاظ سے بہت ممتاز

Marfat.com

حیثیت رکھتا تھا اور مقدماتِ قتل میں خون بہا کا فیصلہ اسی خاندان کے سپرد تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عمر میں حضور سرورِ کائنات ﷺ سے دو برس چھوٹے تھے۔ دورِ طفولیت سے ہی شرافت، متانت...... اور دیانت وصداقت کے پیکر تھے۔ اس لحاظ سے حضور علیہ السلام کے ساتھ ایک طبعی اور فطری مناسبت کے حامل تھے۔ حضور علیہ السلام کے دعویٰ نبوت کے بعد بالغ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے آپ ہی تھے۔ کہ دیرینہ رفاقت اور طبعی مناسبت کی وجہ سے مزاج نبوت کے شناسا و عارف تھے۔ اور اس عرفان نے ہی وہ ایقان بخشا کہ فوراً ہی صداقت نبوت پر ایمان لائے۔ دولت ایمان کے ساتھ مال و دولت دنیا میں بھی قریش میں سب سے ممتاز تھے۔ کپڑے کی تجارت فرماتے تھے اور حلقہ بگوش اسلام ہونے کے وقت چالیس ہزار درہم کے مالک تھے۔ اس تمام اثاثے کو اسلام کی راہ میں خرچ کر دیا۔ آپ کے اسلام لانے اور تبلیغ دین فرمانے سے بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت زبیر...... حضرت عبدالرحمن بن عوف...... حضرت سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہم) انہی کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ بہت سی لونڈیوں اور غلاموں کو جو اسلام لانے کی پاداش میں اپنے مالکوں کے ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ آپ نے خرید کر آزاد فرمایا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی انہی لوگوں میں شامل تھے۔ آپ کے مالی ایثار کی تعریف فرماتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا:

مَانَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَانَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ [۱]

کہ ابوبکر کے مال سے بڑھ کر کسی کے مال نے مجھے نفع نہیں پہنچایا۔

معزز ومحترم شخصیت ہونے کے باوجود، اسلام کی راہ میں جسمانی صعوبتیں بھی اٹھانی پڑیں۔ ایک مرتبہ مشرکین نے آپ کو اتنا پیٹا کہ آپ بے ہوش ہوگئے۔ اضاعتِ

۱۔ سنن ابن ماجہ، رقم: ۹۱ جلد ۱ ص: ۱۰۴۔ ابن ماجہ، ابو یزید (۲۷۳ھ)

مایہ اور شماتتِ ہمسایہ...... احباب کی سرد مہری اور اغیار کی دیدہ دلیری جیسی ہر پر خار وادی سے گزرنا پڑا۔ کاروباری مقاطعہ اور ترک وطن تک کی نوبت آئی۔ لیکن آپ کی جبینِ سعادت پر شکن تک نہ آئی۔

محویت محبت رسالت اور مقصدیت ضرورت اور صداقت نے آلام دنیا و ما فیھا سے بے نیاز و آزاد کر دیا:

؎ دلوں کو فکر دو عالم سے کر دیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

عشقِ نبوت اور محبت کی صداقت کو ایسا نبھایا کہ تکمیل تک پہنچایا اور محبت و وفا کا وہ معیار قائم کیا کہ یارِ غار کی ترکیب ...... اظہارِ صدق وصفا کے لئے محاورہ بن گئی۔ عشق نے حسن کو اتنا چاہا کہ خود زبانِ حسن سے صدیق کا نام پایا۔ واقعہ معراج کو عقلِ ناتمام کی زد سے باہر پا کر جب لوگوں نے انکار و تشویش کا اظہار کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی مؤمنانہ فراست سے اس واقعہ کی بلاتوقف تصدیق فرما کر صاحب معراج سے صدیق کا لقب پایا۔ جس طرح رستم کا نام طاقت میں ...... حاتم طائی کا نام سخاوت اور حضرت یوسف علیہ السلام کا نام حسن صورت میں ضرب المثل ہے اسی طرح نبوت کی رفاقت ...... محبت ...... اور خدمت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام ضرب المثل ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے شعر

؎ ہمت اُو کشت ملت را چو ابر
ثانی اسلام و غار و بدر و قبر

میں دراصل قرآن حکیم کی آیت ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا [۱] کی نفیس اور حکیمانہ تشریح کی ہے۔ غار ثور

۱۔ التوبہ، ۹:۴۰

Marfat.com

میں ''دو میں سے دوسرے'' یقیناً حضرت صدیق ہی ہیں۔ اسلام میں خود پیغمبر اسلام کے بعد صدیق کا دوسرا نمبر ہے۔ غار میں بھی یہ دوسرے تھے...... بدر میں جب حضور علیہ السلام فتح و نصرت کی دعا مانگ رہے تھے تو آمین کہنے والے یہی دوسرے تھے...... قبر میں سب سے پہلے رفاقتِ رسالت مآب کی نعمت سے بہرہ یاب ہونے میں بھی یہی دوسرے تھے۔

جب کفار مکہ نے کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کرلیا اور جان لینے کے درپے ہوئے تو حضور علیہ السلام حضرت صدیق کے گھر ہی کو حصارِ عافیت سمجھ کر وہاں تشریف لے گئے اور ان نازک حالات میں سفرِ ہجرت میں اپنی معیت و رفاقت اور خدمت کیلئے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہی کو چنا گیا۔ نبوت کی طرف سے یہ انتخاب حکم خدا ہی سے تھا۔ اس سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کمالِ عشق و ایمان کی خدائی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔ غار میں پہلے خود داخل ہو کر غار کو صاف کر کے حضور علیہ السلام کو بلا کر اپنی آغوش عافیت میں دعوتِ استراحت دینا کمال سعادت ہے کہ تین دن تک پیکر خوبی و جمال کی بارگاہ ناز میں پذیرائی نیاز اور عشق کا حسن کو تنہا پانا اور دیکھنا اور اس محویتِ دیدِ جمال میں سانپ کے ڈسنے تک سے بے خبر رہنا اور محبوبِ خدا کے لعاب پاک کے تریاق سے زہر کو تریاق اور موت کو حیات بنالینا...... کمالِ کرامت و صداقت ہے۔ نص قرآنی نے لِصَاحِبِہٖ کہہ کر صدیق اکبر کی صحابیت اور صداقت ایمانی کی تسلیم کو ضروریات دین میں سے بنا دیا ہے۔ اور لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا[1] کی نوید سے صدیق کو خصوصیت معیتِ الٰہی کی بشارت میں شامل کرلیا ہے۔ اسی لئے حضور رسالت مآب کا ارشاد ہے:

يَتَجَلّٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ عَامَّةً وَيَتَجَلّٰى لِاَبِيْ بَكْرٍ خَاصَّةً [2]

---

[1] التوبہ، ۹: ۴۰ [2] الدیباج للختلی، رقم الحدیث: ۲۸ حدیث مرفوع الختلی، اسحاق بن ابراہیم (۲۸۳ھ) دارالبشار ۱۹۹۴

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کے لئے عام تجلی فرمائے گا اور تمہارے لئے (اے ابوبکر) خاص تجلی ہوگی۔

اور حزن وملال جو حیاتِ مستعار کے دو ناگزیر کانٹے ہیں ان کو لَا تَحْزَنْ کی نوید جانفزا سے حضرت صدیق کے قلب باصفا سے نکال کر اطمینان وانکسار کے سدا بہار پھولوں سے دل کی خلوت کو معطر کر دیا گیا اور دنیوی واُخروی حزن سے قلب صدیق کو پاک کر دیا گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر، حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا:

يَا اَبَابَكْرٍ اَنْتَ عَتِيْقٌ مِّنَ النَّارِ ۱؎

یعنی اے ابوبکر تو دوزخ سے آزاد ہے۔

ادبِ نبوت کی پاسبانی کا اتنا احساس تھا کہ مدینہ میں تشریف فرمائی کے موقع پر کئی لوگ ناواقفی کی بنا پر پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ کرتے۔ اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ فرقِ نبوت پر چادر کا سایہ کر کے خادمانہ طور پر کھڑے ہو گئے...... تا کہ خادم ومخدوم اور آقا وغلام میں امتیاز ہو جائے۔

حضرت صدیق کے مناقب وفضائل بیشمار ہیں۔ مشتے نمونہ ازخروارے چند ارشاداتِ نبوت تبرکاً بیان کیئے جاتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

سُدُّوا عَنِّيْ كُلَّ خَوْخَةٍ فِيْ هٰذَا الْمَسْجِدِ غَيْرَ خَوْخَةِ اَبِيْ بَكْرٍ ۲؎

سب کے دروازے مسجد میں سے بند کر دو لیکن ابوبکر صدیق کا دروازہ مسجد کی طرف کھلا رہنے دو۔

۱؎ المستدرک للحاکم، رقم الحدیث: ۴۳۷۸، جلد: ۱۰، ص: ۱۹۵

۲؎ صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۴۴۷ جلد ۲ ص: ۲۶۹

Marfat.com

فرمایا:

وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنَ النَّاسِ خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِيلًا وَلٰكِنْ خُلَّةُ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ ۱؎

اگر میں اپنے رب کے بغیر کسی اور کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن وہ اسلام کا بھائی ہے۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی۔ آپ نے فرمایا پھر آئیو۔ اس نے عرض کی اگر میں آؤں اور آپ موجود نہ ہو۔

قَالَ اِنْ لَمْ تَجِدِيْنِيْ فَأْتِ اَبَابَكْرٍ ۲؎

تو فرمایا اگر مجھے نہ پاؤ تو ابوبکر کے پاس آ جانا۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

مَا لِاَحَدٍ عِنْدَنَا يَدٌ اِلَّا وَقَدْ كَافَيْنَاهُ مَا خَلَا اَبَابَكْرٍ فَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا يَدًا يُكَافِيْهِ اللّٰهُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۳؎

میں سب کے احسانوں کا بدلہ دے چکا ہوں۔ مگر ابوبکر صدیق کا احسان بے حساب ہے۔ اس کا بدلہ قیامت کو اللہ تعالیٰ خود چکا لے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اَبُوْبَكْرٍ سَيِّدُنَا وَخَيْرُنَا وَاَحَبُّنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ۴؎

کہ ابوبکر ہم سب سے بہتر اور ہمارے سردار ہیں اور ہم سب سے زیادہ حضور

۱؎ ایضاً ۲؎ صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۶۸۱۳، جلد ۲۲ ص: ۳۴۶

۳؎ سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۵۹۴ جلد ۱۲، ص: ۱۱۹

۴؎ سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۵۸۹، جلد ۱۲، ص: ۱۱۴

Marfat.com

علیہ السلام کو محبوب ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کہ اے کاش میری زندگی بھر کے تمام عمل ثواب میں حضرت صدیق کے غارِ ثور میں معیتِ نبوت کی اک رات کے برابر ہو جاتے۔

الغرض حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا تمام خاندانی جاہ وجلال اپنا تمام مال ومنال بے قیل وقال ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیا اور قربانی وایثار کے میدان میں ہمیشہ اولیت کا مقام حاصل کیا۔ ایک دفعہ خوش حالی کے دور میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنا نصف اثاثہ خدمتِ دین متین کی نیت سے لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ اور دل میں خیال کیا کہ دیکھوں کہ آج صدیق مجھ سے گوئے سبقت کیسے لے جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استفسار پر کہا کہ آدھا مال ومنال خدمت دین کیلئے لے آیا ہوں اور آدھا مال اہل وعیال کی کفالت کے لئے چھوڑ آیا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ایثار پر خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ یہ گفتگو ابھی ہو رہی تھی کہ

اتنے میں رفیقِ نبوت بھی آ گیا
جس پر بنائے عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مرد وفا سرشت
ہر چیز جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار
بولے حضور چاہیئے فکرِ عیال بھی
کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

Marfat.com

اور بقول اقبال!

فدائے ہمت آں رند مستم
خدا را گفت ما را مصطفیٰ بس

اسلام کی تعلیم و تبلیغ کے ابتدائی دور ابتلا میں حضرت صدیق حضور رضی اللہ عنہ رسالت مآب ﷺ کے دست راست بن کر رہے۔ ہر کٹھن امتحان اور ہر کڑے وقت میں کوہ استقامت بن کر باطل کی یورشوں کا مقابلہ کیا۔ اس سلسلہ میں جانی اور مالی ایثار و قربانی کے ہر امتحان میں کامیاب و کامران رہے۔ اپنی مسلسل قربانیوں اور مخلصانہ خدمات سے بارگاہ رسالت میں وہ قرب و رسوخ حاصل کیا جس کی نظیر نہیں ملتی۔

نبوت کی طویل ترین تربیت و معیت سے ایسی حسین و جمیل شخصیت پائی کہ تربیت نبوت کا شاہکار اور اسلامی اخلاق و کردار کی اعلیٰ ترین مثال بن گئے۔ اسی تعلیم و تربیت کا اثر تھا کہ حضور رسالت مآب ﷺ کے وصال کے بعد حضور کے پہلے خلیفہ اور جانشین بننے کے بعد اس منصبِ جلیلہ کو اس حسن و خوبی سے نبھایا کہ قصر اسلام استوار اور نظام اسلام پائیدار ہو گیا اور اسلام کا دائرہ عرب سے عجم تک پہنچ گیا اور داخلی و خارجی طور پر اسلامی معاشرہ قرآنی اقدار کا مظہر بن گیا۔

حضور رسالت مآب ﷺ کی رحلت کے حادثہ سے مسلمانوں پر غم و اندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور ہزاروں داخلی اور خارجی دبے ہوئے فتنوں نے سر اٹھایا۔ فراق رسالت مآب ﷺ کے المیہ کے ساتھ ساتھ اسلام کی بقا اور تحفظ کی عظیم ذمہ داری بھی مسلمانوں پر آ پڑی۔ اس نازک وقت پر حضرت صدیق نے خلافت و امارت کی عظیم ذمہ داری کے بوجھ کو مومنانہ عزم کے ساتھ اٹھایا اور تربیتِ نبوت سے حاصل شدہ فراستِ مومنانہ سے ہر الجھن کو سلجھایا اور ہر فتنے کو دبایا۔ اسلام کی بقا اور ارتقاء کی رفتار کو تیز تر فرمایا اور تھوڑے ہی وقت میں حالات پر پوری طرح قابو پا کر امن و سلامتی

Marfat.com

کا ماحول پیدا کر دیا۔

حضور علیہ السلام کی رحلت کی خبر سے ہر دل بے چین اور دماغ پریشان ہو گیا۔ وارفتگانِ محبت کی وارفتگی بے قابو ہو گئی پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے حوصلہ مند انسان عالمِ وارفتگی میں خنجر بکف ہو کر اس خبر کی اشاعت کو روکنے لگے۔ کچھ لوگ گم صم تھے کچھ محو گریہ تھے...... کچھ سر بگر بیان تھے...... قیامت کا منظر تھا کہ حضرت صدیق نے اپنے خطبہ میں مسلمانوں کو ایسے رنگ میں تلقین صبر کی اور اس طرح اس حادثۂ عظیمہ کی توضیح کی کہ مچلتے ہوئے جذبات سنبھلنے لگے اور غم کے طوفانی بادل چھٹنے لگے۔

آپ نے فرمایا:

مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ ۱؎

جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا...... وہ جان لے کہ حضور نے رحلت فرمائی ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا...... وہ جان لے کہ اللہ حیی و قیوم ہے ...... وہ کبھی نہیں مرے گا۔

پھر آپ نے اسی مفہوم پر مبنی قرآن حکیم کی آیت پڑھی!

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ فَإِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ ۲؎

یہ آیت اس موقع و محل کے ایسی مناسب تھی کہ بعض صحابہ کو یوں معلوم ہوا کہ یہ اسی موقع کے لئے نازل کی گئی اور بعض کو یوں محسوس ہوا...... اس کا مفہوم ہم پر آج ہی واضح ہوا ہے۔ خلافت کی ذمہ داری کو سنبھالتے ہی آپ نے جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا...... وہ اسلامی حکومت کے مقاصد اور انسانی آزادی کی اہمیت اور مسلم معاشرہ کی مساوات

---

۱ صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۳۳۹۴، جلد ۱۲، ص: ۲   ۲؎ ال عمران، ۳: ۱۴۴

Marfat.com

کا مقدس منشور ہے اور اس سے آپ کی انتہائی گہری اسلامی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد آپ نے فرمایا:

''لوگو! میں تمہارا حاکم بنایا گیا ہوں لیکن میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں نیک کام کروں تو اس میں میری مدد کرو اور اگر میں غلطی کروں تو مجھ کو ٹوکو۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت...... تمہارا کمزور شخص میرے نزدیک قوی ہے...... جب تک اس کے ذمہ جو حق نہ دلا دوں اور تمہارا اقوی میرے نزدیک کمزور ہے...... جب تک میں اس کے ذمہ جو حق ہے وہ وصول نہ کرلوں۔ جو قوم اللہ کے رستے میں جہاد ترک کر دیتی ہے اس پر ذلت وخواری مسلط ہو جاتی ہے۔ اگر کسی قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے تو اللہ اس پر بلائیں اور عذاب نازل کرتا ہے۔ تم میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے نبی کی اطاعت کروں گا۔ لیکن اگر میں ان کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے''۔ [1]

حضور علیہ السلام نے اپنی رِحلت سے دو دن پہلے ایک لشکر تیار فرمایا اور اس کی قیادت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی تھی۔ جن کے والد ماجد شام کی پہلی مہم میں شہید ہو گئے تھے۔ حضور کی علالت کی خبر سن کر یہ لشکر مدینہ پاک سے باہر خیمہ زن رہا تا آنکہ حضور علیہ السلام نے رحلت فرمائی۔ اس کے نتیجہ میں منافقین...... مانعین زکوٰۃ اور جھوٹے نبیوں کے فتنوں نے سر اٹھایا لیکن حضرت صدیق نے جیشِ اسامہ کو روانگی کا حکم فرمایا۔ اکابر صحابہ نے مشورہ دیا کہ داخلی فتنوں کے اس دور میں لشکر کو باہر بھیجنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ خود مدینہ پاک کی سلامتی کو خطرہ ہے۔ لیکن اس وارفتہ محبت واطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کہ جس لشکر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم روانہ فرمانے کا حکم دے چکے ہیں...... میں اسے ضرور

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳

Marfat.com

روانہ کروں گا خواہ میں مدینہ میں اکیلا رہ جاؤں اور مجھ پر بڑی سے بڑی مصیبت آ جائے لیکن فرمان نبوی ضرور پورا ہوگا۔

بعض لوگوں نے یہ بھی مشورہ دیا کہ اسامہ ابھی نوجوان ہے، ناتجربہ کار ہے لہذا کسی زیادہ باصلاحیت اور مناسب شخص کو لشکر کی قیادت سونپی جائے۔ لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو ڈانٹا اور فرمایا!

جس کو رسالت مآب ﷺ قیادت دے گئے ہیں اسے میں کیسے مسترد کر سکتا ہوں۔

فرمان رسول ﷺ کا یہ احترام ...... حکم رسول ﷺ کی یہ اطاعت ...... حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا طرہ امتیاز ہے۔ آپ پیادہ پا لشکر کو الوداع کرنے گئے۔ حضرت اسامہ نے ہزار اصرار کیا کہ حضور سوار ہو جائیں یا مجھے بھی پاپیادہ چلنے کی اجازت دیں۔ لیکن آپ نے فرمایا تم سوار ہی رہو ...... ذرا اللہ اور رسول کی راہ میں میرے پاؤں کو بھی خاک آلود ہونے دو۔

حاکم وقت کا یہ جرات مندانہ انکسار اسلامی مساوات اور اخوت کی بڑی مؤثر اور قابل قدر مثال ہے۔

لشکر کی روانگی کی خبر سن کر شر پسندوں نے اس موقع کو غنیمت جان کر بعض بیرونی قوتوں کے ایما پر مدینہ پر لشکر کشی کی۔ حضرت صدیق نے کمال مستعدی سے تھوڑے سے لشکر کو ساتھ لے کر اچانک ان لوگوں پر حملہ کر دیا۔ اس فوری کارروائی سے وہ لوگ بھاگ نکلے۔

مانعین زکوٰۃ کی سرکوبی کا وقت آیا۔ بعض صحابہ نے مشورہ دیا کہ جھوٹے مدعیانِ نبوت اور مرتدین ومنافقین کے اجتماعی خطرہ کے پیش نظر مانعین زکوٰۃ سے نہ الجھنا وقت کا تقاضا ہے۔ حضرت صدیق نے جرأتِ ایمانی سے کام لیتے ہوئے فرمایا!

Marfat.com

''زکوٰۃ بھی ایمان کی طرح فرض ہے۔ میں اس سلسلہ میں ہرگز نرمی نہیں کرسکتا اگر کسی کے ذمہ ایک رسی بھی ہے تو میں ضرور لوں گا۔''

آپ کی اس استقامتِ استوار اور اس عزیمتِ خوشگوار سے نظامِ اسلام کو بے حد تقویت اور استحکام حاصل ہوا۔

جھوٹے مدعیان نبوت برساتی مینڈکوں کی طرح رسالت مآب ﷺ کی رحلت کے بعد نمودار ہوئے۔ کچھ لوگ اپنے اپنے مخصوص مذموم مقاصد کے خاطر ان کے گرد جمع ہوگئے۔ ملک میں ہر طرف بدامنی پھیلا دی۔ ان میں اسود عنسی نے یمن میں...... مسیلمہ کذاب نے قوم بنوحنیفہ میں...... طلیحہ اسدی نے (جو اپنی قوم کا سردار اور مشہور جنگ جو تھا) نجد میں...... اور سجاع نے وسط عرب کے قبائل میں...... دعویٰ نبوت کیا۔ لیکن حضرت صدیق اکبر نے کمال جرأت وعمل سے اس فتنہ کی سرکوبی کی۔ اور اس نازک صورت حال سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے۔ مخالفوں کے بغض وعناد...... عہد شکنی اور ظلم وتشدد کے باوجود عین جنگ کی حالت میں اسلام کی اعلیٰ اخلاقی اقدار کا تحفظ کیا۔ اس سلسلہ میں اپنے سپہ سالاروں کو جو ہدایت نامہ جاری فرمایا وہ ہمیشہ کے لئے تمام اقوام عالم کے لئے روشن اور ہدایت کا ابدی منشور قرار دیا جاسکتا ہے۔ جس نے جنگ کو بھی اخلاقی حدود وقیود سے آشنا کردیا۔

اس سلسلہ میں آپ کا ہدایت نامہ یوں ہے۔ فرمایا:

۱...... کسی بوڑھے...... بیمار...... عورت یا بچے کو قتل نہ کیا جائے۔

۲...... راہبوں اور گوشہ نشینوں کو تنگ نہ کیا جائے اور ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی جائے۔

۳...... مثلہ نہ کیا جائے (یعنی کسی کی آنکھ یا کان نہ کاٹا جائے)

۴...... سایہ دار اور پھل دار درخت نہ کاٹے جائیں۔ باغوں اور سبزوں کو تباہ نہ کیا

جائے۔

۵...... بستیوں کو ہرگز تباہ نہ کیا جائے۔

۶...... معاہدوں کا ہر حال میں پاس کیا جائے۔

۷...... اور جو لوگ اطاعت قبول کرلیں ان کی جان و مال کا پورا تحفظ کیا جائے اور انہیں مسلمانوں کی طرح پورے حقوق انسانی دیئے جائیں۔

جنگ کے ان مہذب اور شریفانہ اصولوں کو دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مؤمنانہ بصیرت اور دینی شرافت کا اندازہ لگا لیجئے۔ یہ سب حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت کی برکت تھی اور تعلیم نبوت کا اثر تھا۔

آپ طبعاً سخی اور فیاض تھے۔ غرباء اور مساکین کی اعانت آپ کی عادت تھی...... بہت کچھ کمایا لیکن سب کچھ خدا کی راہ میں لٹایا۔ بردبار...... حلیم...... لیکن دین اور حق کی راہ میں ساحل استوار اور کوہ برقرار تھے۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن

اپنے دورِ خلافت میں بیت المال میں مال جمع نہ ہونے دیا۔ بلکہ بیت المال کا تمام کا تمام مال مستحقین میں تقسیم کر دیا۔

شب بیدار تھے...... راتوں کو عبادت میں کھڑے رہتے...... چہرہ آنسوؤں سے تر رہتا...... رقیق القلب ہونے کے باوجود ہر مشکل اور نازک وقت میں رفاقت و خدمت نبوت کی ذمہ داریوں کو بطریق احسن ادا فرمایا۔ ہجرت میں...... غار میں...... بدر میں...... احد میں...... حنین میں سایہ کی طرح ہادئ اسلام کے ساتھ رہے اور فرماں داری...... جاں نثاری...... رفاقت و مؤدت کا اعلیٰ ترین معیار قائم فرمایا۔ بیت المال کا اثاثہ تقسیم کرتے وقت مرد...... عورت...... آزاد...... غلام چھوٹے اور بڑے سب سے

Marfat.com

یکساں سلوک فرمایا۔

آپ کی زندگی نہایت سادہ تھی۔آپ کے دور خلافت میں سادگی اور قناعت کا معیار اور بھی بلند ہوگیا۔آپ کا وظیفہ قوت لا یموت اور بنیادی انسانی ضرورت تک محدود تھا۔وفات سے قبل وصیت کی...... کہ میری فلاں زمین بیچ کر حاصل شدہ وظیفہ کی تمام رقم بیت المال میں جمع کرادی جائے۔جب یہ رقم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی......تو آپ رو دیئے......اور فرمایا:

ابوبکر تم اپنے جانشینوں کے لئے بے حد دشوار کام چھوڑ گئے ہو۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ڈھائی سالہ دور خلافت میں اسلام کو بڑا استحکام اور فروغ نصیب ہو۔داخلی اور خارجی فتنوں کا قلع قمع ہوگیا۔متنبیین کو شکست فاش ہوئی...... نظام زکوٰۃ پوری طرح کارفرما ہوگیا۔روم اور ایران دنیا کی دو سب سے بڑی سلطنتوں کو بیک وقت نیچا دکھایا۔لیکن اس سیاسی استحکام کے ساتھ مسلمانوں کی دینی تعلیم...... تبلیغ......تربیت اور تنظیم کا کام بھی جاری رہا۔

جنگ یمامہ میں جب بہت سے حفاظ شہید ہوگئے......تو اکابر صحابہ نے حضرت صدیق کو مشورہ دیا کہ قرآن کریم کو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد کردہ ترتیب کے مطابق ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جو مدنی سورتوں کی ترتیب و تدوین کا کام حضور علیہ السلام کی زیر ہدایت کر چکے تھے اس اہم کام پر مقرر کیا گیا۔انہوں نے یہ کام بطریق احسن انجام دیا اور قرآن حکیم حضور علیہ السلام کی ترتیب و ہدایت کے مطابق معرض وجود میں آیا۔یوں قرآن حکیم کی ابدی حفاظت کا کام مکمل ہوگیا۔اسی نسخہ کی نقول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں مختلف علاقوں میں ارسال فرمائیں۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بجا فرمایا...... کہ قرآن حکیم جمع کرنے کی وجہ سے ابوبکر بہترین اجر کے مستحق ہوئے۔

Marfat.com

دورِ جاہلیت میں بھی حضرت صدیق خوش اخلاق...... غمگسار اور پاکباز تھے۔ سخاوت...... شجاعت...... شرافت...... مروّت اور ذہانت کا ایسا حسین امتزاج فیضانِ رسالت کا شاہکار تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق جیسی عظیم اور حسین شخصیت معرضِ وجود میں آئی۔

؎ یوں حلقہ عشاق میں صدیق کا مقام
جیسے فلک پہ چاند، ستاروں کے درمیاں

Marfat.com

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

اور

سُنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ؟ [۱]

ذرہ آفتابِ عالم تاب کی درخشانیوں کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ قطرہ بحرِ بیکنار کی وسعتوں کا ادراک نہیں کرسکتا۔ میں بھی عظمت حسین کو کما حقہ بیان نہیں کرسکتا۔ میں اس مقام پر اپنی ناتوانی کا اعتراف کرتا ہوں۔ میں اِدعائے تقریر لے کر نہیں آیا بلکہ امام عالی مقام کی بارگاہ عالی میں عقیدت کے چند پھول پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنے کو حاضر ہوا ہوں۔

۱؎ البقرہ، ۲: ۱۵۵

Marfat.com

میری قسمت سے الٰہی پائیں یہ رنگِ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ان کے داماں کیلئے

میں کارکنانِ جلسہ کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اس اجتماع میں شمولیت کی دعوت دے کر اظہار عقیدت کا موقعہ دیا۔

میرے لئے موضوع مقرر ہوا ہے "امام حسین اور سنت رسول ﷺ" عنوانِ بیان کو دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی کیونکہ عطف مغائرت کو ظاہر کرتا ہے اور حسین تو عین پیکرِ سنت رسول ہے پھر یہ مغائرت کیسی؟۔ کیونکہ پھول کو پھول ثابت کرنے کے لئے دلائل کی ضرورت نہیں کہ اس کا رنگ و بو ہی خود دلیل ہے۔ اسوۂ حسین بھی اسوہ مصطفیٰ ﷺ ہی کی تشریح ہے۔ اگر قول و فعلِ نبوت کو پیکر بشری میں منتقل کر دیا جائے تو اس کا نام حسین بن جاتا ہے۔

داستانِ حُسن جب پھیلی تو لا محدود تھی
اور جب سمٹی تو تیرا نام ہو کر رہ گئی

علمائے علم الحیات اور نفسیات کے ہاں یہ مسئلہ زیر بحث رہا ہے کہ سیرت اور کردار پر نسل کا زیادہ اثر ہوتا ہے یا ماحول کا۔ ایک مدرسۂ فکر اس خیال کا حامی ہے کہ نسلی اثرات ضرور انسانی مزاج میں انجام کار اپنا اثر دکھاتے ہیں اور دوسرے گروہ کا یہ خیال ہے کہ جیسا ماحول ویسا کردار اور سب سے قوی اثر ماحول کی قوتوں کا ہوتا ہے۔ حضرت حسین کے کردار کی تشکیل میں یہ دونوں اثرات یکساں کارفرما ہے۔ ان کو نسلی اثرات ملے تو بے مثال اور ماحول نصیب ہوا تو لاجواب۔ ان کا خمیر خاتم النبیین ﷺ کے خمیر سے وجود پذیر ہوا اور ان کی تعلیم کا گہوارہ آغوشِ رسالت بنی۔ سیدہ بتول رضی اللہ عنہا کی آغوش عاطفت میں ان کے دل و دماغ کی تربیت ہوئی اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جو بابِ علوم نبوت اور پروردۂ آغوش رسالت ہیں...... ان کے معلم بنے۔ حضور

Marfat.com

علیہ السلام نے فرمایا:

حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْنٍ[۱]

کہ ''حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں''۔ اسی منیت اور یگانگت کی ترازو پر حضرت امام حسین کی شخصیت کو تول کر دیکھئے اور پھر ان کی عظمت کا اندازہ لگائیے۔ دیہات کی زمیندار مستورات جب مٹی کے برتن خریدتی ہیں تو آٹا رکھنے والے اور پانی یا اناج ڈالنے والے برتن کو معمولی دیکھ بھال کے بعد خرید لیتی ہیں۔ لیکن جب دودھ والے برتن کی باری آتی ہے تو اسے خاص اہتمام سے خوب دیکھ بھال کر خریدا جاتا ہے اور خیال رکھا جاتا ہے کہ مٹی بھی اچھی ہو۔ اچھے کاریگر کا تیار کردہ ہو۔ شکل وصورت بھی عمدہ ہو۔ اور پھر گھر کی مالکہ دودھ والے برتن کی صفائی اور دیکھ بھال بھی خود کرتی ہے۔ تاکہ کہیں دودھ خراب نہ ہو جائے۔ رات کو حفاظت سے سنبھال کر اپنی چارپائی کے نیچے رکھتی ہے کہ کہیں کوئی جانور دودھ کو ضائع نہ کر دے۔ جس برتن کی تعمیر اور حفاظت کا اہتمام اس درجہ کیا جائے۔ اس کے متعلق یقین ہوتا ہے کہ اس میں کوئی قیمتی چیز ڈالنی مقصود ہے ورنہ دوسرے تمام برتنوں سے زیادہ اس کی دیکھ بھال نہ ہوتی۔ اسی طرح امام حسین رضی اللہ عنہ کی تخلیق اور تربیت کے لئے قدرت نے جو خصوصی اہتمام کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدرت ایک فقید المثال اور یگانہ روزگار شخصیت تیار کرنا چاہتی تھی۔

اس شخصیت کو نگاہ رسالت نے کس انداز سے دیکھا اور اپنے ہاں کیا مقام دیا۔ اس پر نگاہ ڈال لیجئے۔ میرا یقین ہے کہ قلبِ رسالت کے عواطف محبت اور نفرت عام انسانوں کی طرح نہیں ہوتے۔ ہم تو اپنے جبلی تقاضوں کی بنا پر محبت اور نفرت کا فیصلہ کرتے ہیں لیکن نگاہِ رسالت، صلاحیت کی بنا پر ان جذبات کا تعین کرتی ہے۔ حضور

۱۔ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۹۰۳، جلد: ۳۵

علیہ السلام نے جب دوشِ رسالت پر حسین کو اٹھا اٹھا کر کائنات میں سر بلند کیا تو یہ صرف عام انسانی پدری محبت کی نمود نہ تھی بلکہ رسالت کی نگاہِ امتیاز کا اعلانِ عام تھا کہ یہ دنیا میں راکبِ دوش رسالت ہے تو عقبیٰ میں نوشۂ بزم شہادت ہے...... جنت کے جوانوں کا سردار ہے...... باطل کے مقابلہ میں یہی حق کا ساحلِ استوار ہے......اور یہی شہداء کا سرخیل اور گلشن صداقت کا گل سرسبد ہے۔ جس کو ہمیشہ رسالت کی آغوش محبت میں جگہ ملی...... جو آغوش رسالت میں پروان چڑھتا رہا اور زبان رسالت سے غذائے وحی حاصل کرتا رہا۔ دستِ رسالت نے جس کو سنوارا اور لبہائے نبوت نے جس کو محبت کے ساتھ چوما۔ حسین کی لغزش پا کو دیکھ کر خاتم المرسلین منبر سے اترے اور اس لیے حسین کو تھام لیا کہ حسین کی لغزش پا اُمت مسلمہ کی دائمی شکست تھی۔ ننھے سے حسین کو تھام تھام کر دست رسالت نے یہ تلقین کی کہ باطل کے مقابلہ میں کوہِ استوار بن کر جم جانا...... ڈٹ جانا...... کٹ جانا لیکن جھکنے کا نام نہ لینا کہ تیری لغزش پا اسلام کی موت ہے۔ چنانچہ وہی تعلیم تھی جس نے حسین کو دنیائے حق وصداقت کا ہیرو بنا دیا۔ اسی حسین نے کربلا کے میدان میں باطل کو وہ شکست فاش دی اور حق وصداقت کے علم کو کچھ اس طرح بلند کیا کہ دنیائے حریت قیامت تک حسین کے نام پر ناز کرتی رہے گی۔

فخر کا دل میں دریچہ باز کرنا چاہیے
جن کا تو آقا ہے ان کو ناز کرنا چاہیے

حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت عطا ہونے پر فرشتوں نے احتجاج کیا اور عبودیتِ کاملہ کو اپنے استحقاق خلافت کی دلیل کے طور پر پیش کیا اور یہ بھی کہا کہ انسان خون خرابہ کرے گا اور نادانی کا مرتکب بھی ہوگا۔ لیکن بارگاہ رب العزت سے جواب ملا۔

اِنِّیٓ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ [۱] جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔

۱۔ البقرہ، ۲: ۳۰

Marfat.com

کربلا کے ہنگامۂ خونیں کے وقت قدرت نے احتجاج کرنے والے فرشتوں کو انسانی عظمت اور کمال عبودیت کا منظر دکھایا ہوگا۔ بہتر (۷۲) لاشیں کٹی پڑی تھیں۔ جن میں دودھ پیتا بچہ بھی شامل تھا۔ زخمی اور پیاسا باپ اس مسلے ہوئے غنچۂ ناشگفتہ کی لاش کو آغوش میں لئے کھڑا ہے۔ سایہ دار جگہ نہیں کہ جہاں بچہ کے لاشہ کیلئے قبر کھودے، کدال پاس نہیں جس سے گڑھا کیا جائے۔ مجبوراً باپ انگلیوں سے تپتی ہوئی ریت میں ننھی سی قبر کھودتا ہے اور اپنے ننھے سے لختِ جگر کو اس قبر میں رکھ کر مٹی ڈال دیتا ہے اور اس کیفیت کا اندازہ تو کیجئے۔ میر انیس نے ایک شعر میں اس دردناک منظر کی تصویر کشی کی ہے:

؎ ننھی سی قبر کھود کے اصغر کو گاڑ کے
شبیر اٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کے

سب کچھ لٹا کر جب شبیر دامن کو جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اس عالم میں جب اپنے خدا کے سامنے سجدہ عبودیت ادا کیا تو فرشتوں کی دنیا میں کہرام مچ گیا اور سب نے پکار پکار کر اعلان اور اعتراف کیا اے پروردگار! واقعی انسان ہی حق عبودیت ادا کرسکتا ہے۔ حق محبت کی ادائیگی اسی کا مقام ہے اور یہی حقیقتاً تیری خلافت کے قابل ہے۔

کمال نبوت کی انتہا مصطفیٰ ﷺ تھے اور کمال شہادت کا آخری نقطہ حسین تھے۔ کربلا کی قربانی شخصی نہ تھی بلکہ اجتماعی تھی۔ یہاں تمام خانوادہ نبوت کو بلا استثناء باطل کے مقابلے کے لئے صف آراء کردیا گیا۔ حتی کہ شیر خوار علی اصغر بھی مستثنیٰ نہ رہے۔ ان کو بھی باپ کی آغوش محبت میں لیٹ کر جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ اپنی کم سنیت اور کیفیت کے لحاظ سے یہ قربانی ازازل تا ابد عدیم النظیر رہے گی۔

یہ سچ ہے کہ حسین اقلیم شہادت کا تاجدار ہے اور اوجِ خلافت کا دُرِ شہوار ہے۔

Marfat.com

شاہ است حسین پادشاہ است حسین
دین است حسین دینِ پناہ است حسین
سر داد نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

علامہ اقبال نے کربلا کے معرکہ حق و باطل کی حقیقت کو کیا اچھے طریقہ پر بیان کیا ہے:

؎ چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت
حریت را زہر اندر کام ریخت
خواست آں سِر جلوہ خیر الامم
چوں سحاب قبلہ باراں در قدم
بر زمین کربلا بارید و رفت!
لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
تا قیامت قطع استبداد کرد
موج خونِ او چمن ایجاد کرد

ایسا کیوں نہ ہوتا۔ حسین کی رگوں میں رسالت کا خون تھا۔ ان کی ذات موردِ آیۂ تطہیر تھی۔ ان کی فطرت کی نفاست...... باطل کی پرچھائیں بھی قبول نہ کرسکتی تھی۔ حق پرستی اور حق نیوشی کی وہ داستانِ رنگین جو خاندان رسالت کے خون رنگین سے حسین نے کربلا کی زمین پر لکھی...... انمٹ ہے۔ اور رہتی دنیا تک حریت پسندوں اور حق پرستوں کے لئے مشعل ہدایت بنی رہے گی۔

یہ وہ موت ہے جس کو موت کہنا گناہ ہے۔ اس موت کو حیات ابدی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کربلا کی شام غریباں کی اوٹ میں حسین نے اس سحرِ تاباں کی تعمیر کی۔

جو تا ابد ظلمتِ شب پر خندہ زن رہے گی۔ حسین خلافت کے نیر درخشاں ہیں...... حسین شہادت کے ماہ تاباں ہیں...... حسین طوفانِ حیات میں روشنی کا مینار ہیں...... جس کو دیکھ دیکھ کر لاکھوں سفینے طوفانوں سے بچ کر ساحل آشنا ہو گئے۔

غرضیکہ امام حسین از سر تا پا پیکرِ سنت رسول (ﷺ) ہیں۔ ان کی عبادت و ریاضت...... شجاعت و صداقت...... سب کچھ فطرتِ رسالت کا عکس جمیل ہے...... یہ قرآن کی زندہ تفسیر ہیں...... اور سنت رسول کی تابندہ تصویر ہیں۔

نطق جس کا زینتِ دین پیغمبر وہ حسین
تھا جو شرح مصطفیٰ تفسیرِ حیدر وہ حسین
جس نے رکھ لی نوع انسانی کی عزت وہ حسین
کٹ گیا لیکن نہ کی فاسق کی بیعت وہ حسین
لاکھ پہ بھاری ہوئے جس کے بہتر وہ حسین
تشنگی جس کی جواب موج کوثر وہ حسین
وہ کہ خونی غم کو سانچے میں خوشی کے ڈھال کر
مسکرایا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر
جو محافظ تھا خدا کے آخری پیغام کا
جس کی نبضوں میں مچلتا تھا لہو اسلام کا

دعا ہے ہم سب کو اللہ تعالیٰ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے اور ان کا اسوۂ حسنہ ہر وقت مشعل ہدایت بن کر ہمارے سامنے رہے آمین

Marfat.com

کربلا میں کون جیتا......کون ہارا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چشمِ فلک نے کیسی کیسی قاہرانہ قوتوں کی نمود دیکھی اور تاریخ کی سیج پر کیسے کیسے ظالم اور جابر کردار نمودار ہوئے۔ زرق برق لباس میں ملبوس کثیر لاؤلشکر ہمرکاب...... تختِ مرصع پر متمکن ...... کتنی نظر کش ان کی نمود تھی...... اور کتنی ہیبت ناک ان کی شخصیت تھی...... دولت ان کی کنیز تھی...... عزت وحشمت غلام بے دام تھی...... اور روندی ہوئی انسانیت ان کی حلقہ بگوش تھی۔

لیکن ہیبت وعظمت کے وہ مغرور پیکر کہاں گئے؟ ان کے وہ لاؤلشکر اور مرصع تاج وتخت کیا ہوئے؟ ایک افسانہ پارینہ یا ایک خواب سراب تھا کہ جلوہ دکھا کر گذر گیا۔ تاریخ کے دامن میں ان کے لئے کوئی پھول موجود نہیں کہ وہ اپنی زندگی میں انسانوں کے لئے کانٹے بو کر گئے تھے۔ انسان کے دل میں ان کے لئے کوئی مقام عزت موجود نہیں کہ وہ انسانیت کو ذلیل کرنے والے تھے۔ آہ!...... یہ ہے انجام، ان قائدینِ تخریب کا جو حق وباطل اور باقی اور فانی میں امتیاز نہ کر سکے۔ انہوں نے حال کی فانی مسرتوں کو مقصد حیات بنالیا اور حیات ابدی کے تقاضوں کو بھول گئے۔ آیئے! ان میں سے چند ایک کے حال دیکھئے کہ یہ سرمایۂ عبرت ہے۔

لیکن یہ داستان نامکمل رہے گی۔ جب تک کہ اس کا دوسرا پہلو بھی کھل کر سامنے نہ آجائے۔ یہاں آپ کو کچھ بے سروسامان...... لیکن باایمان افراد نظر آئیں گے، جو

Marfat.com

محبت مقصد کے نشہ میں سرشار ہیں۔ نہ تعداد پر غرّہ ہے اور نہ سامان پر ناز ہے ان کی متاعِ گرانمایہ صرف حق و صداقت کی بے پناہ محبت ہے۔ ان کی شکستہ کشتیاں بپھری ہوئی موجوں کا مذاق اڑاتی ہیں اور ان کی آبلہ پائی ......نوکِ خار کی تیزی پر مسکراتی ہے۔ فقر و فاقہ اور ظلم و جور کی کوئی رکاوٹ ان کا راستہ نہیں روک سکتی۔ وہ زخموں پر زخم کھاتے ہیں لیکن مسکرا مسکرا کر بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ عقیدت ان کے پاؤں چومتی ہے اور منزل خود بڑھ کر ان کا استقبال کرتی ہے۔ یہ جرعہ کشان بادۂ صداقت ......انسانیت کے محسن اور تہذیب و شرافت کے علمبردار ہیں۔ تاریخ کے صفحات ان کے تابناک تذکروں سے روشن ہیں اور کاروانِ حیات ان کے دم قدم سے رواں دواں ہے۔ یہی حاصلِ حیات ہیں ......یہی سرمایہ انسانیت ہیں......اور یہی امامانِ تہذیب ہیں۔ انسانیت کے دامن میں انہی کے لئے عقیدت کے پھول ہیں جو تا قیامت ان کے نقوش قدم پر نثار کرتی رہے گی

بہ آں گروہ کہ از بادہ وفا مستند
سلامِ ما برسانید ہر کجا ہستند

بابل کے مرصع تخت پر نمرود پورے کروفر سے متمکن ہے۔ ملک میں خوشحالی کا دور دورہ ہے۔ تجارت و زراعت کی فروانی ہے۔ زمین زرخیز ہے اور موسم معتدل ہے۔ خزانہ میں مال و منال کی کثرت ہے۔ فوجیں آراستہ اور مستعد ہیں۔ لیکن اس مادی خوش حالی کے ساتھ یہ کیا ہے؟......کہ انسان پتھروں کے خود ساختہ مجسموں کے سامنے سرنگوں ہے۔ وہ بلندی کی بجائے پستی کی طرف جا رہا ہے۔ انسانیت کی کتنی توہین ہے کہ وہ سنگ و خشت سے خائف و ترساں ہے۔ خالق کائنات نے تمام جسمانی اور تمدنی ضروریات کی تسکین کا تمام سامان بافراط مہیا کر رکھا ہے۔ لیکن انسان کی ناشکری اور بدبختی دیکھیئے ......کہ وہ اپنے خالق و مالک کو بھول کر خود فراموش

Marfat.com

ہو چکا ہے اور شجر و حجر کو اپنا معبود بنائے بیٹھا ہے۔

اس کاروانِ ضلالت کا سرکردہ نمرود ہے اور وہ نجوم و کواکب کی تابشوں کا پرستار ہے۔ اس تمام مملکت میں صرف ایک ہستی ہے جو خود شناس اور خدا شناس ہے اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات بابرکات ہے۔ ان کی خودی، فلک شگاف اور ان کی نگاہ، کمند مہر و ماہ ہے۔ انسانیت کی یہ تذلیل ان کے لئے سوہان روح ہے۔ وہ انسان کو خود آگاہ اور مہر و ماہ سے بلند دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کی نگاہ تیز مہر و ماہ پر تنقید کرتی ہے اور ان کی زوال پذیری کو دلیل بندگی بنا کر واضح کرتی ہے۔ وہ بے حس قوم کے دلوں میں احساس شعور پیدا کرنے کے لئے ان کے خود ساختہ بتوں کو داغدار بناتے ہیں اور باز پُرس ہونے پر کمال بے باکی سے فرماتے ہیں...... کہ جو بت اپنا تحفظ نہیں کر سکتے اور اپنے ناک...... کان نہیں بچا سکتے وہ تمہارے معبود اور محافظ کیسے بن سکتے ہیں۔ اس کا جواب دلیل سے نہیں بلکہ کج بحثی اور قوت سے دیا جاتا ہے اور ان کو گرفتار کر کے مادی ترقی لیکن روحانی پستی کے پیکر...... نمرود کے سامنے پیش کر دیا جاتا ہے۔ حضرت خلیل علیہ السلام بظاہر تنہا ہیں کوئی یار و مددگار نہیں ساری قوم مدمقابل ہے۔ حق و باطل اور ایمان و سامان کا معرکہ ہے۔ اس پیکر صداقت سے بتوں کی توہین کا بدلہ لینے کے لئے آگ کا بہت بڑا الاؤ روشن کیا جاتا ہے اور اس پیکر صداقت کو آگ میں جھونک دیا جاتا ہے۔

ے پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی
بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی

نار...... نور کیسے بن گئی! یہ میرا مقصود نہیں بلکہ میں تو یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ چھ ہزار سال کے طویل زمانے کے بعد آج اس واقعہ پر نظر ڈالیے اور تاریخ سے پوچھئے

Marfat.com

کہ بھڑکتے شعلوں نے کس کو جلا کر خاکستر کر دیا اور کس کو حیات ابدی کی نوید مل گئی۔ آج اسی آگ کے کنارے کھڑا ہوا، ابراہیم خلیل علیہ السلام فتح و کامرانی کے پھریرے اڑا رہا ہے اور صاحبِ تخت و تاج نمرود ایک کونے میں مجرم بنا ہوا کھڑا ہے اور آنسو بہا رہا ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

آیئے !...... تاریخ کا ایک اور ورق الٹے اور خیر و شر اور حق و باطل کی آویزش کا ایک اور خونیں منظر ملاحظہ کیجئے۔ ایک چھوٹا سا قافلہ ...... مختصر سے متاع سفر کے ساتھ ایک لق و دق صحرا میں جا رہا ہے۔ چند بچے اور مستورات بھی ساتھ ہیں۔ ظاہری کروفر کے فقدان کے باوجود قافلہ بھر میں ایک عجیب ملکوتی سا تقدس پایا جاتا ہے۔ قافلہ سالار کے چہرے سے انوارِ جمال کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ وقار و تمکنت ...... لگام پکڑے ہوئے ہے ...... تو شرافت و سیادت رکاب تھامے ہوئے ہے۔ ہمراہی ادب و احترام سے سر جھکائے ہوئے ہیں۔ اتنے میں سامنے سے گرد و غبار کا طوفان اٹھتا ہے، غبار چھٹتا ہے تو ایک عظیم لشکر آلاتِ حرب و ضرب سے آراستہ ...... کیل کانٹے سے لیس ...... اس مختصر سے کاروان بے سامان کا راستہ روک لیتا ہے اور پھر مکمل محاصرہ کر لیا جاتا ہے۔ قافلہ سالار حملہ آوروں کو کچھ خطوط دکھاتا ہے اور مشفقانہ انداز میں سمجھاتا ہے لیکن حملہ آور بہر حال برسرِ پیکار ہی رہتے ہیں۔ رودِ فرات قریب ہی ہے۔ قافلوں پر لشکری پانی بند کر دیتے ہیں۔ بچے پیاس سے بلکتے ہیں لیکن شقی القلب حملہ آوروں کے دل میں کوئی بھی جذبہ ترحم پیدا نہیں ہوتا۔

Marfat.com

وہ تو یہ اذیتیں دے کر قافلہ سالار سے اپنا کوئی مطالبہ منوانا چاہتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ گرمی کی شدت، پیاس کی کلفت اور محاصرہ کی سختی سے تنگ آ کر...... امیر قافلہ ان کا مطالبہ مان لے گا۔

کئی دن اسی عالم میں گزر جاتے ہیں، قافلہ والوں کے ننھے منے بچے...... بھوک اور پیاس سے بے تاب ہو کر تڑپتے ہیں۔ لیکن قافلہ سالار کوہِ وقار بنا اس عالم کرب و بلا میں ہزاروں حملہ آوروں کے سامنے یکہ و تنہا ڈٹا ہوا ہے، نہ اس کے چہرے پر بل ہے...... نہ گردن میں خم۔

''اذان اور نماز...... ذکر اور فکر کا اہتمام ہے اور اسی میں محویت ہے''۔

لشکر اعداء میں محفل ناؤ نوش اور بزم طرب کا اہتمام ہے اور قافلہ والوں کے ہر خیمہ سے تسبیح و تہلیل کی آواز آتی ہے اور ایک ملکوتی قسم کے انوار کی بارش ہوتی نظر آتی ہے۔

اب دیکھئے ایک شہسوار...... جرأت و شجاعت کا پیکر، کندھے پر مشکیزہ ڈالے، ہاتھ میں علم لیے...... ساحلِ دریا کی طرف جا رہا ہے۔ فوجیں راستہ روکے کھڑی ہیں لیکن وہ تن تنہا لڑتا بھڑتا آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ لیجئے! وہ ساحل دریا تک پہنچ گیا...... اور مشکیزہ پانی بھر لیا۔ وہ زخموں سے نڈھال اور شدت عطش سے بے قرار ہے۔ پانی کے کنارے پر کھڑا ہے۔ لیکن پانی منہ میں نہیں ڈالتا کہ جب تک قافلہ سالار دشت کربلا اور ننھے منے بچے اور مستورات پانی نہ پی لیں، خود پانی پینا شان مردانگی نہیں۔

آفریں باد ! بریں ہمت مردانہ تو

اس شہسوار کا نام عباس علمدار ہے۔ دیکھو!...... فوج اعداء اس پر ٹوٹ پڑھی۔ گھمسان کا رن پڑا ہوا ہے۔ وہ اکیلا پروں کے پرے صاف کر رہا ہے۔ خود بھی

Marfat.com

لہولہان ہے اور خون کی ندیاں بھی بہا رہا ہے۔اس کی انتہائی کوشش ہے کہ کسی نہ کسی طرح پانی کا مشکیزہ بچا کر خیموں تک پہنچ جائے ...... اس کا دایاں ہاتھ کٹ گیا۔لیکن وہ بائیں ہاتھ میں مشکیزہ تھامے ہے۔اب بایاں ہاتھ بھی کٹ چکا ہے۔لیکن وہ دانتوں سے مشکیزہ تھامے بڑھ رہا ہے۔اب مشکیزہ میں ایک تیر آ کے لگا ہے اور اس کا پانی بہہ نکلا ہے۔نوجوان غازی نگاہِ حسرت سے خالی مشکیزے اور پھر خیموں کی طرف نگاہ ڈالتا ہوا گر جاتا ہے۔یہ شرافت اور شجاعت کا وہ محیر العقول واقعہ ہے جس کو تاریخ انسانیت کبھی بھلا نہ سکے گی۔لشکرِ اعداء کا نام ونشان تک مٹ چکا ہے،لیکن عباس علمدار کا علم آج بھی لہرا لہرا کر دنیا کو شجاعت اور وفا کا درس دے رہا ہے۔

اسی میدان میں دیکھیے ایک نوجوان کس جرأت وہمت سے بڑھ رہا ہے۔عزم و شجاعت کا مجسمہ ...... نجابت وشرافت کا مرقع ...... نہ اپنی قلت کا ڈر ...... نہ دشمن کی کثرت سے خائف ...... محبت مقصد کے نشہ میں سرشار ...... مردانہ وار مبارز طلبی کرتا ہے بظاہر بھوک و پیاس سے نڈھال ہے۔لیکن نگاہوں سے مصطفیٰ کا جمال اور جبیں سے مرتضیٰ کا جلال آشکار ہے۔وہ زخموں پر زخم کھا رہا ہے۔لیکن موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرا رہا ہے۔وہ عالمِ نزع میں ہے اور اس کا مقدس باپ اپنے لختِ جگر کے پیکرِ صد چاک کو آغوش میں لئے پوچھ رہا ہے کہ جان پدر!...... تو نے موت کو کیسا پایا...... تو بیٹا مسکرا کر جواب دیتا ہے کہ ابا جان!...... میں اس موت کو شہد سے بھی شیریں پا رہا ہوں۔اب پیاس مٹ گئی کہ رسالت مآب ہاتھ میں جام کوثر لیے مجھے بلا رہے ہیں۔یہ ہم شبیہِ مصطفیٰ،نورِ نگاہ مرتضیٰ اور شہزادہ والا جاہ سیدنا علی اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔

اب اسی کارزارِ بے آب وگیاہ میں کشتوں کے پشتوں کے درمیان کھڑا ہوا ...... جلتے ہوئے خیموں کی طرف پشت کیے زخموں سے چور...... لیکن مستی محبت میں سرشار

Marfat.com

ایک عاشق زار قبلہ رو کھڑا ہے۔ جن وملائک اس کی اس ادائے عبودیت کو حیرت و استعجاب سے دیکھ رہے ہیں۔ یہ تربیتِ نبوت کا شاہکار ہے۔ یہ روح اسلام کا آئینہ دار ہے۔ اس کے خونِ رنگیں کے چھینٹوں سے گلشن شرافت پر بہار ہے اور اس کی ہمت مردانہ پر بقائے حریت کا دارومدار ہے۔ یہ وہ پروانہ ہے جو حسن بے نیاز کی ہر فرمائش اور ہر ادا پہ نثار ہے اور وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ [۱] کی تفسیر اپنے خون مشکبو سے کربلا کی تپتی ہوئی ریت پر کچھ اس طرح رقم کر رہا ہے کہ حوادثاتِ روزگار اس کو تا قیامت مٹا نہیں سکتے۔ اس امتحان گاہِ صبر و رضا میں حضرت امام عالی مقام نے شتر کے بجائے برادر کی قربانی پیش کی اور گوسفند کے بجائے دل بند کو حق کی راہ میں قربان کر دیا۔

متاعِ حیات کی وہ کون سی جنس گراں مایہ ہے جو کہ کربلا میں محبت کی بھینٹ نہ چڑھا دی گئی ہو اور غم والم کی وہ کون سی آزمائش ہے جس میں کامیابی سے پورا نہ اُترا گیا ہو۔ قربانی کا یہ مقام ترقی کی انتہا ہے...... شہادت کا یہ انداز صداقت کی انتہا ہے اور موت کا یہ اسلوب حیات ابدی کا حامل ہے۔

اسی جاں فروشی کے صلہ میں بارگاہ حسن سے عشق صادق کو وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ کا انعام ملا اور بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ کی خلعتِ فاخرہ نصیب ہوئی ہے۔ بچے ذبح ہو گئے، خیمے جل گئے، لاشے بے گوروکفن پامال ہوتے رہے، مخدراتِ عفت مآب اسیرِ سلاسل ہو گئیں۔

غرضیکہ ظلم وجور کی انتہا ہو گئی لیکن صبر و وفا نے بھی ریگزارِ کربلا پر اپنے خون

---

[۱] البقرہ

Marfat.com

رنگین سے وہ گل بُوٹے تراشے کہ رہتی دنیا تک انسانیت اس خاک پر عقیدت کے پھول اور نیاز کے دُرہائے شاہوار نچھاور کرتی رہے گی۔

شمر اور زیاد کا مال اور یزید کی شوکتِ شاہانہ کا حال دنیا دیکھ چکی۔ آج یہ نام صفحاتِ تاریخ پر حرفِ غلط کی طرح موجود ہیں۔ لیکن حضرت امام حسین اور ان کے وفا شعار رفقاء کے تذکار حرزِ جان ہیں اور جانِ ایمان ہیں اور دلوں کی دھڑکنوں میں محفوظ ہیں۔

o...... آج تاریخ سے پوچھئے کہ کربلا میں کون جیتا اور کون ہارا؟

o...... کسے ابدی موت ملی اور کس نے حیات جاوداں پائی؟

ہمارے سلام ہوں، ان پیکرانِ صبر و رضا پر...... اور ان سرمستان بادۂ وفا پر کہ جنہوں نے فانی پر باقی کو اور دنیا پر دین کو ترجیح دی اور بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ کے امتیاز سے سرفراز ہوئے۔

اے حسین ابن علی تم پر سلام
نازشِ آلِ نبی تم پر سلام
تم پہ لاکھوں رحمتیں، لاکھوں سلام
اے شہیدانِ محبت کے امام
لالہ گوں ، لالہ بدن ، لالہ کفن
اے چمن اندر چمن اندر چمن
زندگی ہی زندگی تیری حیات
اے حیات اندر حیات اندر حیات
افتخارِ ملتِ بیضا ہے تو
رب کعبہ کی قسم یکتا ہے تو

Marfat.com

جذب وجنوں

خرد فریبِ زندگی ، جنوں شعورِ زندگی
یہ راز دار زندگی ، وہ محوِ جستجو ابھی

(حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ)

سنگِ حوادثات سے ڈر نہ سکا سرِ جنوں
لاکھ جتن کئے تھے گو عقل بہانہ ساز نے

خرد تو کوئے طلب کے غبار میں گم ہے
جنوں مشاہدۂ حسنِ یار میں گم ہے

خزینۂ لازوال حکمت ہیں تیرے مکتوب اے مجدد
لکھے ہیں قرطاسِ علم پر کلکِ شوق سے شاہکار تو نے

(حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

تصوف کا اجمالی تعارف

سطور ذیل میں تصوف کا تاریخی اور لسانی پس منظر بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ تصوف کے سطحی اور اجمالی تعارف پر ہی اکتفا پیش نظر ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی [۱]

ترجمہ: تحقیق کامیاب ہوا جس نے تزکیہ کرلیا۔

تصوف کا مقصد تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن ہے۔ حدیث میں اس کو احسان کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ یہ اصطلاح، اسلام میں قدیم بھی ہے اور اہم بھی۔ اس لفظ کے ساتھ تزکیہ نفس...... اصلاح باطن...... حسن اخلاق...... خدمت خلق...... ضبط نفس...... زہد و ریاضت...... ذوق و شوق...... تعلیم اسلام...... اور تبلیغ دین کا خاص تعلق رہا ہے۔

صاحب رسالہ (قشیریہ) نے تصوف کی تعریف میں فرمایا:

اَلتَّصَوُّفُ هُوَ عِلْمٌ تُعْرَفُ بِهٖ اَحْوَالُ تَزْكِيَّةِ النُّفُوْسِ وَ تَصْفِيَّةِ الْاَخْلَاقِ وَ تَعْمِيْرِ الظَّاهِرِ وَ الْبَاطِنِ لِنَيْلِ السَّعَادَةِ الْاَبَدِيَّةِ

ترجمہ: تصوف وہ علم ہے جس کے ذریعے نفس کو پاک کرنے اور اخلاق کو درست کرنے اور ظاہر و باطن کی صفائی کے احوال کا علم حاصل ہوتا ہے تاکہ سعادت ابدی

۱۔ الاعلیٰ، ۸۷:۱۴

حاصل ہو سکے۔

تصوف کے خلاف ایک بڑی غلط فہمی یہ پھیلائی جاتی ہے کہ تصوف کی بنیاد ایسے عناصر پر ہے جو اجنبی تمدنوں سے اسلام میں داخل ہوئے ...... حالانکہ تصوف کتاب و سنت کے بنیادی سر چشموں سے ماخوذ، راہِ معرفت و محبت ہے۔

تصوف کے تمام سلاسل کا مقصود ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ اور اس کی رضا ہے۔

تمام صوفیائے کرام نے اپنے مقالات، ملفوظات، مکتوبات اور اپنی تصنیفات و تالیفات میں اسی حقیقت کو اجاگر کیا ہے۔ تصوف کی اصل حضور ختمی مرتبت علیہ التحیۃ والثناء ...... صحابہ کرام ...... اہل بیت عظام ...... اور تابعین علیہم الرحمۃ والرضوان کے عہد میں موجود تھی اور اسی اصل و اساس پر بعد کے صوفیہ نے اس مسلک کو برقرار رکھا۔

اسلامی تاریخ اس امر پر گواہ ہے کہ جب اسلامی فتوحات کا سلسلہ ختم ہو گیا اور خلفاء و سلاطین کے ضعف و فتور کی وجہ سے اشاعتِ دین اسلام کے لئے جہاد کا جذبہ مفقود ہو گیا تو صوفیاء نے اشاعت اسلام کا بیڑا اٹھایا۔ خاص کر مشائخ نقشبندیہ اور چشتیہ اور قادریہ نے جزائر (شرق الہند) کی قوموں میں اشاعت اسلام کے لئے روحانی تصرفات اور اپنے کردار کی خصوصیات کے ذریعے جو اقدامات کئے ان کے اثرات سلاطین و مجاہدین کی جنگی فتوحات سے کہیں زیادہ مؤثر اور دیرپا ثابت ہوئے ...... علامہ اقبال نے بھی اعتراف کے طور پر یہی کہا ہے

؎ نہیں فقر و سلطنت میں کچھ امتیاز ایسا
وہ سپاہ کی تیغ بازی، یہ نگاہ کی تیغ بازی

قال سے حال تک

دراصل تصوف کا نظام مذہب کی ظاہری رسوم و قیود کی سطحی پیروی اور اسی پر

Marfat.com

انحصار، ان سے نجات کے لئے ...... ایک مجتہدانہ ردعمل تھا۔ اہل تصوف نے حال کو قال پر ترجیح کا نعرہ بلند کیا۔ عبادت میں کیفیت کو لازم قرار دیا۔ رسوم ظاہری میں ذوق باطنی کی حلاوت کی طرف توجہ دی۔ غرض کہ مذہب کو ایک سطحی مجموعہ رسوم بنادینے کی مخالفت اور اس کو ایک نفسیاتی اور روحانی تجربہ بنانے کی اہمیت پر زور دیا۔

انسانوں کا ذوقِ تجسس ...... محض شنید پر قناعت نہیں کرتا۔ علمی طور پر شنید ...... دید کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ سننے کا مقام اور، ذاتی مشاہدہ کا مقام اور ہے۔ ہزارہا عقلی دلائل بھی ...... ذاتی تجربہ کی نفسیاتی اہمیت کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ آپ ہزار مرتبہ سن لیں کہ پانی ٹھنڈا ہوتا ہے لیکن پینے کے بغیر پیاس تو نہیں بجھتی۔ آپ کھانڈ کی مٹھاس پر کتابوں کی کتابیں پڑھ لیں لیکن اسے چکھے بغیر آپ اس کی لذت کا صحیح اندازہ نہیں کرسکتے۔ حقائقِ مذہب کا بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ خداوند کریم کے قرب و معیت، عالم ارواح کی حقیقت، حیات بعد الممات اور کشف والہام وغیرہ کے متعلق ذاتی تجربے کے بغیر یقین کامل کا مقام حاصل نہیں ہوتا ...... پس ان حقائق کے متعلق قال کو حال تک لے جانا ہی تصوف کا اہم کام ہے۔ یہ کام بڑا کٹھن اور صبر آزما ہے لیکن اس کا نتیجہ بھی بے حد اہم اور قیمتی ہے ...... مردانِ کار، ذوق وطلب کی ان طویل وادیوں میں آبلہ پائی کے باوجود شیخ طریقت کی رہنمائی میں جادہ پیمائی کرتے رہتے ہیں، حتی کہ وہ کوئے جاناں تک جا ہی پہنچتے ہیں اور مقصود کو پا ہی لیتے ہیں۔

قال را بگذار مردِ حال شو
پیش مرد کاملے پامال شو

(مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ)

سائنس اور تصوف

مادی فلسفہ حیات ...... زندگی کی مادی توجیہ کرتا ہے۔ وہ صرف بذریعہ حواس

Marfat.com

ظاہری معلوم تجربات کا ہی قائل ہوتا ہے۔ سائنس نے زندگی کے اسی نظریے کو اپنایا اور اس پر اپنے تمام تجربات کا انحصار کیا۔

سائنس کا کام کیونکہ معین قسم کے نتائج پیدا کرنا ہوتا ہے اور زندگی کے لئے عملی سہولتوں کا حصول ہوتا ہے۔ اس لئے سائنس کو زندگی کا وہی تصور راس آتا ہے جس میں زندگی جامد رنگ میں سامنے آئے اور تجربہ وترکیب کا معروض بن سکے۔

لطافت اور حرکت کے اجزاء سائنس کی زد میں آتے بھی نہیں اور وہ اسے لانا بھی نہیں چاہتی۔ چنانچہ زندگی میں حسن اور مقصدیت کا تصور سائنس کی زد سے باہر ہے، بلکہ سائنس کے تصورِ جمود کے خلاف ہے۔ اس لئے سائنس کا نظریہ علم بھی سراسر مادی اور سطحی قسم کا ہے۔ محسوس کو ہی موجود سمجھنا سائنس کا شیوہ ہے۔ سائنس کی بعض کامیابیوں اور مفید ایجادات نے عام عقل کو ایسا متاثر کیا ہے کہ اس نے سائنس کے فتوے کو ہی سب کچھ سمجھ لیا۔ اس لئے کشف والہام اور ذوق ووجدان کا انکار کر دیا اور ان تجربات کے متعلق ایک استہزاء آلودہ شیوہ اختیار کر لیا۔ اہل تصوف نے باطنی ذریعہ علم کو زندہ رکھنے ...... اس کے ذریعے حاصل شدہ نتائج کو حاصل کرنے اور منوانے، مقصد حیات ...... حسن حیات ...... اور وجدانی اذواق کا ذاتی ادراک کرنے پر خاصی توجہ دی اور یوں ایک بہت اہم ...... لازمی اور بالاتر ذریعہ علم کو زندہ رکھا اور اس کے تقدس کو منوایا۔

تصوف نے عبد کو معبود اور بندے کو خدا کے رنگ میں رنگنے کا بیڑا اٹھایا تاکہ انسان اپنی ممکن بلندیوں کو پالے اور انسانی روح اپنے مقام کمال تک جا پہنچے۔ روح کو جسم پر مقدم رکھنے ...... آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے ...... باقی کو عارضی پر غالب رکھنے کی تعلیم اور تلقین سے انسان ملکوتی الصفات بنتا گیا اور ایسے سلیم الطبع اور صحیح الذوق

Marfat.com

اجزاء کے اجتماع ہی سے ایسا صالح معاشرہ وجود پذیر ہوسکتا ہے جو ضامنِ امن اور کفیلِ ارتقاء ہے۔ جسم وروح اور ظاہر وباطن میں یہ ہم آہنگی...... ظاہر کو باطن اور جبلتِ حیوانی کو محبت ذاتی کے ماتحت رکھنے ہی سے ممکن ہے۔ پس تصوف ہی تحسین وتکمیل ذات انسانی کا ذریعہ ہے اور اسی ذریعہ سے انسان مقصودِ حیات کو پا سکتا ہے اور اس سچی خوشی کو حاصل کرسکتا ہے جو ثمرۂ معرفت ہے۔

من کی دنیا

اہل تصوف نے (بطور مقصود کے نہیں بلکہ بطور دلیل کے) باطنی قویٰ کو ترقی دے کر باطنی حواس کی دلیل مہیا کی تا کہ انسان صرف ظاہری حواس ہی میں محصور ہو کر نہ رہ جائے، بلکہ حصول علم کے لئے اس کے علم میں باطنی حواس کی شرکت سے بے پناہ اضافہ ہوسکے اور مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد

؎ نطق آب و نطق باد و نطق گل
ہست محسوس حواس اہل دل

کا مفہوم واضح ہوسکے۔

نیز اہل تصوف نے ذات مطلق سے صحیح رابطہ کے بعد روح انسانی میں جو غیر معمولی قوتیں پیدا ہوجاتی ہیں...... ان کا اظہار فرما کر قلوب کو اس باطنی انعام کے حصول کی طرف توجہ دلوائی اور یوں حواس اور عقل کے ذرائع کے ساتھ ساتھ انسان کو حواس باطنی کے ذریعے عالم باطنی کی سیر کی طرف مائل ومتوجہ کیا۔ جس کی سیر عالم ظاہر سے بدرجہا زیادہ پُراز معلومات اور حسین وجمیل ہے اور بقول بیدل

؎ ستم است گر ہوست کشد کہ بہ سیر سرو سمن در آ
تو ز غنچہ کم نہ دمیدہ در دل کشا بہ چمن در آ

Marfat.com

اور تصوف نے ہی اس من کی دنیا کی طرف قلوب کو مائل کیا جو اقبال کی زبان میں غیر فانی اور مستقل ہے۔

ے من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

من کی دولت......قلبِ رسا اور دل بینا کا نام ہے اور علم تصوف کا یہی پیغام ہے

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں
عقل گو آستاں سے دور نہیں
لیکن اس کی تقدیر میں حضور نہیں
علم میں بھی سرور ہے لیکن
یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں

(علامہ اقبال)

بندہ نے بھی من اور تن کی دنیا کا فرق یوں واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

من کی دنیا سرور کی دنیا
تن کی دنیا غرور کی دنیا
من کی دنیا تمام قرب و وصال
تن کی دنیا ہے دور کی دنیا
تن کی دنیا شنید کی دنیا
اور هَل مِنۡ مَزِید کی دنیا
من کی دنیا شہید نور جمال
من کی دنیا ہے دید کی دنیا

(ارمغان فیض)

Marfat.com

گوش سے آغوش تک

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالَّذِیۡنَ جَاهَدُوۡا فِیۡنَا لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا ۱؎

تاریخ انسانی کے ہر دور میں اور دنیا کے ہر خطے میں کچھ ایسے افراد ہمیشہ پیدا ہوتے رہے، جو عام سطح شعور سے بلند تر ...... اور عام انسانی سطح احساس سے عمیق تر ...... شعور و احساس کے حامل ہوتے رہے۔ انہوں نے عام انسانی تجربہ پر اکتفا نہ کیا ...... بلکہ ان کی روح بے تاب ہمیشہ حدود نا آشنا رہی ...... زمان و مکاں کی پہنائیاں ان کے لئے ہمیشہ تنگ ثابت ہوئیں ...... اور انہوں نے ہمیشہ حجابات زمان و مکاں کو اٹھا کر حسن مستور کو بے حجاب دیکھنے کی کوشش کی۔ وہ فانی اور تغیر پذیر مناظر پر مطمئن نہ ہو سکے اور وہ ہمیشہ ثابت ...... قائم ...... اور باقی کی تلاش میں منہمک رہے۔

یہ اس گروہ کی بات ہے ...... جس نے اپنی ذاتی سعی و عمل اور طلب و جستجو سے شاہد حقیقی کو پانے کی کوشش کی ...... حسن مستور نے خود اپنی جلوہ فرمائی اور حسن عالم آشوب کی خودنمائی کا جو اہتمام ...... وحی و نبوت کے ذریعے کیا ہے۔ وہ میرے دائرہ بیان سے ماوراء ہے کہ وہ طلب و جستجو کا نتیجہ نہیں ...... بلکہ ذات مطلق کی اپنی ذاتی حکمت و عنایت کا معاملہ ہے۔ نبوت کا منصب طلب کا نتیجہ نہیں ...... بلکہ عنایت کا معاملہ ہے۔ یہ سند فضیلت نہیں کہ مطالعہ اور محنت سے حاصل کی جائے ...... بلکہ یہ منصب اور عہدہ ہے جو ضرورتاً اور مصلحتاً ذات باری تعالیٰ کی طرف سے اپنے منتخب

۱؎ العنکبوت، ۲۹: ۶۹

بندوں کو عطا کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں اپنی حکمت وہی جانتا ہے۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ا؎

اور اس معاملہ میں اصطفاء وانتخاب بھی اسی کی حکمت بالغہ پر منحصر ہوتا ہے۔ (ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ) میرا دائرہ بیان صرف ان بندگانِ خاص کی طلب وجستجو اور سعی وعمل کے تعارف تک محدود ہوگا۔ جنہوں نے حواس ظاہری اور ان کے معروض عالم ظاہر سے گزر کر...... حواس باطنی اور ان کے معروض عالم باطنی کی یافت کے لئے کوشش کی اور محسوس سے غیر محسوس اور مجازی سے حقیقی کی طرف رجوع کیا۔

رومی اور اقبال

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اصل سے فصل کو ہی علتِ اضطراب قرار دیا اور اصل سے وصل کو ہی حقیقی اطمینان اور سچی مسرت کا مصداق سمجھا۔

بشنو! از نے چوں حکایت میکند
و ز جدائی ہا شکایت میکند
ہر کرا کہ دور ماند از اصل خویش
باز جوید روزگار وصل خویش

حضرت اقبال کی جستجوئے مضطرب بھی عالم رنگ وبو پر قناعت نہ کر سکی...... اور کسی وادی سدا بہار کے حصول میں کوشاں رہی۔ یہ ڈوبنے والے ستارے اور مرجھانے والے پھول...... حسن قائم ودائم کے متوالوں کو مطمئن نہ کر سکے اور کہنا ہی پڑا۔

ا؎ الانعام ۶: ۱۲۴

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں
یہاں سینکڑوں کارواں اور بھی ہیں
قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر !!
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

یہ دنیائے ماورائے حواس...... یہ خزاں نا آشنا عالم رنگ و بو...... یہ کائنات حسن سرمدی...... ہمیشہ سے طالبان حقیقت کی جستجو کا مرکز و محور رہی۔ طولِ سفر اور مشکلات راہ کے باوجود...... ہمیشہ کچھ نہ کچھ محو مقصد...... مردانِ کار اس راہ میں گامزن رہے۔ اور دنیائے ظاہر کے فریب خوردہ اور کم ہمت مکینوں کو اس عالم باطن کی پر بہار وادیوں کی دل فریبیوں کی کیفیات سے آگاہ کرتے رہے اور ان پستی کے مکینوں کو بھی رفعت کی وادیوں کی طرف محو پرواز ہونے کی دعوت دیتے رہے۔ خود مست فرزانوں نے ان خدا مست دیوانوں کا مذاق بھی اڑایا۔ محسوس کے پرستاروں نے دنیائے غیر محسوس کے ان دانشوروں سے کٹ حجتی بھی کی۔ لیکن یہ دھن کے پکے ہمیشہ رفعت کی منزلیں طے کرتے رہے اور بلندیوں سے پستی کے ان مکینوں کو محبت اور نجات کی نوید سناتے رہے۔ رنگ ونسب، وقت اور فاصلہ کے اختلافات کے باوجود ان سیاحانِ عالم بالا کے مشاہدات اور تجربات میں ایک حد تک یکسانیت اور مشابہت ہمیشہ موجود رہی اور یہ یکسانیت اور مطابقت اس بات کی شہادت دیتی رہی کہ حقیقت شناسی ایک امر واقعی ہے اور اندازِ دید میں اختلاف کے باوجود منظر کی کیفیت میں اتحاد و اتفاق...... دلیلِ صداقت ہے۔

Marfat.com

حسنِ مستور سے محبت کا عالمگیر جذبہ

حسن مستور سے محبت کا یہ جذبہ...... نوع انسان کی مشترکہ متاع ہے...... عریاں سے گزر کر پنہاں کی تلاش...... فطرت انسانی کا ایک قوی تقاضا ہے۔ مذہب سے والہانہ لگاؤ اس تقاضا کی دلیل ہے۔ ہاں بعض افراد میں یہ تقاضا انتہائی طور پر ترقی یافتہ ہوتا ہے اور وہ اپنی تمام مساعی کو اسی طلب و جستجو پر مرکوز کر دیتے ہیں۔ وہ متلاشیانِ حق و صداقت کے سالار کارواں ہوتے ہیں اور عالم زماں میں عالم لازماں کے نقیب ہوتے ہیں اور دنیائے اضطراب میں اطمینان کے اور جہان فانی میں حسن باقی کے قاصد ہوتے ہیں۔ اگر طلب و جستجو میں عقل و ادراک کا پہلو غالب ہو تو حکماء اور فلسفی وجود پذیر ہوتے ہیں...... اگر طلب و جستجو...... اطاعت اور انقیاد کا رنگ اختیار کرے تو زہاد کا زمرہ بن جاتا ہے اور اگر عشق و سرمستی کا پہلو غالب ہو تو عظیم فن کار معرض وجود میں آتے ہیں...... اور اگر مناسب انداز میں یہ تینوں پہلو بعض لوگوں میں موجود ہوں۔ تو صوفیاء اور عرفاء کا طبقہ بن جاتا ہے۔ بہر حال وسائل کے اختلاف کے باوجود منزل ایک ہی ہوتی ہے۔ فلسفی اور فن کار حریم ناز کے دروازے پر رک جاتے ہیں۔ لیکن صوفیاء باریابِ حریم خاص ہو جاتے ہیں اور ان کی جستجو کامیاب اور ان کی سعی مشکور ہو جاتی ہے۔

بو علی اندر غبارِ ناقہ گم
دستِ رومی پردہ محمل گرفت

عرفاء کی شہادت یقین انگیز ہے

عظیم موجد اور محقق...... کائنات کے متعلق جب کچھ نئے حقائق پیش کرتے ہیں

Marfat.com

تو گو وہ حقائق ہمارے لئے نئے اور نامانوس ہوتے ہیں اور ہمارے فہم وفکر سے بظاہر ماورا ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہم انہیں ان محققین کی علمی عظمت ...... مسلسل محنت اور دوسرے ہمعصر اور ہم مرتبہ علماء کی تائید کے پیش نظر ...... من وعن قبول کر لیتے ہیں۔ ثانیاً یوں سمجھئے کہ جب کوئی عظیم اور جواں ہمت سیاح ...... جان جوکھوں میں ڈال کر طویل سفر کی زحمتوں کو برداشت کر کے کوئی نئی دنیا دریافت کرتا ہے۔ تو ہم صرف اسی بنا پر اس کی دریافت کے وجود کا انکار نہیں کر دیتے کہ ہماری وہاں تک رسائی نہیں ہو سکی۔ یا ہم یہ مطالبہ نہیں کرتے کہ پہلے ہمیں بھی بذات خود اس نئی دنیا کا مشاہدہ کرا دو تو پھر ہم اس کے وجود کو تسلیم کر لیں گے۔ ہم ایسا اس لئے نہیں کرتے کیونکہ ہمیں علم ہے کہ اتنے دشوار اور طویل سفر کی زحمتوں کو برداشت کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ وہ کوئی کوئی جواں ہمت ...... مرد کار رہوتا ہے جو علمی جستجو میں ...... طویل اور صبر آزما مشکلات کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اور نئے نئے اکتشافات سے نوع انسانی کو بہرہ مند کر پاتا ہے۔ پس اسی طرح آپ کو ان سیاحان عالم بالا ...... اور ان متلاشیانِ حق تعالیٰ کے اکتشافات اور مشاہدات کا محض اس بنا پر انکار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ آپ ان مشاہدات سے محروم ہیں۔ یہ بڑی جان جوکھوں کا کام ہے۔ عمریں اس حسن مستور کی تلاش میں گزر جاتی ہیں۔ تب کہیں جا کر زمان ومکاں کے ہزاروں پردوں میں نہاں اس جان جہاں کے حسن عالم آشوب کی ایک جھلک نظر آتی ہے اور عاشقانِ باصفا اور زائرین حسنِ کبریا کے نزدیک وہ ایک تجلی ہی حاصل حیات ہوتی ہے اور اس سے ہی وہ سب سے کچھ پا لیتے ہیں۔ جس کے بعد انہیں کسی اور چیز کے پانے کی تمنا باقی نہیں رہتی۔

ایک اشارہ ایک تبسم ایک نگاہ بندہ نواز
اس سے زیادہ اے غم جاناں دل کی قیمت کیا کہیئے

روحانی شعور پر تنقید سے پہلے تزکیہ باطن چاہئے

ان طالبان طریقت اوران عارفان حقیقت کے ادعائے وصال و دید جمال پر تنقید و تنکیر دلیل و برہان سے ممکن نہیں۔ لہذا ان باطنی کیفیات سے تعارف کے لئے ایک حد تک تطہیر قلبی اور جلائے باطنی ضروری ہے کہ یہ معاملہ تجزیہ...... ترکیب اور کمیت کا نہیں...... بلکہ تصفیہ...... احساس اور کیفیت کا ہے اور وجدانی معرفت کا ہے۔ یا تو آپ کو وجدانی سطح شعور تک ابھرنا ہوگا اور یا محض اس بے ریا اور باخدا گروہ کے ادعائے معرفت کا ان کی ذاتی صداقت کی بنا پر یقین کرنا ہوگا لیکن گو بات وجدان اور عرفان ہی کی ہو۔ زبان و بیان کے بغیر چارہ بھی نہیں ہوتا کہ تفکر بغیر الفاظ و کنایات کے ممکن ہی نہیں۔ باطنی سرمستی کو بھی جام و مینا کے الفاظ ہی سے معنون کرنا پڑے گا۔

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

اس لئے عرفان کی باتیں جب زبان تک آئیں گی...... تو ایک حد تک فلسفہ اور حکمت بن جائیں گی۔ لازمان ولامکاں کے معاملہ کو...... عقل محدود...... زمان و مکاں تک لائی...... تو پھر یہ کیفیت بیان بن کر زبان پر آئی۔ اس سے بات الجھے یا سلجھے یہ ضرور ہوا کہ خلوت کے راز جلوت میں پہنچے اور حسن پاکباز کا بیان خلوت حرم سے نکل کر جلوت مغاں تک پہنچا۔ کہاں کی بات کہاں تک پہنچی...... اب کوئی کیا سمجھے اور کیا سمجھائے۔ غلط فہمیوں پر غلط فہمیاں پیدا ہوئیں اور غلط فہمیوں اور غلط اندیشیوں کے اس مرتب مجموعے کو کبھی کبھی حکمت و فلسفہ کے نام سے بھی موسوم کیا گیا۔

انجام خرد ہے نا صبوری
ہے فلسفۂ زندگی سے دوری

Marfat.com

ہیگل کا صدف گہر سے خالی
ہے اس کا طلسم سب خیالی
دل در سخن محمدی بند
اے پور علی ز بو علی چند

(اقبال)

فلسفی کو منکر حنانہ است
از حواس انبیاء بیگانہ است
نطق آب و نطق باد و نطق گل
ہست محسوس حواس اہل دل

زبان و بیان کی تنگیاں...... لازمان ولامکاں کی وسعتوں کی کیسے متحمل ہوسکیں ...... کہ مطلق اور مقید اور لامحدود اور محدود کا معاملہ ہے۔ لیکن اس ناقص وسیلہ اظہار اور ناقص فہم کے بغیر...... غور وفکر کا اور کوئی ذریعہ بھی نہیں ۔ جب تک حقیقت کا تجربہ وجدانی احساس کے رنگ میں نہ ہو...... تب تک زبان و بیان کا ہی سہارا لینا پڑتا ہے۔ تو آیئے! اب ہم فہم وفکر کے چند بنیادی اصولوں سے شروع ہوتے ہیں اور عقل وشعور سے حسنِ مستور کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ جہاں تک بھی یہ ساتھ دے اس سے کام لیں اور جہاں پر رُک جائے وہاں وجدان وشعورِ باطن کا دامن تھام لیں کہ وہ باریابِ حریم ناز ہیں۔

انا کا علم حضوری

خودی کا راز داں ہو جا ، خدا کا ترجماں ہو جا

فہم وشعور کا پہلا اصول اپنی انا کا تعین ہے۔ اس عرفان ذاتی کے لئے کسی دلیل

Marfat.com

و برہان کی ضرورت نہیں۔ میرا یہ مضمون لکھنا اور آپ کا پڑھنا اور غور کرنا اسی انا کے یقین واذعان پر ہی مبنی ہے۔ آپ کو اور مجھے بھی اپنے ہونے کا اس حد تک یقین ہے کہ ہم اسے بغیر کسی دلیل کے تسلیم کرتے ہیں۔ آج تک کوئی فلسفی ...... کسی مخاطب کو دلیل کے ذریعے اس کے نہ ہونے کا قائل نہیں کر سکا۔

خود آ گاہی ...... خودی کا ایک حیرت انگیز خاصہ ہے۔ اسی خاصہ کی وجہ سے ہنگامہ کائنات بپا ہے۔ اور انسان کی ساری جدوجہد اور تگ ودو اسی خاصے کی وجہ سے ہے۔ اسی کی وجہ سے خودی اپنے آپ کو بغیر آنکھوں کے دیکھتی اور بغیر کانوں کے سنتی ہے۔ بلکہ اپنے آپ کو کسی حِس کی مدد کے بغیر ...... براہ راست پوری طرح سے جانتی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میں ہوں ...... کیونکہ میں سوچ رہا ہوں ...... جان رہا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں۔ اگرچہ میں اپنی خودی کو ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھتا۔ شعور خودی کے سلسلہ میں ''دید یا شنید'' کا لفظ استعمال کرنا غلط ہوگا۔ تاہم میرے لئے میری خودی کا علم آنکھوں سے دیکھی اور کانوں سے سنی ہوئی اشیاء سے بہت زیادہ قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ بلکہ میں جن چیزوں کو آنکھوں سے دیکھ کر جانتا ہوں وہ اسی لئے جانتا ہوں کہ میری خودی ان کو جانتی ہے اور اپنی خودی کے شعور وعلم کے بغیر کسی بھی چیز کو جانا نہیں جا سکتا۔ پس خودی کا شعور وعلم ہر قسم کے علم کی بنیاد ہے اور ہر قسم کے علم سے زیادہ یقینی علم ہے۔ بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اگر دنیا بھر میں کسی چیز کا یقینی علم ہمیں حاصل ہے تو صرف اپنی انا اور خودی کا ہی ہے۔ اس علم کے بغیر ہم کسی بھی ''غیر خودی'' کا علم حاصل نہیں کر سکتے۔

التباسِ حواس

خارج کی دنیا کے متعلق ہمارا علم قیاسی ہے اور ہمارا قیاس...... حواس پر مبنی ہوتا

ہے۔ حواس کے بدلنے سے ہمارا علم بھی بدل جاتا ہے اور حواس میں التباس کا امکان ہوتا ہے اور ایسے امکانات کا ذاتی تجربہ آپ کو بھی شاید حاصل ہو۔ بسا اوقات آنکھوں کو بادل کے بجائے چاند چلتا ہوا نظر آتا ہے...... اور کشتی کے مسافر کو اپنی کشتی کے بجائے ساحل متحرک نظر آتا ہے اور جب دو گاڑیوں میں کراس ہو اور دوسری گاڑی چل کھڑی ہو تو اپنی گاڑی چلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور سرسام وغیرہ کی حالت میں موجود چیزیں غائب اور غائب چیزیں موجود نظر آتی ہیں۔ ایسی ہی اور بھی کئی مثالیں التباسِ حواس کے سلسلہ میں پیش کی جاسکتی ہیں۔

کائنات اور خودی

کوئی شخص کائنات کے متعلق تو کہہ سکتا ہے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں اور زمین و آسماں درحقیقت موجود نہیں...... یا ان کی حیثیت ایک خواب یا وہم کی سی ہے یا یہ حقیقت نہیں بلکہ روئے حقیقت کا نقاب ہیں...... لیکن اپنی خودی کے متعلق کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں اور وہ ایک وہم ہے۔

فروغ دانش ما از قیاس است
قیاسِ ما ز تقدیر حواس است
چو حس دیگر شد ایں عالم دگر شد
سکون و دیر و کیف و کم دگر شد
تواں گفتن جہان رنگ و بو نیست
زمین و آسمان و کاخ و کو نیست
خودی از کائنات رنگ و بو نیست
حواس ما میان ما و اُو نیست

(اقبال)

Marfat.com

اگر کوئی یہ کہے کہ ہمیں اپنی خودی کے وجود کا دھوکا ہو رہا ہے...... اور وہ در حقیقت ایسی کوئی چیز موجود نہیں ...... جو اپنے آپ کو ''میں'' کہہ سکتی ہو......تو ہم اس سے پوچھ سکتے ہیں کہ اس دھوکے یا وہم کا علم یا احساس کس کو ہو رہا ہے؟ اگر ایک دھوکے کا علم یا احساس ایک حقیقت ہے اور خود ایک دھوکا یا وہم نہیں ......تو وہ چیز کس طرح اک دھوکا یا وہم ہو سکتی ہے......جس کو یہ علم احساس ہو رہا ہے اور یہی چیز خودی ہے جو اپنے آپ کو ''من'' کہہ رہی ہے۔

اگر گوئی کہ ''من'' وہم و گمان است
نمودش چوں نمود این و آنست
بگو با من کہ دارائے گماں کیست
یکے در خود نگر آں بے نشاں کیست

(اقبال)

خودی حق ہے

یہ بات کس قدر عجیب ہے کہ خارج کی دنیا تو آشکار موجود ہو۔ لیکن اس کے باوجود دلیل و ثبوت چاہتی ہو اور خودی نظروں سے اوجھل ہونے کے باوجود یقینی ہو اور ثبوت و دلیل کی محتاج نہ ہو اور اس حد تک یقینی ہو کہ تمام مسائل اور براہین و دلائل اس کے ہونے پر مبنی ہوں۔ اس سے زیادہ خودی کے حقیقی ہونے کا کیا ثبوت ہے۔ لہٰذا خودی......حق ہے باطل نہیں اور وہ موجود ہے......غیر موجود نہیں۔

جہاں پیدا و محتاج دلیلے
نمی آید بفکر جبرئیلے

Marfat.com

خودی پنہاں ز حجت بے نیاز است
یکے اندیش و دریاب ایں چہ راز است
خودی را حق بداں باطل مپندار
خودی را کشت بے حاصل مپندار

(اقبال)

عالم خارجی کے متعلق میری انا کا علم اپنے حواس پر مبنی ہے۔ میری آنکھیں کچھ تاثرات کسی چیز کے متعلق دماغ تک پہنچاتی ہیں۔ میرے کان کچھ تہیجات کسی خارجی شے کے متعلق دماغ تک بھیجتے ہیں۔ میری قوتِ لامسہ بھی کچھ تاثرات مہیا کرتی ہے۔ ان تمام تاثرات کو اکٹھا کر کے...... میری انا...... شئے خارجی کے متعلق ایک تصور قائم کرتی ہے اور اس کو ایک خاص نام سے موسوم کرتی ہے۔ دیکھئے میں نے جو کچھ جانا وہ صرف داخلی تاثر ہی ہے۔ جو میرے ہی حواس نے...... میرے ہی شعور میں پیدا کیا...... وہ کسی خارجی شے کی حقیقت کا علم نہیں بلکہ عملی افادی حیثیت سے ایک داخلی تصور ہے جو شعور نے پیدا کرلیا ہے۔ پس میرے علم کی حدود عالم خارجی کی حدوں تک نہیں بلکہ صرف حواسِ خمسہ کی داخلی حدوں کی انتہا تک ہی ہیں۔

ٹیلیگراف آپریٹر کی مثال

اس کی ایک مثال یوں بھی ہے کہ ہمارا نفس ایک ٹیلی گراف کے آپریٹر کی طرح ایک بند اور مقفل کمرے میں بیٹھا ہے۔

اسے ٹیلی گراف کے آلات کے ذریعے کمرے سے باہر کے کسی پیغام رساں کا پیغام پہنچتا ہے اور وہ آپریٹر اسے نقطوں اور لکیروں کی شکل میں وصول کرتا ہے۔ وہ نقطے اس بات کی دلیل تو ہیں کہ کوئی پیغام رساں کمرے سے باہر موجود ہے۔ لیکن وہ

Marfat.com

نقطے اور علاماتی نشان نہ تو خارجی پیغام کی پوری شرح وبسط کے ساتھ ترجمانی کر سکتے ہیں اور نہ ہی پیغام رساں کی ذات کے متعلق کوئی تفصیلی یا تشریحی واقفیت مہیا کر سکتے ہیں۔ کمرے کے اندر بند انسان تار برقی کے ذریعہ باہر کی دنیا سے جو رابطہ قائم کر پاتا ہے وہ نہایت ناقص ہوتا ہے۔ یہی حال ہماری انا اور عالم خارجی کا بھی ہے۔ حضرت اقبال نے بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

توان گفتن جہان رنگ و بو نیست
زمین و آسمان کاخ و کو نیست

چوں حس دیگر شد ایں عالم دگر شد

فرض کیجئے کہ کسی طلسماتی شعبدہ سے ہمارے حواس میں کچھ ایسی تبدیلی کردی جائے کہ کان دیکھنا اور آنکھیں سننا شروع کر دیں تو خارجی تاثرات تو پھر بھی انا تک جاتے رہیں گے لیکن ان کا داخلی نتیجہ قطعاً مختلف ہوگا۔ نغمہ روشن اور شاداب نظر آئے گا۔ جلوہ حسین ترنم بن جائے گا۔ قوس قزح کے رنگ ساز وآواز کی حسین ترکیب بن جائیں گے اور بلبل کی نغمہ سرائی ...... مانی و بہزاد کی رنگ آمیزی کا روپ دھار لے گی۔ عالم خارجی تو وہی ہوگا لیکن ہمارا داخلی تاثر ...... تبدیلی حواس سے قطعاً بدل جائے گا۔ اور اسی بدلے ہوئے تاثر کو ہم عالم خارجی کا صحیح تصور قرار دیں گے۔

حقیقت سے بلا واسطہ رابطہ اور اس کا صحیح علم ...... عقل کے بس کی بات نہیں اور اس غیر محسوس حقیقت کے متعلق بذریعہ حواس ایک نا تمام تصور کا قیام ...... عملی طور پر مفید بھی ہے اور ضروری بھی۔ لیکن اس فرضی تصور کو ہم نہ تو مکمل کہہ سکتے ہیں اور نہ واقعی!۔ اس نامکمل اور غیر واقعی تصور پر ہی قناعت کر لینا عوامی تقاضا اور وقتی مفاد ہے لیکن نوع انسانی میں کچھ ایسے فرزانے بھی ہوتے ہیں جو ناقص اور فرضی امور پر مطمئن

Marfat.com

نہیں ہو پاتے۔ وہ حقیقت کو کما حقہ سمجھنا چاہتے ہیں اور وہ عمومیت کو کسی قیمت پر بھی حقیقت کا معیار ماننے کو تیار نہیں ہوتے۔ وہ حواس کے التباس کو جانتے ہیں اس لئے حقیقت شناسی کے سلسلہ میں حواس کی ناتمامی کے پیش نظر وہ کچھ ''شاذ اور ماوراء قسم کے ذرائع علم کا استعمال کرتے ہیں اور وہ علم وعرفان کے اس جہان تک پہنچ جاتے ہیں...... جو عقل وحواس کی وہمی جہان سے ماوراء ہے۔

داخلی تجربہ یقینی ہے

IDEALISM کے نقطہ نظر سے...... جو کچھ میں جانتا ہوں وہ میرا ذاتی اور داخلی علم ہی ہے۔ جو ناتمام حواس کے ناتمام پیغامات کا نتیجہ ہے۔ میں اپنے حواس کے دائرہ کے باہر نہ جاسکتا ہوں اور نہ حقیقت کو پا سکتا ہوں۔ داخلی تجربہ کو معیار علم قرار دینے کے بعد عالم خواب کے مشاہدات اور سرسام کے تصورات کو بھی حقیقی ہی ماننا پڑے گا۔ کہ ان میں اور حواس کے مہیا کردہ علم میں داخلی تجربہ کی حیثیت سے کچھ فرق نہیں۔ IDEALISAM نے حقیقت کے متعلق جو نظریہ پیش کیا ہے وہ نہایت درجہ لطیف اور حسین ہے۔ یہ صرف عقلی تگ ودو کا نتیجہ نہیں معلوم ہوتا بلکہ اس میں کچھ قلبی انکشاف کا بھی حصہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جب ہم ایک تصوراتی فلسفی سے سوال کرتے ہیں کہ جس حقیت کو تم بیان کرتے ہواس کے عرفان کا عملی ذریعہ کیا ہے؟ تو فلسفی چپ ہوجاتا ہے۔ وہ دلیل وبرہان سے حقیقت کی طرف اشارہ کناں تو ہوتا ہے...... لیکن وجدان وعرفان کے ذریعے اس تک رسائی کا ذریعہ نہیں بتا سکتا۔ کیونکہ حقیقت نہ حواس کے پیمانے سے ناپی جاسکتی ہے اور نہ ہی عقل کی ترازو پر تولی جاسکتی ہے۔ اسے تو صرف دل بیدار...... بطور حال کے ہی پاسکتا ہے اور یہ بات فلسفی کو نہیں بلکہ صوفی کو حاصل ہوتی ہے۔ حریم حسن کی طرف اشارہ اور وہ بھی دور کا اشارہ عقل کی انتہا ہے۔

Marfat.com

لیکن وصال یار کی سرمستیوں کا مزہ عشق کا منتہا ہے اور عشق سر کا کام نہیں بلکہ دل کا کام ہے بشرطیکہ دل بینا بھی ہو اور بیدار بھی۔

؎ دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ اور علم حصولی

بذریعہ حواس حاصل ہونے والا علم حصولی کہلاتا ہے اور علم حصولی کی غلط بینی اور غلط اندیشی کے متعلق امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

''علم حصولی در حقیقت نفس شے کا علم نہیں ہوتا۔ اس میں نفس شے کی نسبت جہل ثابت ہوتا ہے۔ علم حضوری کے سوا جو بھی علم حصولی ہے سراسر جہل ہے۔ یہاں معلوم دراصل وہ ہے جو ذہن میں موجود ہے...... اور یہ صرف صورت شے ہوتی ہے اور صورت شے حقیقت شے نہیں ہوگی۔ پس علم حصولی صرف صورت شے تک محدود رہتا ہے اور علم حضوری حقیقت شے کو پالیتا ہے۔ علم حضوری (علمِ بلا حواس) میں عالم و معلوم کا اتحاد ہوتا ہے اور جب علم حضوری میں معلوم نفس شے ہے نہ کہ اس کی صورت تو معلوم وہاں ہو بہو منکشف ہوجاتا ہے اور اس کی کنہ و حقیقت معلوم ہوجاتی ہے۔ عارف کے ہاں حق تعالیٰ کی ذات کی نسبت علم حضوری ثابت ہوتا ہے۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ صوفی پر حق تعالیٰ کی ذات کی کنہ منکشف ہوجائے اور واجب تعالیٰ کی ذات کما حقہ معلوم ہوجائے۔ اعتراض، ادراک میں ہے جہاں احاطہ ثابت ہوتا ہے نہ کہ انکشاف میں''۔ [۱]

۱۔ مکتوب امام ربانی جلد سوم مکتوب: ۴۸

Marfat.com

علم حصولی (حواس کا علم) ظنی ہے

Seepkcol فلسفی (لاادری) ہوں Idealist تصوراتی حکماء یا صوفیاء علم حسی کے وہمی اور نا قابل یقین ہونے پر سب ہی متفق ہیں۔ حقیقت کے متعلق عقلی جستجو ہمیں تین نتائج میں سے ایک نہ ایک کو قبول کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

۱...... یا تو ہم ظاہری دنیائے صور واشکال کو ہی حقیقی دنیا تسلیم کرلیں اور اسی طلسم کثرت میں حیات مستعار کو گذار جائیں۔

۲...... یا حقیقت کے متعلق ایک خود ساختہ اور نا تمام ساعلاماتی قسم کا تصور قائم کرلیں اور اسی کی پرستاری پر ہی قناعت کرلیں۔

۳...... یا ایک لاادری فلسفی کی طرح ...... حقیقت کے علم کو نا قابل حصول اور اس سعی کو غیر مشکور سمجھ کر ترک کر دیں۔

Marfat.com

روح انسانی اور تقاضائے وصال

معصوم انسانی روح ابدی کے تقاضائے دید اور تمنائے وصال کو یا تو عقلِ جزئی شک وانکار کی ڈانٹ ڈپٹ سے دبا دینا چاہتی ہے اور اگر یہ ابدیت کا طفلِ معصوم پھر بھی اپنے مطالبہ سے باز نہ آئے تو ایک ہشیار دایہ کی طرح ...... ایک خود ساختہ اور نا تمام تصور حقیقت کا کھلونا اس کے ہاتھ میں تھما دیتی ہے اور اگر بچے کا تقاضا اور اس کا منہ بسورنا پھر بھی جاری رہے تو سائنس ماں کے روپ میں ...... عملی افادیت اور تجرباتی یقین کا پستان اس کے منہ میں ڈال دیتی ہے۔ لیکن عرفانِ حقیقت اور تمنائے وصال کا ازلی اور ابدی روحانی تقاضا ان صور واشکال ...... رد وانکار ...... یا دلیل و بُرہان سے پورا نہیں ہوتا۔ تو پھر فنونِ لطیفہ اور شعورِ باطنی کے حکماء کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

عقل وحکمت...... جسمانی اور دماغی تقاضے تو پورے کردیتی ہیں۔ بقائے حیات اور تحفظ نوع کا مقصد بھی پورا کردیتی ہیں اور ذرا اُوپر اٹھ کر آرام وآسائش کا اہتمام بھی کردیتی ہیں۔ لیکن روح انسانی کی باطنی تشنگی (جو جستجوئے حسن اور تمنائے جمال کے رنگ میں ظہور پذیر ہوتی ہے) کی تسکین کا سامان نہیں کر پاتیں۔ یہیں سے دین اور تصوف کی حدیں شروع ہوجاتی ہیں۔ تلاشِ حقیقت کے سلسلہ میں عقل کی ناتمامی اور نارسائی، سمندِ شوق کے لئے مہمیز کا کام دیتی ہے اور طالبِ حقیقت، عقل کی ناتمامی اور نارسائی ...... سمندِ شوق کے لئے مہمیز کا کام دیتی ہے اور طالبِ حقیقت ...... عقل کے وسیلہ، علم وادراک کو چھوڑ کر کسی ایسے ذریعہ علم کا متلاشی ہوتا ہے جو حسن مطلق کو این و آں ...... چنیں و چناں ...... اور زمان و مکاں کے پردے اٹھا کر عالم ابدیت میں عریاں دیکھ سکے۔ جس کو صوفیاء عرفان اور ایقان کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب سے ظاہر ہے کہ یہ وہ رؤیت نہیں ہوتی جس کی کلامِ حکیم نے نفی کی ہے۔ کہ اس میں وہ ادراک نہیں جس میں احاطہ پایا جائے، بلکہ یہ علم حصولی کی سی کیفیت ہے۔ جہاں زندگی ...... زندگی کو پالیتی ہے اور محویتِ علم میں عالم ومعلوم کا امتیاز مٹ جاتا ہے۔

فطرتِ انسانی اور تلاش حسن

انسان نے ہمیشہ حسن وکمال کے ماورائی اور ارفع واعلیٰ تصور کی جستجو کی ...... اور اس جستجو کو پرستش کی حد تک پہنچایا اور ہمیشہ ظاہر پر باطن کو ترجیح دی اور حسنِ مستور کی یافت کے لئے عالم ظاہر کے حسی لذائذ کو ترک کیا اور مال وجان جیسی عزیز متاع کو شاہد حقیقی کی رضا اور جمالِ معنیٰ کی بقا کیلئے تیاگ دیا۔ اس مسلسل جستجو اور پیہم ایثار سے بڑھ کر فطرت انسانی کی طلب حسن وکمال کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے؟ عقل کہتی ہے کہ

Marfat.com

انسان کی ساری تگ ودو صرف لذت وبقا کے لئے ہی ہے۔لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انسان راہ شوق ومحبت میں درد وغم کو فرحت ومسرت سے بھی بڑھ کر پیار کرتا ہے اور اکثر اوقات راہِ طلب میں مفادِ عاجلہ اور حیاتِ مستعار کی فنا کو ہی بقا قرار دیتا ہے تو عقل بوکھلا جاتی ہے اور فطرت انسانی کے ان بظاہر غیر حیاتیاتی تقاضوں کی تشریح میں ناکام ہوجاتی ہے۔ اور اس میں اگر فطرتِ انسانی کی جستجوئے حسن کو بھی شامل کرلیا جائے اور اس سلسلہ میں انسان کی مساعی اور اظہار حسن کے لئے فنون لطیفہ...... شاعری...... موسیقی...... اور نقش آرائی کی جمیل بوقلمونیوں کو بھی شامل کرلیا جائے...... تو فطرت انسانی کے ان تقاضوں کی نفسیاتی توجیہہ اور عملی تسکین کے سلسلہ میں عقل ودانش اور فلسفہ وسائنس بالکل بیکار ہیں۔ یہ طوعاً وکرہاً انسانی فطرت کے ان تقاضوں کے وجود کو تو مان لیتے ہیں۔لیکن ان کی تسکین اور تشفی کے سلسلہ میں کچھ نہیں بتا سکتے۔

منطق اور تقاضائے حسن

منطق اور سائنس یہ نہیں بتا سکیں...... کہ پتھروں کے ایک پہاڑ پر گھاس کے چند تنکے جب منجمد پانی (برف) سے آلودہ ہوجاتے ہیں۔تو کیوں بعض حساس طبیعتوں میں اس منظر سے ایک آسمانی مسرت پیدا ہونے لگتی ہے۔اور کیوں کوئل کی ''پی پیہاں'' اور بلبل کی نواسنجی...... ایک شاعر کے دل میں ہیجان پیدا کردیتی ہے اور اسے کسی گمشدہ دنیائے حسن وجمال کی یاد ستانے لگتی ہے۔اور کیوں صوت وصدا کی ایک خاص ہم آہنگی...... موسیقی کے رنگ میں...... بعض لطیف طبائع پر کیف ومستی کی ایسی کیفیت طاری کردیتی ہے کہ اسے فردوسی نغموں کا ماحول یاد آنے لگتا ہے اور کیوں صریر خامہ نوائے سروش معلوم ہونے لگتی ہے؟ اور کیوں نقطوں اور لکیروں کا ایک خاص تناسب...... شعور کو ایک ایسے خاص مقام پر لے جاتا ہے کہ عالم بے صورت سے

Marfat.com

رابطہ ہونے لگتا ہے؟ آخر یہ سب کچھ کیوں ہے؟ تقاضائے حسن کی افادیت کیا ہے؟ اس کی تسکین کے ذریعے کیا ہیں؟ وہ کونسا جذبہ ہے جو عقل کی چنیں وچناں کی سعی لاحاصل سے گذر کر درد وغم ...... حسن و جمال ......اور شعر و آہنگ کے وسائل سے حقیقت تک رسائی کے ذرائع مہیا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس میں اکثر کامیاب ہوجاتا ہے۔ ان راستوں سے تلاش حسن کی سعی کو عشق کہا جاتا ہے۔ اور عشق ہی تصوف کی جان ہے......اور تصوف ہی احسان ہے......اور احسان ہی عرفان وایقان ہے...... وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ [۱] عشق کی شان ہے ...... اور بَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ [۲] اسی کا فیضان ہے۔ بایزید ہوں یا جنید......جامی ہوں یا رومی...... چشتی ہوں یا نقشبندی......قادری ہوں یا سہروردی......شاذلی ہوں یا اویسی...... عشق ہی سب کا امام ہے۔

عقل است غلام من عشق است امام من

عشق اور حسن

عشق حقیقی کو حسنِ مطلق کا پیغام...... عقل وحواس سے ماوراء...... کسی اور ذریعہ سے ملتا ہے۔ درد وغم ہو یا شعر و آہنگ ...... کشف والہام ہو یا وجدان وایقان یہ سب منزل جاناں کی راہیں ہیں۔ یہ حسن نما اور عشق انگیز ہیں۔ ان کی حدیں لامکان سے جاملتی ہیں اور عرفان کی یہ راہ طویل...... عقل کی سست گامی سے نہیں بلکہ عشق کی برق رفتاری سے طے ہوتی ہے

عشق کی اِک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

---

[۱] البقرہ، ۲:۱۶۵ [۲] البقرہ، ۲:۱۵۵

روح بیکراں...... عشق بیکراں کے پر لگا کر...... وادی حسن بیکراں تک بیکراں پرواز کرتی ہے۔ عشق سے مزاجِ انسانی میں وہ انقلاب شعور پیدا ہوتا ہے...... کہ اِین وآں اور زمان ومکاں کے پیمانے بدل جاتے ہیں...... اور پھر آوان واکوان کے طلسم ٹوٹ جاتے ہیں اور توحید کے زور سے عالم ناسوت کی تنگی...... عالم لاہوت کی بیکرانی میں تبدیلی ہوجاتی ہے۔

؎ خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری
زماں ہے نہ مکاں لَآ اِلٰہَ اِلّا اللہ

زمان ومکاں کا طلسم...... عشق کے افسون سے ہی ٹوٹتا ہے۔ اور شاہد حقیقی کا جلوہ زمان ومکان کے حجابات اٹھنے کے بعد ہی نظر آتا ہے۔ حسن کی خواہشِ نمود سے یہ طلسم رنگ وبو...... وجود پذیر ہوتا ہے۔ بوئے گل...... گل کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور عالم صورت...... عالم حقیقت کی طرف اشارہ کناں ہوتا ہے۔ رنگ وآہنگ...... ادائے ناز بن کر...... کسی نازنین کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ حسن کے اشارے...... حسن رنگ وبو بن کر دعوت نظارہ دیتے ہیں۔ اور عشق ناصبور...... رہِ شوق میں گامزن ہوجاتا ہے۔ بہرحال ناز ونیاز اور ہجر ووصال کا یہ معاملہ عقل وبرہان کے ذریعے نہیں بلکہ عشق ووجدان کے ذریعے طے ہوتا ہے۔

فلاسفہ اور نظریۂ جمال

ہیگل کا مقولہ ہے کہ ”جب حقیقتِ منتظر...... لباس مجاز میں جلوہ گر ہوتی ہے تو حسن بن جاتی ہے۔“ [1]

اقبال کہتا ہے

[1] Philosophy of Relegion Vol:II-P.8

Marfat.com

؎ کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباس مجاز میں
ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبینِ نیاز میں

بقول ڈولف یوکن "نیکی ...... حسن ...... اور سچائی اظہار حقیقت کے تین شفاف آئینے ہیں اور روحانی دنیا کے تین بے خطر راستے ہیں"۔

شاہد حقیقی کا جلوۂ مستور ...... حسن کے آئینے میں ہی ظہور فرماتا ہے اور دیدۂ دل اس کی ہلکی سی جھلک دیکھ پاتا ہے۔ افلاطون دید حسن سے اثر پذیری کو ...... ایک نیا اور خارجی واقعہ نہیں قرار دیتا۔ بلکہ عالم ملکوت میں روح نے قریب سے جو جلوہ حسن دیکھا تھا ...... اس کی یاداشت قرار دیتا ہے۔ افلاطون کے نزدیک روح جب قید جسم سے آزاد تھی تو اس نے فضائے ملکوت میں حسن ازل کی جو جھلک دیکھی تھی ...... اسی کی یاد ...... انسان کے تحت الشعور کی گہرائیوں میں ہمیشہ موجود رہتی ہے اور عالم صور واشکال میں جب روح کو اسی حسن ازل کی کوئی ادنیٰ سی جھلک نظر آتی ہے تو اسے پھر سے حسن ازل یاد آ جاتا ہے ...... اسی لئے دید حسن کا وہ لمحہ انتہائی لذیذ اور مسرت بخش ہوتا ہے۔ اس لمحے میں روح ...... تنگنائے کون ومکاں سے پرواز کر کے ...... پھر سے دنیائے لامکاں تک جا پہنچتی ہے۔

؎ صورتش بر خاک و جاں در لامکاں
لامکانے فوقِ وہم سالکاں

اس لئے دید حسن کی محویت ایک ذہنی کیفیت نہیں ہوتی بلکہ ایک خالص روحانی تجربہ ہوتی ہے ...... اس لمحے میں روح انسانی ...... انتہائی بلندیوں کو چھو لیتی ہے اور اس پر کشفِ حقیقت کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ایک ناپختہ اور بدذوق انسان اس خالص روحانی تجربہ کے باوجود مادی پستیوں سے اوپر نہیں اٹھ سکتا۔ اور حجابِ صورت میں ہی الجھ جاتا ہے۔ لیکن ایک صاحبِ ذوق سلیم اور پختہ مزاج انسان صورت کے

Marfat.com

حجابِ مجازی کو اٹھا کر...... اس کے پیچھے حسن حقیقی کو پالیتا ہے۔اسی لئے حسنِ مجازی بعض کے لئے رحمت ہے اور بعض کے لئے زحمت ...... سقیم کے حق میں زہر ہے...... لیکن سلیم کے حق میں تریاق......جس نے سراب کو آب سمجھا وہ محروم رہا اور جس نے آبِ خالص کو تلاش کرلیا وہ سیراب ہوگیا۔شیشہ کے عکس پر فریفتہ ہونا اور بات ہے اور شیشہ میں جلوہ نمائی کرنے والے محبوب کے روئے زیبا کو بلاواسطہ دیکھنا کچھ اور معنیٰ رکھتا ہے۔

حضرت امام ربانی کا ارشاد

صوفیاء نے موسیقی کے جواز اور عدم جواز کا فیصلہ...... سننے والے کے مزاج کی صلاحیت یا عدم صلاحیت کی بنا پر ہی کیا ہے۔حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ بھی اسی حقیقت کا مؤید معلوم ہوتا ہے۔آپ فرماتے ہیں:

چوں معامله عارف بصرف ذات تعالیٰ و تقدس مے افتد و جمیع نسب و اعتبارات ساقط میگردد دران موطن عروج متعسر میشود و بے علاقه و تعلق بر آمدن دشوار مینماید دریں وقت گاه باشد که بحکم اَلنَّظْرَةُ الْاُوْلیٰ لَكَ نگاه اول که بمظاهر جمیله تعلق کند دریں مقام مدد نماید و بسرعت بالا برد و از مجاز که قنطره حقیقت گفته اند بحقیقت رساند اما دریں وقت محافظت از نظره ثانیه که اَلنَّظْرَةُ الثَّانِيَةُ عَلَيْكَ فرموده اند لازم است که مضر و سم قاتل ست

ترجمہ: جب عارف کا معاملہ حق تعالیٰ کی ذات سے آپڑتا ہے اور تمام نسبتیں اور اعتبارات ساقط ہوجاتے ہیں تو اس مقام میں عروج مشکل ہوجاتا ہے۔اور بغیر تعلق و

Marfat.com

علاقہ کے دشوار دکھائی دیتا ہے۔ اس وقت کبھی ایسا ہوتا ہے کہ **النظرۃ الاولی لك** یعنی (پہلی بار کا دیکھنا تیرے لئے ہے) کے موافق پہلی نگاہ جو مظاہر جمیلہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس مقام میں مدد کرتی ہے اور وجہ بلندی بن جاتی ہے اور مجاز حقیقت تک لے جانے کا پل بن جاتا ہے۔ لیکن دوسری نظر وبال بن جاتی ہے اس سے بچنا لازم ہے۔ [۱]

جو ناظر جمالِ معین سے مطلق کی طرف پرواز کر گیا اس کے لئے مجاز...... حقیقت رسی کا زینہ بن گیا اور جو جلوۂ محدود و متعین میں ہی پھنس گیا وہ پستی کا اسیر بن گیا اور بلندی سے محروم رہ گیا۔ کثرت سے وحدت...... مجاز سے حقیقت...... اور فانی سے باقی کی طرف رجوع ہی عرفان ہے...... اور اس سے محرومی سراسر زیاں ہے...... اور اس کا انکار باعثِ خسران ہے۔

زمان ومکاں اعتباری ہیں

اہل باطن کے نزدیک یہ زمان ومکاں...... بتانِ وہم وگماں اور محض اعتباری ہیں۔

ہم زمان ومکاں میں مقید...... فانی اور متغیر...... جلوہ ہائے پا بہ رکاب کو ہی حقیقی دنیا کیوں مان لیں؟ اور حواسِ خمسہ کے ذریعے حاصل ہونے والے ظنی اور محدود علم حصولی کو ہی کیوں قطعی اور حقیقی سمجھ لیں؟ صوفیاء اور عرفاء نے ہمیشہ ظاہر کے پسِ پردہ باطن میں جھانکنے کی کوشش کی اور متغیر اور فانی کے پیچھے سے قائم ودائم کے متلاشی رہے...... وہ ہمیشہ اس مرغزار کی تلاش میں رہے...... جو سدا بہار اور خزاں ناآشنا ہے۔

صوفیاء ہی کامیابِ منزل ہیں

حقیقت کے متلاشیوں کو صورت کبھی دھوکا نہ دے سکی...... اور لامکاں کے

۱۔ مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب: ۶۱

Marfat.com

باہمت سیاحوں کو زمان و مکاں کی تنگ دامانیاں کبھی راس نہ آئیں۔ انہوں نے دیدۂ ظاہر کے محدود منظر سے اوپر اٹھ کر دیدۂ دل کے ذریعے دنیائے لامحدود کو دیکھنے کی کوشش کی۔ انہوں نے آسمانی ہدایت اور اس پر مبنی ذاتی علم و تجربہ کی بنا پر...... ہمیشہ ایک پائیدار اور سدا بہار...... دنیائے حقیقت کی خبر دی...... شنید سے اس دنیائے حقیقت کا سراغ پایا...... اور دید سے حق الیقین کا مقام پایا...... اور اس راہ میں دلیل و برہان کی ناتمامی...... نارسائی اور کشف و وجدان کی حقیقت شناسی اور منزل رسی کا یقین دلایا۔

انہوں نے نیکی...... صداقت...... اور حسن کے زینوں کے ذریعے بام حقیقت تک رسائی حاصل کی اور بعد میں آنے والے طالبانِ حقیقت کی رہنمائی کی۔ اپنی دریافت کے نتائج کو مذہب اور لطافت (فنون لطیفہ) کی علاماتی لیکن جذباتی زبان سے ادا کرنے کی کوشش کی۔ کیفیاتِ سرمدی جب حروف و اصوات کے سانچوں میں ڈھلیں تو کئی الجھنیں آ پڑیں۔ بحر بیکراں جام و سبو میں کیسے سمائے اور حسن مطلق کی تنویر عقل مقید کی زد میں کیسے آئے؟ اسی لئے صوفیاء اور عرفاء کے بیان میں ابہام رہا جس نے کبھی تضاد...... کبھی اختصار...... اور کبھی تکرار کا رنگ اختیار کیا۔ یہ ابہام وجودِ حقیقت اور نفسِ حسن کے متعلق نہیں...... بلکہ زبان و بیان کی ناتمامی کا آئینہ دار ہے۔

حقیقت شناسی کی تمام کوششوں میں صرف تصوف ہی کامران رہا اور منزل حقیقی تک پہنچنے میں صرف...... صاحبِ ایقان و ایمان صوفیاء اور عرفاء ہی کامیاب رہے۔

انہوں نے اپنے وسیع علم اور طویل تجربہ کے بعد یہ ثابت کیا کہ حقیقت شناسی اور حسن مطلق کی یافت کے سلسلہ میں حواس بے کار ہیں اور عقل جزی ناکام ہے۔ انہوں نے دیدۂ دل کی بیداری اور شعور باطن کی پختگی کو ہی...... حقیقت شناسی کا قطعی اور ناقابل خطا ذریعہ قرار دیا۔ انہوں نے واضح کر دیا کہ حقیقت شناسی سر کا نہیں بلکہ

Marfat.com

دل کا کام ہے۔ عقلِ محدود...... حقیقت کو زمان و مکاں کے پیمانوں میں ناپتی ہے اور الفاظ و اصوات میں اس کو مقید کرنا چاہتی ہے۔ اس لئے ناکام رہتی ہے...... لیکن عشق تحدید و تقیید کے قفس کی تیلیاں توڑ دیتا ہے اور روح مقید کو وہ آزادی نصیب ہوجاتی ہے جو اس کا مطلوب و مقصود ہے۔ وہ کثرت میں وحدت اور جز میں کل کو پالیتا ہے اور روح کو اضطرابِ طلب کے بعد وہ سچا اطمینان نصیب ہوجاتا ہے...... جو تکمیل ذات کا کفیل اور کامیابی کی دلیل ہے۔

امام غزالی کا اعتراف

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بھی دلیل و برہان کی وادیوں کو عبور کرنے کے بعد جب حق الیقین کے مقام تک نہ پہنچ سکے تو انہوں نے بھی علوم عقلی کے بجائے شعور قلبی اور دلیل و برہان کے بجائے شہود و عرفان کا دامن تھاما...... خلوت نشینی اور عزلت گزینی کو شعار بنایا...... اور سر کے بجائے دل...... عقل کے بجائے عشق...... اور اذعان کے بجائے ایقان کو امام بنایا...... قال کو چھوڑا اور حال کے کوچہ میں قدم رکھا اور اقبال کی زبان میں کہا:

؎ خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولیٰ مجھے صاحبِ جنوں کر

اس کیفیت کو انہی کے الفاظ میں سنئے:

''ان خلوتوں اور عزلتوں میں بہت سے اسرار منکشف ہوئے جن کا احاطہ ناممکن ہے۔ اس عرصہ میں مجھے یقیناً معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے والے صرف صوفیاء کرام ہی ہیں اور انہی کی سیرت سب سے اعلیٰ اور انہی کا طریقہ سب سے درست ہے۔ اگر سب حکماء کی حکمتیں اور تمام علمائے شریعت کے علوم جمع کئے جائیں

Marfat.com

تا کہ صوفیاء کرام کی سیرت میں پہلے سے کوئی مزید یا بہتر تغیر کیا جائے تو یہ ممکن نہیں؟ کیونکہ ان کی سیرت پہلے ہی انوارِ نبوت کے مشکوٰۃ سے مقتبس ہے۔اس طریقہ کا کیا کہنا...... جس کی طہارت ماسویٰ اللہ سے دل کا پاک کرنا اور جس کی تکبیر تحریمہ کلیتاً ذکر الٰہی میں محو ہو جانا ہے۔ یہ لوگ عالم بیداری میں ملائکہ کو اور ارواح انبیاء کو دیکھتے اور ان سے اخذِ فیض کرتے ہیں۔ آخر کار یہ اس مقام قرب ذات تک پہنچ جاتے ہیں۔جس کو کما حقہٗ جامہ الفاظ پہنانا ممکن نہیں۔اس لئے بعض لوگ اسے حلول خیال کرتے ہیں اور بعض لوگ اسے اتحاد اور وصول سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ صرف الفاظ کی کوتاہ دامنی کا نقص ہے کہ ان کی استعداد نا تمام اس کیفیت تمام کے اظہار سے قاصر ہوتی ہے۔غرض جس شخص کو ذوق تصوف حاصل نہیں۔ وہ حقیقت نبوت کو ایک اسم یا رسم کے بغیر اور کیسے سمجھ سکتا ہے۔صوفیاء کرام کے طریقہ پر گامزن ہونے سے جو اُمور مجھ پر منکشف ہوئے ان میں حقیقت نبوت اور اس کی خاصیت بھی ہے۔اس کا علم اگر بطور ذوق کے ہو تو وہ مشاہدہ کا حکم رکھتا ہے گویا کہ اس کو چھو کر دیکھ لیا ہو۔اور اس قسم کا یقینی علم صوفیاء کرام کے طریقہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔[1]

صوفیاء کا کشف و وجدان یقینی ہے

یہ امر یقینی حیثیت رکھتا ہے کہ صوفیاء اور عرفاء کا کشف و وجدان اور شہود و عرفان ہی قرب و معرفت کا حتمی ذریعہ ہے۔

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ [2] کا مقام اور اسی طرح مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰى [3] کا اکرام بھی دیدہ حق بیں کا ہی انعام ہے۔اور یہ اعلان دیدۂ بینا کی ہی شان اور دلِ

---

[1] تلاش حق اردو مترجم [2] صحیح بخاری، رقم:۵۰ [3] النجم، ۱۷:۵۳

بیدار کی ہی پہچان ہے۔

یہ واضح شہود...... یہ بے حجاب نمود...... یہ کامل عرفان...... اور یہ مکمل ایقان ہی فقر و تصوف کی جان ہے۔ شنید سے دید تک...... اور گوش سے آغوش تک رسائی ہی صوفیاء اور عرفاء کی تگ و دو کا مقصود ہے۔ خود آگاہی اس کا وسیلہ اور خدا شناسی اس کا نتیجہ ہے۔ علم الیقین ہی تلاشِ حقیقت کی ابتداء اور حق الیقین اس کی انتہا ہے۔ یہ متاعِ بے بہا اور یہ دولتِ سرمدی ہی حیاتِ ابدی اور فردوس معنوی ہے۔ یہی عشق کی منزل اور مذہب کا حاصل ہے

؎ چناں با ذاتِ حق خلوت نشینی
ترا اُو بیند و اُو را تو بینی

تلاشِ حقیقت کے ذریعے

عام انسان تو عالم کثرت اور صورت کو ہی حقیقی سمجھ کر...... اسی پر قانع رہتا ہے اور اپنی طبعی...... جسمانی ضروریات کی مناسب تسکین ہی اس کا منتہائے مقصود ہوتی ہے۔ خورد و نوش اور تولید و تناسل ہی کا نام اس کے نزدیک زندگی ہے۔ لہٰذا اس کی ساری تگ و دو...... انہی امور کے حصول اور وصول تک محدود رہتی ہے۔ یہ زندگی کی حیوانی اور سب سے پست سطح ہے۔ لیکن کچھ لوگوں کے دلوں میں زندگی کے آغاز و انجام...... فنا و بقا...... خیر و شر...... اور جزا و سزا کے متعلق کچھ سوالات پیدا ہوتے ہیں اور وہ عقلی تگ و دو سے ان سوالات کے جوابات مہیا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی کوششوں کے نتائج فلسفہ اور حکمت ظاہری کے رنگ میں نمودار ہوتے ہیں۔ چونکہ ذاتِ حق محبوب ترین ہستی ہے۔ اس لئے اس کی یافت کے لئے عزیز ترین نصب العین اور ذریعہ دریافت کرنا چاہئے۔ لہٰذا اس ذات کے ساتھ تعلقاتِ عبودیت

Marfat.com

ومحبت استوار کرنے ضروری ہیں۔ یہی تعلقات بالآخر تلاش حق کے ذرائع بن جائیں گے۔

دلِ بینا

ایک خاص اور قلیل طبقہ انسانوں کا ایسا بھی ہوتا ہے جس پر کثرت...... صورت اور عالم ظاہر کی تغیر پذیری اور بے ثباتی واضح ہوجاتی ہے اور ان کے دلوں میں فانی کے بجائے باقی...... عارضی کے بجائے مستقل...... اور مجازی کے بجائے حقیقی کی جستجو شدید غلبہ کرجاتی ہے تو وہ ہمہ تن اس جستجوئے حقیقت میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ اس جستجو میں ان پر عقل وخرد پر مبنی دلیل و برہان کی ناتمامی واضح ہوجاتی ہے اور انہیں کہنا پڑتا ہے۔

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں
صدیوں ہی فلسفہ کی چنان و چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

پھر وہ ریاضات اور عبادات سے دل کے تصفیہ اور تزکیہ کا اہتمام کرکے دل کو دلِ بینا بنالیتے ہیں۔ دیدۂ دل کی بیداری سے ان پر انکشافِ حقیقت ہوجاتا ہے اور وہ علم الیقین سے حق الیقین کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ جو تکمیلِ عرفان وایمان کا مقام ہوتا ہے۔ وہ اس عالم میں کثرت میں وحدت اور بے ثباتی میں ثبات کو پالیتے ہیں اور

يٰاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِىٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً [۱]

کے مصداق بن جاتے ہیں اور انہیں شک کے بجائے یقین...... اضطراب کے بجائے اطمینان...... اسلام رسمی کے بجائے اسلام حقیقی...... اور ایمان تقلیدی کی بجائے ایمان

۱۔ الفجر،۸۹: ۲۷۔ ۲۸

تحقیقی نصیب ہو جاتا ہے۔ اسی شہودِ حق کو فقر...... احسان...... یا تصوف کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور اسی کو حیات روحی یا نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے۔

سچی کامیابی

تکمیل عبادت یہی ہے کہ اس میں حضور نصیب ہو جائے...... حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ کَاَنَّكَ تَرَاهُ [1] جب طالب انتہائے طلب میں قرب کے ایسے مقام پر پہنچ جائے کہ حقیقتِ مطلوب...... محسوس بن جائے اور مطلوب...... موجود و معلوم ہو تو مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور مسافر راہِ طلب، منزل حقیقت کو پا لیتا ہے اور حقیقت کو ایک امرِ واقعی کی طرح...... یقینی طور پر پالینا ہی سچی کامیابی ہے اور یہی فقر اور تصوف کی حقیقت ہے۔

حضرت امام غزالی اور مراتب یقین

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یقین کے تین درجے ہیں:

○ ...... **پہلا** درجہ عوام کے ایمانِ مجرد کا ہے جو محض خبر پر مبنی ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی بھی عام آدمی کسی ثقہ آدمی کی خبر سے کسی واقعہ کو مان لیتا ہے۔ مثلاً اسے اگر کہا جائے کہ گھر کے اندر کوئی آدمی موجود ہے تو اگر سننے والے کو کہنے والے پر اعتبار ہے تو وہ ذاتی مشاہدہ کے بغیر ہی محض خبر اور اطلاع کی بنا پر ہی گھر میں آدمی کی موجودگی کو مان لے گا۔

○ ...... **دوسرا** درجہ علماء کے ایمان کا ہے۔ یہ لوگ ایمان کے مرتبہ تک دلیل و برہان اور استنباط کے ذریعے پہنچتے ہیں۔ یہ گھر کے اندر کسی آدمی کے ہونے کو آثار و قرائن (مثلاً اس کی آواز وغیرہ کے سننے) سے جان اور مان لیتے ہیں۔

---

[1] صحیح البخاری، رقم: ۵۰

Marfat.com

۵...... **تیسرا** درجہ عرفاء اور صوفیاء کے ایمان کا ہے۔ ان کے یقین و ایمان کی بنیاد بے حجاب ذاتی مشاہدۂ حق پر مبنی ہوتی ہے۔ ان کی مثال ایسی ہے کہ وہ گھر کے اندر داخل ہو کر...... گھر میں موجود شخص کو بالمشافہ دیکھ لیتے ہیں اور دیکھنے کی بنا پر مانتے ہیں۔ یہی لوگ اللہ کے احباب اور برگزیدہ ہیں۔ ان کی آنکھوں سے حجابات اٹھ جاتے ہیں...... ان پر بصیرت کے تمام دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس مقام پر بندہ رب کا بے حجاب جلوہ دیکھنے لگتا ہے اور مقام یقین پر پہنچ جاتا ہے۔ جہاں شک اور ریب کا گزر نہیں ہونے پاتا......اور شک کی مجال نہیں کہ پس و پیش سے حملہ آور ہو۔[۱]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام غزالی کے نزدیک یقینی معرفت نہ عوام کا کام ہے نہ علماء ظاہر (فلاسفہ اور حکما) کا مقام۔ بلکہ یہ صرف صوفیاء کا خصوصی انعام ہے۔ جو ذوق روحی اور مشاہدہ الٰہی کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ یہ لوگ بغیر کسی واسطہ کے دیدار حق سے مشرف ہوتے ہیں۔ اس علم کی کیفیت کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ الہام ہے یا وجدان ...... لیکن اس کا نتیجہ سچا عرفان اور حقیقی ایمان ہے۔ علم و یقین کے یہ تینوں درجے قرآن حکیم سے ماخوذ ہیں ...... علم الیقین دلیل سے حاصل ہوتا ہے۔ عین الیقین منطقی برہان کا نام ہے...... حق الیقین کشفی و عیانی معرفت سے تعبیر ہے۔

حضرت ذوالنون مصری اور درجات معرفت

اس سلسلہ میں حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

معرفت کے تین درجے ہیں۔ پہلی قسم کی معرفت عوام کی ہے کہ وہ عقیدہ کے لحاظ سے خدا کو مانتے ہیں اور دوسری قسم کے لوگ عقل کی رہبری میں دلیل سے خدا کو مانتے اور پہچانتے ہیں اور تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو دل کی بصیرت سے خدا کو مانتے

۱؎ احیاء العلوم، ۱۵/۳

Marfat.com

اور پہچانتے ہیں...... یہی تیسری قسم سب سے بہتر ہے اور اسی سے یقین وایقان کا وہ مقام حاصل ہوتا ہے جو حاصل ایمان ہے۔ خدا کی معرفت...... تعلیم واستدلال اور دلیل و برہان سے نہیں بلکہ الہام و وجدان سے حاصل ہوتی ہے اور جو معرفت الہام ووجدان سے حاصل ہوتی ہے وہی لذاتِ معرفت کو صحیح طور پر منکشف کرتی ہے۔ ا؎

حضرت جنید بغدادی اور معرفت

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

''حق تعالیٰ کا علم ثابت ہو جانے سے اپنی جہالت کو پالینے کا نام معرفت ہے''۔ کسی نے عرض کیا مزید تشریح فرمایئے...... فرمایا ''وہی عارف ہے اور وہی معروف''۔ ۲؎ ''ظاہری صورت کے مطابق اشیاء کا واضح ہونا علم ہے اور اشیاء کے باطن کا منکشف ہو جانا معرفت ہے''...... ''اللہ نے عوام کو صرف علم ظاہر تک محدود رکھا ہے لیکن اپنے اولیاء کو معرفت کے ساتھ مخصوص کیا ہے''۔ ۳؎

حضرت غوث علی قلندر اور تصوف

سلوک وتصوف کی تعریف میں صاحب تذکرہ غوثیہ رقمطراز ہیں:

اصطلاحِ صوفیاء کرام میں اس کے معنیٰ طلب تقربِ حق تعالیٰ ہیں۔ یہ ایک علم شریف ہے اس کا طالب دل ہے نہ کہ زبان...... اس صراطِ پُربیم کا سالک قلب ہے نہ کہ قدم...... اس کا نام علم قلب...... حکمتِ فقر...... اور علم باطن ہے...... اسی کے مقامات کا نام شریعت وطریقت اور حقیقت ومعرفت ہے۔ اسی علم کے ابواب کا نام طلب...... عشق...... عرفان...... توحید...... استغناء...... فنا...... اور بقا ہے۔ اسی علم کے حصول کو ذکر وفکر...... صحو وسکر...... فرحت اور محویت...... شہود اور حیرت کہتے ہیں۔ اسی

ا؎ الحیات الروحیہ فی الاسلام ۲؎ تعرف ۳؎ ایضاً

علم سے اپنی ذات کا عرفان اور ذاتِ حق کا ایقان حاصل ہوتا ہے۔ [1]

حضرت امام غزالی اور تصوف

حضرت امام غزالی اپنے رسالہ ''المنقذ من الضلال''میں لکھتے ہیں:

میں علم مشہودہ کی تعلیم و تکمیل سے فارغ ہوکر درس وتدریس میں مشغول رہا اور ساتھ ہی ہر مذہب اور ہر مسلک کی چھان بین کرتا رہا اور آخر کار کتب تصوف کا مطالعہ کر کے اس کے عملی تجربہ کے لئے دس سال تک خلوت میں مجاہدہ اور مراقبہ کرتا رہا...... اثنائے خلوت میں مجھ پر ایسے امور کا انکشاف ہوا...... جن کو احاطۂ بیان میں لانا مشکل ہے۔ چنانچہ مجھ پر واضح ہوگیا کہ صرف صوفیائے کرام اور سالکانِ راہ خدا کا طریقہ ہی صحیح ہے۔''

مندرجہ بالا بیانات سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ صوفیاء کرام کا مقصدِ وحید عرفان و شہود ذاتِ حق ہے۔ ان کے نزدیک یہی جانِ ایمان ہے اور یہ ذاتی تجربہ ہی صداقتِ مذہب کے حصول کا صحیح معیار ہے اور اسی پر یقین کا دارومدار ہے۔ صوفیاء کرام کی محققانہ شخصیت اس سے کم تر کسی بات پر مطمئن نہیں ہوتی۔ وہ قال پر نہیں...... بلکہ حال پر...... دلیل و برہان پر نہیں...... بلکہ شہود و عرفان پر تکیہ کرتے ہیں۔ وہ بصارت پر بصیرت کو اور قیاس پر تجربہ کو قطعی فوقیت دیتے ہیں۔ وہ صفات پر قناعت نہیں کرتے بلکہ جلوہ ذات کے طالب ہوتے ہیں۔

عرفان، وجدان اور علامہ اقبال

''مذہب صرف اعتقادات اور ان پر مبنی اخلاقی ضابطوں کے مجموعہ سے ہی معنون نہیں...... بلکہ ہر اچھے مذہب کا مقصد حقیقی، مذہبی اقدار کے منبع کی تلاش ہے۔

---

[1] تعلیم غوثیہ

Marfat.com

مذہب ہم میں ماورائے حواس...... حقیقت کی طلب وتلاش کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔
قرآن کا مقصد انسان میں اس شعور اعلیٰ کو پیدا کرنا ہے جس سے وہ ذات اور کائنات اور خالق ومخلوق میں صحیح تعلق کا تعین کر سکے اور اس کا آخری انعام یہ ہے کہ روح انسانی...... ذاتی طور پر حقیقت الحقائق کا ادراک کر سکے...... روحِ مذہب...... حقیقت سے ذاتی رابطہ پیدا کرنا ہے۔ مذہب MATHEW ARNALD کے خیال کے مطابق صرف جذبات سے ملوث اخلاقیات ہی نہیں...... بلکہ اس کا اصلی مقصد ذاتِ حقیقی سے ذاتی اور قریبی رابطہ قائم کرنا ہے...... اور یہ تمنا اور طلب، حمد وثنا اور عبادت ودعا کے رنگ میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ مذہب بنیادی طور پر حق کے ذاتی عرفان اور وجدان کا نام ہے۔ خدا کی ذات کا ذاتی روحانی شہود وعرفان ہی مذہب کی جان ہے۔ (لیکچرز)

مقصدِ تخلیق معرفت ہے

صوفیاء اور حکماء دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ زندگی کا بنیادی مقصد عرفان ہے۔ دینی نقطہ نظر سے بھی تخلیق کا مقصد عرفان ہی قرار دیا گیا ہے۔ حدیث قدسی اس امر کی شاہد ہے: كُنتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ ١؎
''میں گنج مخفی (حسنِ مستور) تھا...... میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں...... پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔'' دیکھئے یہاں کس وضاحت اور قطعیت سے زندگی کا اصلی مقصد عرفانِ ذات قرار دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں جن وانس کی تخلیق کا مقصد صرف عبادت بتایا گیا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ٢؎

لیکن عبادت کی باطنی کیفیت کیا ہے اور معبود سے روحانی لگاؤ کیسا ہوتا ہے؟ یہ

١؎ البحر المدید، احمد بن محمد الادریسی: ۵/ ۱۷ ٢؎ الذاریات، ۵۱: ۵۶

Marfat.com

امورعرفان سے ہی تعلق رکھتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا

لِيَعْبُدُوْنَ بِقَوْلِهٖ لِيَعْرِفُوْنَ [۱]

کیونکہ صحیح عبادت بھی صحیح عرفان کے بغیر ممکن نہیں۔ عبادت ایک رضا کارانہ قلبی لگاؤ ہے۔ ایک مقصد اعلیٰ کے حصول کیلئے داخلی وارادی تگ ودو ہے۔ عبادت میں دل کا انتہائی لگاؤ اور جھکاؤ ضروری ہے اور یہ دونوں باتیں معبود سے انتہائی محبت کے بغیر ممکن نہیں اور یہ شدید محبت...... یہ کامل سپردگی...... یہ انتہائی عجز و نیاز...... معبود کے جمال و کمال کے عرفان کے بغیر ممکن نہیں...... پس عبادت کی روح بھی عرفان ہی ہے۔ عبادت اور معرفت میں اتنا گہرا رابطہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں مترادف بن کر رہ گئی ہیں۔

عقل اور وجدان

مقصد حیات کے تعین میں اتفاق کے بعد صوفیاء اور حکماء میں اس بات پر بھی تقریباً اتفاق ہے کہ معرفت کے حصول اور حقیقت کی یافت میں عقل وخرد اور ان پر مبنی دلیل وبرہان ناکام ہوتے ہیں۔ حقیقتِ کلی کو عقل جزئی پا نہیں سکتی۔ مولانا روم کا یہی یقین تھا۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود
گر بہ استدلال کارِ دیں بدے
فخر رازی رازدارِ دیں بدے

حضرت اقبال کا بھی عقل کی ناتمامی کے متعلق یہی خیال تھا۔

۱۔ تفسیر روح البیان، ۱/۳۳۵

Marfat.com

عقل گو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں
انجام خرد ہے ناصبوری
ہے فلسفہ زندگی سے دوری

سائنس اور منطق کی انتہائی ترقی کے باوجود اور سائنس کے ذریعے زمان و مکان میں حسب خواہش تصرفات کے باوجود...... حکمائے مغرب کی اکثریت بھی حقیقتِ کائنات کی یافت کے سلسلہ میں عقل کی ناتمامی اور ناکامی کا برملا اعتراف کر رہی ہے اور حقیقتِ حیات اور اقدارِ حیات کے عرفان کیلئے عقل کے بجائے وجدان کا دامن تھام رہی ہے۔

برگسان کی عقل پر تنقید

برگسان...... عقل اور وجدان کا تقابل کرتے ہوئے بیان کرتا ہے: کہ حیات نے عقل وشعور کو ماحول سے تطابق کے لئے پیدا کیا ہے۔ عقل کا معروض صرف عمل ہے۔ عقل تو کنیزِ حیات ہے اور خدمتِ حیات کے لئے ایک مفید آلے کا کام دیتی ہے۔ ماہیت حیات کے فہم کے لئے مجموعی شخصیت کو کام میں لانا پڑے گا اور عقل تو مجموعی شخصیت کا صرف ایک حصہ ہے۔ فکر وخیال...... عملی طور پر مفید ہیں...... لیکن صحیح نہیں...... وجدان صحیح ہے لیکن عملی کاموں میں مفید نہیں۔ وجدانی تاثرات...... زبان و بیان اور منطقی اور علمی اسلوب میں ڈھالے نہیں جاسکتے۔ اگر قابلِ اظہار اور قابلِ بیان ہونے کو ہی معیار قرار دیا جائے تو پھر وجدان زمرۂ علم سے خارج ہوگا۔ لیکن معیارِ علم اظہاریت نہیں بلکہ صداقت اور قطعیت ہے۔ اور یہ ناقابل تردید قطعیت صرف وجدان کو ہی حاصل ہے۔ زندگی کے بنیادی حقائق صرف وجدانی شعور سے ہی جانے

Marfat.com

جاسکتے ہیں۔ ہم ان کی صداقت کو پہچان لیتے ہیں ...... لیکن بیان نہیں کر سکتے۔ ہم صرف جسمانی آنکھوں سے ہی نہیں بلکہ روحانی آنکھوں سے بھی دیکھتے ہیں اور وہ روحانی مشاہدہ جسمانی مشاہدہ سے کہیں زیادہ واضح اور یقینی ہوتا ہے۔ ہم وجدانی قوت سے ماورائے حواس...... عالم کو دیکھ لیتے ہیں۔ حسن وقبح اور کیفیات باطنی کا ادراک...... عقل وخرد اور تعلیم وتربیت سے نہیں بلکہ وجدانی صلاحیت سے ہی ممکن ہے۔

ہم خوشی اور غم کے جذبات کے خارجی اثرات کو تو دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن کسی بھی دلیل عقلی سے ان کی کیفیت کو نہیں سمجھ سکتے۔ جذبات کا عقلی تصور اور ہے، لیکن جذبات کا قلبی تاثر کچھ اور چیز ہے۔ ہم خوشی اور غم کی کیفیات کو اپنے دل پر طاری کر کے ہی ان کیفیات کا ادراک کر سکتے ہیں۔ محبت کی شدت اور اس کی باطنی کیفیت کو ہم دلیل وبرہان سے نہیں بلکہ ذاتی تاثر اور وجدان سے ہی جان سکتے ہیں۔ وجدان میں ہم حقیقت سے ہمکنار ہو کر اس کو کما حقہ پالیتے ہیں۔ وجدان میں عالم ومعلوم اور ناظر و منظور کا امتیاز اٹھ جاتا ہے اور زندگی، زندگی میں محو ہو کر زندگی کو پالیتی ہے۔ وجدانی حالت میں معلوم خارج میں نہیں ہوتا بلکہ ایک داخلی تاثر کے رنگ میں اپنا ہی حصہ معلوم ہوتا ہے۔ اور جس طرح ہمارا اپنا شعورِ ذات کسی دلیل کا محتاج نہیں ہوتا اور بغیر دلیل کے انتہائی یقین کی صورت حاصل کر لیتا ہے اسی طرح وجدان بھی قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔

وجدانی علم اور فلاسفہ

وجدانی علم ...... سیدھے سادھے روحانی مشاہدہ کا نام ہے ...... یہ شک سے پاک ہوتا ہے۔ وجدانی علم ...... استقرائی یا قیاسی نہیں بلکہ الحاقی ہوتا ہے۔ یہاں التباس حواس کی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہاں زندگی، زندگی کو بلاواسطہ طور پر بالمشافہ دیکھتی ہے۔ منطقی علم تو صرف صورت اور عکوس وظلال کا علم ہے۔ یہ حقیقت اور ماہیت

Marfat.com

کا علم نہیں ہوتا۔ وجدان کے مقابلہ میں منطقی اور قیاسی علم ...... سراسر جہل کے مترادف ہے۔ وجدان میں عالم، کلی شخصیت ہے...... اور معلوم، کلی حقیقت اور منطقی علم میں عالم جزئی ...... شخصیت ہے اور معلوم، صرف صورت۔ اس لئے اس ناتمام منطقی علم کو ہم علم صحیح نہیں کہہ سکتے۔ ''ہمیں اپنی انا کا وجدانی علم حاصل ہوتا ہے اس لئے یہ بلا دلیل و برہان ثابت ہوتا ہے۔ وجدانی علم دلیل و برہان سے مانا نہیں جاتا بلکہ یہ خود ہر علم کی دلیل و برہان ہوتا ہے''۔ (فشٹے FISTE) کے نزدیک بھی ''اپنی ذات کا علم وجدانی ہے اس لئے قطعی ہے۔''

کانٹ

کانٹ (KANT) کے نزدیک بھی شعورِ ذات (وجدانی علم) ہی ہر علم و فکر کی بنیاد ہے۔ انا کا عنصر ہر فکر اور ہر خیال میں پایا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے وجدانی علم ہی ہر تفکر اور تعقل کی بنیاد ہے۔

شوپنہار

شوپنہار کے خیال میں ہم سطحیت سے معنویت کی طرف اپنے داخلی تجربہ سے ہی پہنچتے ہیں۔ ہر صورت ہمارے داخلی ارادہ کی ہی مظہر ہے۔ چونکہ حقیقت ایک آفاقی ارادہ یا قوت ہے اور یہ ایک داخلی کیفیت ہے۔ لہٰذا اس تک رسائی عقل سے نہیں بلکہ تاثر اور تجربہ ذاتی سے ہی ممکن ہے اور یہی وجدانی علم ہے۔

کانٹ کے خیال میں علم و ادراک ...... زمان و مکان کے تصور کے بغیر ممکن نہیں اور ''حقیقت'' چونکہ زمان و مکان سے ماوراء ہے ...... اس لئے یہ عقلی ادراک کا موضوع نہیں بن سکتی۔ لیکن اقبال اس پر سوال کرتا ہے کہ کیا عقلی تفکر کے علاوہ اور کوئی ایسا ذریعہ علم موجود نہیں؟ جو زمان و مکاں کے تصور کے بغیر حقیقت کلی کا ادراک کر

Marfat.com

سکے۔ اقبال کا اذعان یہ ہے کہ وجدان وہ حاسہ ہے جو لازمانی اور لامکانی حقائق کا ادراک کرسکتا ہے۔ کانٹ اور اقبال دونوں کے نزدیک زمان و مکان ...... حقیقت خارجی کی صفات نہیں بلکہ ہماری عقل کے تعینات ہیں جو وہ ادراک جزئی کے لئے حقیقت پر عائد کرتی ہے۔ یہاں تک تو اقبال کانٹ سے متفق ہے

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری
زماں ہے نہ مکاں لا الٰہ الّا اللہ

لیکن یہاں سے آگے اقبال کا راستہ الگ ہوجاتا ہے اور وہ حقیقت کی یافت کے لئے عقل و خرد کو چھوڑ کر وجدان کا دامن تھام لیتا ہے ...... یوں وہ صوفیاء اور عرفاء کے زمرہ میں چلا آتا ہے۔ یہاں اقبال ...... رومی ...... غزالی اور دیگر صوفیاء حقیقت شناسی کے سلسلہ میں عقل کی ناتمامی اور وجدان کی افادیت میں ہم زبان ہیں۔

؎ دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

اقبال

اقبال وجدانی تجربہ کے لئے اپنی "ذات اور انا" کے وجدانی تجرباتی علم سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس کو دلیل بنا کر حقیقتِ مطلق کی یافت کیلئے وجدان کی افادیت کو ثابت کرتا ہے۔ ہماری اپنی انا کا علم ہمیں بغیر حواس کے یا صوفیاء کی زبان میں حصولی طور پر نہیں بلکہ حضوری طور پر حاصل ہوتا ہے۔ جس میں زمان و مکاں اور صورت و شکل کا کوئی تعین نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے باوجود ...... یہ علم سب سے قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ یقینی علم ہوتا ہی وہ ہے جس میں التباس حواس نہ ہو اور وہ کلی ہو اور وہ ذاتی تجربہ کی حیثیت رکھتا ہو۔ اور وہ علم صرف وجدانی ہے۔ اس کے بغیر جو بھی علم ہے، وہ جزئی ہے ...... ظنی ہے ...... اس لئے صحیح علم نہیں۔

Marfat.com

پس خدا کی ذات کا صحیح علم بھی صرف وجدانی طور پر ہی حاصل ہو سکتا ہے...... جو براہ راست...... بالمشافہ اور مکمل ہوتا ہے۔ صوفیاء کرام نے حقیقت شناسی کیلئے ہمیشہ وجدان کو ہی استعمال کیا۔ آج حکمائے مغرب بھی اس حقیقت کے معترف ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ حکماء کو وجدان کا عقلی اعتراف ہے تو صوفیاء کو اس کا تجربہ ہے۔ حکماء ہنوز وجدان کے امکان کے معترف ہو رہے ہیں۔ لیکن صوفیاء اس کی افادیت کو بطور تجربہ کے ثابت کر چکے ہیں۔ عقل و خرد...... زندگی اور ماحول میں تطابق پیدا کر کے بقائے حیات کا فریضہ ادا کرتی ہے۔ لیکن وجدان...... روح انسانی اور روح مطلق میں توافق پیدا کر کے روحانی ارتقاء اور تکمیل کا کام کرتا ہے۔

- عقل بتاتی ہے...... وجدان دکھاتا ہے
- عقل اشارہ کناں ہوتی ہے...... لیکن وجدان منزل پر پہنچاتا ہے
- عقل جویائے راہ ہوتی ہے...... لیکن وجدان دانائے راہ ہوتا ہے۔
- عقل کی رسائی نقاب تک ہے...... لیکن وجدان جلوہ بے حجاب کو دیکھ پاتا ہے۔
- عقل...... سنگ میل تک جاتی ہے...... تو وجدان دیارِ حبیب تک پہنچاتا ہے۔

علم فقیہ و حکیم ، فقر مسیح و کلیم
علم ہے جویائے راہ ، فقر ہے دانائے راہ
فقر مقام نظر ، علم مقام خبر
فقر میں مستی ثواب ، علم میں مستی گناہ
علم کا موجود اور ، فقر کا موجود اور
اَشھدُ اَن لَا الٰہ ، اَشھد اَن لَا الٰہ

(اقبال)

Marfat.com

مراقبہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا [۱]

ہست حق از ما بما نزدیک تر
ما ز دوری گشتہ جویاں در بدر

سائنس اور عقل کا معروض

اس عالم کون ومکاں اور اس جہان رنگ و بو کے فہم اور ادراک کے لئے ہم حواس اور عقل سے کام لیتے ہیں۔حواس کے ذریعے ہم خارجی احساسات کو عقل تک پہنچاتے ہیں اور عقل تجربہ وترکیب اور ترتیب کے تسلسل سے نتائج اور نتائج کی یکسانیت سے قانون اور اصول وضع کرتی ہے جو آئندہ کی تعمیر اور ترقی کے لئے نہاد اور بنیاد کا کام دیتے ہیں۔خارجی احساسات کے اس حکیمانہ تجزیہ کا نام سائنس ہے۔ جس کا بنیادی مقصد......حیات اور کائنات میں ہم آہنگی اور ماحول پر فتح یابی ہے۔

صوفیاء کا نظریۂ علم

دنیائے حواس سے ماوراء دنیائے حقائق کا ادراک ممکن ہے یا نہیں؟ اور اگر ممکن ہے تو اس ادراک کا ذریعہ کیا ہے؟ اور کیا یہ دنیائے غیب، ذاتی تجربہ کا موضوع

ا۔ پ ۴ ع ۱۲

Marfat.com

بن سکتی ہے؟ صوفیاء کی زبان میں ''عالم آشوب حسن مستور'' کا دیدار ممکن ہے یا نہیں؟ یہاں صوفیاء کا اپنا ایک مخصوص نظریہ علم ہے اور اس مضمون میں اسی نظریہ علم سے بحث مقصود ہے۔

افلاطون کا نظریہ یہ ہے کہ غیر موجود کا علم تو ممکن ہی نہیں اور موجود وہمی کا علم صرف رائے یا قیاس کا درجہ رکھتا ہے۔ علم حقیقی صرف موجود حقیقی کے متعلق ہی ممکن ہے۔ پس کائنات بے ثبات کے متعلق واقفیت بھی قیاس اور رائے یا ظن وتخمین کا حکم رکھتی ہے۔ صرف ذات حق (موجود حقیقی) کا علم ہی علم صحیح ہے۔ ہم نے یہی معلوم کرنا ہے کہ اس حقیقی علم کے حصول کا ذریعہ فطرت انسانی میں کونسا ہے؟ اور صوفیاء اور عرفاء کس ذریعے سے ذات حق کے متعلق علم حقیقی حاصل کرتے ہیں۔

جستجوئے حقیقت

انسان کے دل میں جستجوئے حقیقت کا آغاز ایک احساس ناتمامی یا ایک ناقابل بیان سی روحانی تشنگی سے شروع ہوتا ہے۔ روح انسانی میں منزل سے دوری یا اپنے نادیدہ محبوب سے مہجوری کا مبہم سا، لیکن اضطراب انگیز احساس پیدا ہو کر کروٹیں لینے لگتا ہے۔ کچھ یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ میری یہ حیات مستعار ایک خواب ہے یا سراب ہے۔ ایک انجانے سے وطن تک پہنچنے کی شدید خواہش کے زیر اثر حیات ظاہری، زنداں میں اسیری سی معلوم ہونے لگتی ہے۔ روح کا طائر اسیر اس قفس میں بیٹھ کر شجر طوبےٰ پر اپنے ازلی اور ابدی آشیاں کو یاد کرنے لگتا ہے۔ کون ومکاں کے قفس میں اس کا سانس گھٹنے لگتا ہے۔ وہ اس قفس کی تیلیاں توڑ کر اور طلسم زمین وزماں کو چھوڑ کر ابدیت کی حدود ناآشنا وسعتوں میں پرواز کرنا چاہتا ہے۔

Marfat.com

ہر کسے کہ دور ماند از اصل خویش
باز جوید روز گار وصل خویش

ناتمامی...... تشنگی...... دوری...... اور مجبوری کا یہ احساس جب شدت اختیار کر لیتا ہے تو پھر روح مضطرب کوئی راہ رستگاری تلاش کرنے لگتی ہے۔ اس وقت دل میں زیادہ جاننے اور زیادہ چاہنے کے دو شدید تقاضے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اگر تقاضائے علم غالب ہو تو جستجوئے حقیقت فلسفہ اور سائنس کے رنگ میں نمود کرتی ہے۔ اس سے یہ اپنے گرد و پیش کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ حقیقت مستور اور حسن منتظر کے متعلق اندازوں اور ظن و تخمین کا تانا بانا تیار کراتی ہے۔ استدلال کے محدود اور کمزور زینے کے ذریعے یہ ابدیت کے غیر محدود بام رفیع تک پہنچنا چاہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سعی لاحاصل اور یہ کوشش غیر مشکور ہوگی کیونکہ

مشام تیز سے ملتا ہے صحرا میں سراغ اس کا
ظن و تخمین سے ہاتھ آتا نہیں آہوئے تاتاری

اس سعیٔ طلب میں اگر جذبہ عشق غالب ہو، تو پھر جستجوئے حقیقت فنون لطیفہ کے روپ میں کارفرما ہوتی ہے اور پھر رازی اور فارابی کی بجائے رومی اور جامی وجود پذیر ہونے لگتے ہیں اور حضرت اقبال کی بیان کردہ کیفیت طاری ہونے لگتی ہے لیکن بہر رنگ طلبِ حسن جاری ہی رہتی ہے۔

اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی

اس سلسلہ میں مولانا روم نے ''سوداگر کے طوطے'' کی تشبیہ کے ذریعے طلب و جستجو کی اس روحانی واردات کو بڑے دلچسپ رنگ میں بیان کیا ہے۔ کیا کیا جائے، روحانی واردات مجازی رنگ اختیار کیے بغیر بیان بھی تو نہیں ہو سکتیں۔ یہاں

Marfat.com

اشارہ و کنایہ اور تشبیہہ و تمثیل سے ہی کام لینا پڑتا ہے۔ بقول غالب

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

صوفیاء نے ہمیشہ سر دلبراں کو حدیث دیگراں کے رنگ میں بیان کرنے ہی میں عافیت سمجھی ہے۔ ورنہ عقل ظاہر بیں جب باطنی کیفیات کو سمجھ نہیں پاتی تو کٹ حجتی اور تکرار پر اُتر آتی ہے۔ اس ضدی طفل مکتب کو کسی بالغ نظر نابغہ کے افکار عالیہ کون سمجھائے۔ مناسب یہی ہے کہ حکایت و روایت کے پردہ میں ہی اسے حقیقت کے کچھ احوال سنائے جائیں تاکہ اس کی ہٹ دھرمی ...... حکایت و روایت کی دلچسپی میں سمو سکے اور خواہ مخواہ کی چنین و چناں سے بچا جا سکے۔ اس لئے اصول یہ ہوا کہ

؎ خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں!

مولانا روم اور طوطے کی مثال

مولانا روم فرماتے ہیں کہ ایک سوداگر کے پاس ایک بڑا خوش شکل اور خوش گفتار طوطا تھا۔ اس کی میٹھی میٹھی باتوں سے جہاں سوداگر محظوظ ہوتا تھا۔ وہاں اس کے گاہک بھی مزا لیتے تھے اور یوں وہ طوطا تفریح اور تجارت دونوں کی ترقی کا وسیلہ تھا۔ ذاتی شوق اور تجارتی منفعت کی خاطر سوداگر طوطے کا خاص خیال رکھتا تھا۔ اس نے طوطے کے لئے بڑا ہی خوبصورت پنجرہ بنوا رکھا تھا اور طوطے کو بھی انواع و اقسام کی اشیاء کھانے کو دیتا تھا۔ لیکن اس تمام خاطر و مدارت کے باوجود طوطا اس اسیری کی محدود زندگی سے غیر مطمئن تھا۔ اسے جنگل کی وسیع اور آزاد فضا اور ہرے بھرے میوہ دار درخت یاد آتے تھے ...... جہاں وہ بچپن کے کچھ حسین دن گزار چکا تھا۔ قفس کی

Marfat.com

تنگی......جنگل کی وسعت کا اور اسیری کے مصنوعی کھانے......آزادی کے ثمر شیریں کا بدل نہیں ہو سکتے اور وہ قفس کی تیلیوں کو توڑ کر پھر سے آزادی کی فضائے بسیط میں پرواز کرنا چاہتا تھا لیکن کوئی راہ رستگاری نہ پاتا تھا۔ سوداگر جن کو طوطے کے نغمے سمجھتا تھا وہ دراصل فراق کے نالے تھے اور طوطے کی خوش بیانی اس کی باطنی پریشانی کا حجاب تھی۔ وہ باتوں ہی باتوں میں دل کی وارداتوں کو چھپاتا لیکن اصلی وطن کی یاد میں اسے کسی وقت بھی چین نہ آتا۔

بشنو! از نے چوں حکایت می کند
و ز جدائی ہا شکایت می کند
کز نیستاں تا مرا بہ بریدہ اند
از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

طالبانِ حقیقت کا سفر اسی اضطرابِ پیہم اور اسی کشاکشِ دمادم کے مقام سے ہی شروع ہوتا ہے۔ یہ اضطراب مسلسل ہی اطمینان دوام کے حصول پر ابھارتا ہے اور یہ باطنی بے چینی ہی تسکین کی وادیوں کی تلاش پر آمادہ کرتی ہے۔ جب لذت کام و دہن سے جی اکتا جائے اور جب جلوہ ہائے پابہ رکاب کی بے ثباتی واضح ہو جائے تو پھر اس حسن مستور کو تلاش کرنا ہی پڑتا ہے جو قائم اور ثابت ہو......اور جس میں تحدید......تغیر......اور فنا کا عیب نہ ہو۔

طوطا تشبیہاً روح انسانی ہے اور قفس سے مراد یہ دنیائے فانی ہے۔ عقل جزئی اور نفس حیوانی اس دنیائے بے ثبات کے حسن فانی اور لذات آنی کو پیش کر کے روح انسانی کو اس طلسم خیال اور اس سراب جمال میں مبتلا رکھنا چاہتی ہے کیونکہ وہ خود بھی اسیر فریب ہے۔ لیکن روح کو وطن اصلی کی یاد ستاتی ہے اور وہ تحدید سے اطلاق کی طرف اور اسیری سے آزادی کی طرف لوٹنا چاہتی ہے۔ یہ سفر نہ خارجی ہے اور نہ ہی

Marfat.com

زمانی یا مکانی..... بلکہ داخلی ہے اور اپنے ہی شعور کے پست درجہ سے اعلیٰ اور حقیقی سطح تک پرواز سے معنون ہے۔

سیر آفاقی وانفسی

صوفیاء کی اصطلاح میں کون ومکاں میں شعوری سفر اور صور و اشکال کی بے ثباتی کا ادراک سیر آفاقی ہے اور اپنی حقیقت کی معرفت یا اپنے شعور باطن سے اپنی حقیقت کی یافت سیر انفسی ہے۔ بقول محبوب ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ......سیر آفاقی میں حواس کی کارفرمائی ہوتی ہے اس لئے یہ علم حصولی ہے اور یہ تخمینی اور ظنی ہوتا ہے۔ لیکن سیر انفسی میں اپنی ذات کا علم بغیر حواس کے حاصل ہوتا ہے اور یہ علم حضوری ہوتا ہے جو شک اور ظن سے پاک ہوتا ہے اور حقیقی ہوتا ہے IDEALISTIC PHILOSIPHY کا بنیادی نکتہ بھی یہی ہے اور اسی پر اقبال کے فلسفہ خودی کا دارومدار ہے اور یہی صوفیاء کرام کے نظریہ علم کی نہاد ہے۔ حکیم الامت حضرت اقبال نظریہ خودی کے متعلق استدلال کو یہیں سے شروع کرتے ہیں۔

حضرت اقبال کا نظریہ ذات وکائنات

فروغ دانش ما از قیاس است
قیاس ما ز تقدیر حواس است
چوں حس دیگر شد ایں عالم دگر شد
سکون و سیر و کیف و کم دگر شد
تواں گفتن جہان رنگ و بو نیست
زمین و آسمان و کاخ و کو نیست

Marfat.com

خودی از کائنات رنگ و بو نیست
حواس ما جہان ما اُو نیست
اگر کوئی کہ من وہم و گماں است
نمودش چوں نمود این و آنست
بگو بام کہ دارائے گماں کیست
یکے در خود نگر آں بے نشاں کیست
جہان پیدا و محتاج دلیلے
نمی آید بفکر جبرئیلے
خودی پنہاں ز حجت بے نیاز است
یکے اندیش و دریاب ایں چہ راز است
خودی را حق بداں باطل مپندار
خودی را کشت بے حاصل مپندار

مُوتوا قبل انْ تمُوتوا

بہر حال سوداگر نے تجارت کیلئے رختِ سفر باندھا اور سب اعزہ واقربا سے ان کی پسند کے تحفے لانے کا وعدہ کیا۔ طوطے کو بھی اپنے سفر کے عزم سے آگاہ کیا اور پوچھا کہ کون سا تحفہ پسند کرے گا؟ طوطے نے کہا کہ دوران سفر میں اگر کسی وادی میں کسی شجر پر میرے ہم جنس طوطے نظر آئیں تو انہیں کہنا کہ تمہارا ایک بھائی اسیر قفس ہے اور وہ تمہیں سلام کہتا ہے اور التجا کرتا ہے کہ جب آزادی کی فضاؤں میں پرواز کرو یا کسی شجر پر، ثمر پر بیٹھ کر تفریح کرو تو کبھی کبھار اپنے اسیرِ قفس بھائی کو بھی یاد کر لیا کرو۔

چوں با حبیب نشینی و بادہ پیمائی
بہ یاد آر حریفاں بادہ پیما را

چنانچہ دوران سفر میں سوداگر کو ایک درخت پر طوطے کی نوع کے طوطے نظر پڑے تو اس نے اپنے طوطے کا پیغام اور سلام پہنچایا۔ جس کو سن کر کئی ایک طوطے تڑپ کر زمین پر آ گرے۔ سوداگر کو طوطوں کے مرنے کا صدمہ ہوا اور وہ وہاں سے چل دیا۔ واپسی پر اس نے سب اقرباء کو تحائف تقسیم کیے اور بڑے افسوس کے ساتھ طوطے کو اس کا پیغام سنا کر دوسرے طوطوں کے مرنے کی افسوسناک خبر سنائی۔ جسے سن کر اس کا طوطا بھی تڑپ کر گر گیا۔ سوداگر کو اس کے مرنے کا شدید صدمہ ہوا لیکن ناچار قفس کا دروازہ کھول کر اس کی لاش کو باہر پھینک دیا، لیکن طوطا زمین پر گرتے ہی اڑ کر قریبی درخت پر جا بیٹھا اور سوداگر سے کہا کہ میں نے طوطوں کو یہی پیغام بھیجا تھا کہ مجھے قفس سے رستگاری کا کوئی طریقہ بتاؤ۔ طوطوں نے مرنے کا ڈرامہ رچا کر مجھے **موتوا قبل ان تموتوا** کا پیغام دیا ہے کہ تم بھی عقل جزئی کو فنا کر دو، التباسِ حواس کے طلسم کو توڑ دو، فانی سے منہ موڑ لو اور پھر باقی سے رشتہ جوڑ لو۔ اور اس طرح شعور ظنی اور قیاسی کو معطل کر کے شعور حقیقی اور قلبی کو بیدار کر لو تا کہ تم تعلقات سر و سمن اور خیالات ما و من کی آلودگی سے رہائی پا کر منزل مقصود تک پہنچ سکو۔

یا رب! مددے کہ نفس را پست کنم
از بادۂ عشق عقل را مست کنم

شعور و لاشعور

شعور باطن کو بیدار کرنے کیلئے شعور ظاہر کا تعطل ضروری ہے۔ ماہرین نفسیات کا اس پر اتفاق ہے کہ جب تک شعور کو ایک حد تک معطل نہ کیا جائے تحت الشعور تک

Marfat.com

رسائی نہیں ہو سکتی۔ شعور...... تحت الشعور کا ایک بہت مختصر سا حصہ ہوتا ہے جو زندگی کو ماحول سے باخبر رکھنے کے کام آتا ہے۔ لیکن تحت الشعور تو نوعی اور ذاتی یادوں کا خزینہ ہوتا ہے۔ مہد سے لحد تک کے تمام تجربات کا دفینہ ہوتا ہے۔ اس کی گہرائیاں اتھاہ اور اس کی یادداشتیں بے پناہ ہوتی ہیں اور انسانی کردار اور طرز عمل کا تعین بیشتر تحت الشعور کے اختیار میں ہی ہوتا ہے۔ عقل تو محض لاشعوری احکام کے عقلی جواز کا اہتمام ہی کرتی رہتی ہے۔ کارفرمائی دانائی سے نہیں بلکہ لاشعور کی رہنمائی سے ہوتی ہے۔

عام حالات میں تو عقل انسانی کا بہت تھوڑا سا حصہ کارفرما ہوتا ہے۔ لیکن جذباتی ہیجان...... مقصدی یکسوئی یا دلی لگاؤ کی صورت میں...... شعوری اور لاشعوری قوتیں مل جاتی ہیں۔ انسانی فطرت کی سوئی ہوئی تمام تر صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور انسان کی علمی اور عملی توانائیاں کئی گناہ بڑھ جاتی ہیں۔ جب جذباتی قوت شاملِ حال ہو تو انسان وہ کچھ کر گزرتا ہے جس کا وقوع عام حالات میں اس کی صلاحیت کے پیش نظر...... بعید از امکان معلوم ہوتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ ہسپتال پر بمباری کی صورت میں جذبہ خوف کے زیر اثر بعض وہ مریض بھی بھاگ کھڑے ہوتے ہیں جو عام حالات میں بستر سے اٹھ بھی نہیں سکتے۔ اپنے بیمار بچے کی محبت کے زیر اثر ماں مسلسل کئی راتیں کھائے پیے بغیر جاگ کر گزار دیتی ہے جو غیر جذباتی حالت میں ممکن نہیں۔ وطن یا کسی اور مقصدی محبت کے زیر اثر ایک سپاہی سینکڑوں سے لڑ جاتا ہے اور اس جذباتی محویت کی حالت میں نہ تو زخموں کے درد کا احساس ہوتا ہے اور نہ ہی تکان کا غلبہ ہوتا ہے۔ ایسی ہزارہا مثالیں روزمرہ کی زندگی میں آپ کے سامنے آتی رہتی ہیں۔

عقل عیار اور عشق کامگار

سالکان طریقت جب حسن مستور کی تلاش میں زمان و مکان کی حدوں کو پھاند

کر بے کم وکیف فضاؤں میں سفر شروع کرتے ہیں تو عقل عیار اپنی نارسائی کے دیانتدارانہ اعتراف کے بجائے ...... دوریٔ منزل ...... خطراتِ سفر اور مشکلاتِ راہ کے بہانے تراشتی اور فرار کی راہیں نکالتی ہے۔ جو کم ہمت اور کوتاہ نظر مسافر ہوتے ہیں وہ عقلِ حیلہ جُو کے فریب میں آجاتے ہیں۔ وہ قدم اول ہی پر ٹھٹک کے رہ جاتے ہیں اور بسا اوقات سنگِ میل ہی کو منزلِ مقصود قرار دے کر وہیں بستر جمالیتے ہیں۔ یہ کم ہمت لوگ ...... بعد میں آنے والے طالبانِ معرفت اور راہ روانِ منزل شوق کی راہ میں سنگِ گراں بن جاتے ہیں اور اپنی دوں ہمتی کو عقل کے پردں میں چھپا کر کٹ حجتی سے دوسروں کی منزل بھی کھوٹی کرتے ہیں۔ یہی وہ نام نہاد عارف ہوتے ہیں اور یہی وہ کم ہمت سالک ہوتے ہیں جو حجابِ منزل اور رہزنِ راہ سلوک بن کر ...... دوسروں کو بھی پریشان کرتے ہیں اور خود بھی قعر مذلت میں جاگرتے ہیں

عقل ڈرتی ہے ہمیشہ گردش ایام سے
عشق کی منزل پرے ہے چرخ نیلی فام سے

دوسری طرف وہ مسافر ہوتے ہیں جو شوق کی ہم نوائی میں اور عشق کی رہنمائی میں ہر چہ بادا باد کا نعرہ مستانہ لگا کر دریائے طلب میں کود پڑتے ہیں۔ مستیٔ شوق اور محویت عشق میں نہ وہ موجوں سے ڈرتے ہیں اور نہ نہنگوں سے گھبراتے ہیں۔ ان کی تمام تر توجہ ساحل مراد پر ہوتی ہے جو ہر آن اور ہر لحہ آغوش محبت وا کئے ہوئے ان کا منتظر ہوتا ہے۔ وہ دائیں بائیں دیکھے بغیر محبت مقصد کے نشہ میں سرشار ...... جذبِ منزل کے زیر اثر ...... گردوپیش سے بے نیاز ...... مستانہ وار بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ یہ ان کی عقل اور فکری قوتوں کا کمال نہیں بلکہ ان کے جذب وشوق کا اعجاز ہوتا ہے کہ وہ کشتی کو توڑ کر اور لنگر کو چھوڑ کر عشق کو ناخدا اور شوق کو رہنما بنا کر ساحل مراد کو پالیتے ہیں، اور قعر دریا میں غوطہ لگا کر گوہر مقصود کو حاصل کر لیتے ہیں۔ یہاں عقل

Marfat.com

کھوجاتی ہے لیکن عشق پالیتا ہے ...... خرد ڈوب جاتی ہے لیکن عشق کامگار خراماں خراماں آستانِ یار تک جا پہنچتا ہے۔ عقل کی انتہائی کامیابی یہی ہوتی ہے کہ وہ کاروان حسن کی صدائے جرس کبھی کبھار سن پاتی ہے۔ لیکن شوق کا دستِ رسا تو محملِ لیلیٰ تک جا پہنچتا ہے۔

بو علی اندر غبار ناقہ گم
دستِ رومی پردہ محمل گرفت

مدارج سلوکِ مجددیہ

سلوک مجددیہ کی زبان میں وہ لوگ بھی کم یاب ہی ہوتے ہیں جو ولایت صغریٰ کے ابتدائی مراحل (یعنی ظلال اسماء وصفات) کی سیر کر پاتے ہیں۔ لیکن ان مردانِ احرار اور صاحبانِ اسرار کا کیا کہنا جو ظلال سے اسماء وصفات تک جا پہنچتے ہیں اور ولایت صغریٰ کو پیچھے چھوڑ کر ولایت کبریٰ کو طے کرتے ہوئے سیر مع اللہ اور سیر فی اللہ کی ماورائے فکر...... منزل تک پہنچ کر سیر ولایتِ علیا کو طے کر پاتے ہیں اور پھر سیر عن اللہ باللہ کا اعزاز پاکر دعوت وارشاد کے مقام پر فائز ہوجاتے ہیں اور اسم سے مسمّٰی تک اور صفات سے ذات تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ یہی لوگ قافلۂ طریقت کے سالار اور سرِ حقیقت کے پاسدار ہوتے ہیں۔ اور یہی لوگ سفینہ طلب کے ناخدا اور راہروان عشق ومستی کے رہنما ہوتے ہیں۔ انہی شہسواران عرصۂ تجرید اور شہبازان اوجِ تفرید کو راہ جذب وسلوک کا وکیل اور منزل مقصود کی دلیل کہا جاتا ہے۔

تشریحاتِ محبت

صوفیاء اور عرفاء تکمیلِ شخصیت اور منزل شکار ہمت کے حصول کے سلسلے میں

Marfat.com

محبت کی اہمیت کو خوب سمجھتے ہیں اور اس راہ طویل کو طے کرنے اور منزل بعید تک پہنچنے کے لئے عشق کو ہی متاعِ سفر اور عشق کو ہی وسیلہ ظفر جانتے ہیں۔ عشق کو ہی امام بناتے ہیں اور شوق کی لگام اسی کو تھماتے ہیں۔

قرآن اور محبت

قرآن حکیم نے شدت محبت کو ہی ایمان کی پہچان قرار دیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؎١

رسالت اور محبت

رسالت کی زبانِ فیض ترجمان نے بھی محبت کو ہی ایمان قرار دیا۔

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ؎٢

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محبت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام انسانوں کے تین گروہوں پر گزرے۔ جن کے جسم لاغر اور رنگ زرد تھے۔

پہلے گروہ سے پوچھا کہ تمہارا یہ حال کیوں ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ دوزخ کے خوف سے...... آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ خوف والوں کو ضرور آتش ودوزخ سے مامون رکھے گا۔

o...... دوسرے گروہ سے پوچھا...... تو انہوں نے جواب دیا کہ جنت کے شوق میں ہمارا یہ حال ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ضرور شوق والوں کو ان کی مطلوب شے عنایت

؎١ سورۃ البقرہ ۲:۱۶۵ ؎٢ صحیح بخاری، رقم: ۱۵

Marfat.com

کرے گا۔

۵......تیسرے گروہ نے عرض کی کہ خدا کی محبت میں ہمارا یہ حال ہے فرمایا کہ مقرب تمہی ہو اور مجھے تمہارے ساتھ رہنے کا حکم ہے۔ ا؎

حضرت علی اور محبت

حضرت علی المرتضیٰ کرم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اَدِّبُوْا اَوْلَادَکُمْ عَلٰی ثَلٰثَةِ خِصَالٍ حُبِّ نَبِیِّکُمْ وَحُبِّ اَهْلِ بَیْتِهٖ وَقِرَاْئَةِ الْقُرْاٰن ۲؎

اپنی اولاد کو تین چیزیں سکھاؤ۔ اپنے نبی (ﷺ) کی محبت، اور اہل بیت کی محبت اور قرآن کی تلاوت۔

رابعہ بصریہ اور محبت

حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا نے بھی محبت کو ہی طلب کیا اور محبت پر ہی حصر کیا۔ ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمہ نے حضرت رابعہ بصریہ سے دریافت کیا ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ حضرت رابعہ نے جواب دیا۔ میں خدا کی عبادت......جہنم کے ڈر یا جنت کے لالچ میں نہیں کرتی۔ میری عبادت کی حقیقت تو یہ ہے کہ میں اپنے معبود کو محبوب سمجھتی ہوں اور اسی کے شوق میں جیتی ہوں۔ حضرت رابعہ کی ایک مناجات ان کی کیفیت محبت کو اور زیادہ واضح کرتی ہے۔

مناجاتِ رابعہ

اے میرے معبود! اگر میں تیری عبادت جہنم کے ڈر سے کرتی ہوں تو مجھے جہنم

ا؎ احیاء العلوم ۲؎ کنز العمال، رقم: ۴۵۴۰۹

Marfat.com

میں ڈال دے۔اگر میں تیری عبادت جنت کے لالچ میں کرتی ہوں تو پھر مجھے ہمیشہ کے لئے جنت سے محروم کردے۔اور اگر میں تجھ سے صرف تیری ذات کیلئے محبت کرتی ہوں تو پھر مجھے اپنا جمالِ ازلی دکھادے۔ ا؎

امام قشیری اور محبت

حضرت امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اَلْمَحَبَّةُ مَحْوُ الْمُحِبِّ صِفَاتَهٗ ۲؎

یعنی محبت یہ ہے کہ محب اپنی صفتوں کو طلب محبوب میں محو کردے۔

حسین بن منصور اور محبت

حسین بن مصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کو جب سولی پر چڑھایا گیا تو ان کی زبان سے آخری جملہ یہ نکلا تھا۔

حُبُّ الْوَاحِدِ اِفْرَادُ الْوَاحِدِ ۳؎

یعنی ایک کی محبت ایک کو یگانہ ماننا ہے۔

یحییٰ بن معاذ اور محبت

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

حَقِيْقَةُ الْمَحَبَّةِ مَالَا يَنْقُصُ بِالْجَفَا وَلَا يَزِيْدُ بِالْعَطَا ۴؎

یعنی محبت کی حقیقت یہ ہے کہ محبوب کی جفا سے کم نہیں ہوتی اوراس کی بخشش و عطا سے زیادہ نہیں ہوتی۔

ا؎ احیاء العلوم ۲؎ کشف المحجوب ۳؎ ایضاً ۴؎ ایضاً

Marfat.com

حضرت سید علی ہجویری اور محبت

حضرت سید علی بن عثمان جلابی ثم الہجویری المعروف داتا گنج بخش لاہوری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

محبت ماخوذ حبہ (بکسر حائ) سے ہے اور حبہ اس بیج کے دانہ کو کہتے ہیں جو صحرا میں پڑا ہو۔ بعدازاں لوگوں نے محبت کے لئے لفظ حب وضع کرلیا۔ صحرا میں گرے ہوئے بیج میں اصل حیات موجود ہوتا ہے۔ تو حب کو حب اس لئے کہتے ہیں کہ اہل محبت انہیں میں سے ہیں جیسے نباتِ صحرا۔ جس طرح تخم صحرا میں بکھیرا جاتا ہے اور خاک میں پنہاں ہوجاتا ہے پھر بارشیں اس سے کونپلیں نکالتی ہیں اور آفتاب اسے گرم کرکے سرما و گرما کے موسم میں سرسبز رکھتا ہے اور اس پر موسمی تغیرات اثرانداز نہیں ہوتے...... ایسے ہی محبت...... دل میں مسکن پکڑتی ہے اور حضور وغیبت...... بلا و محنت...... راحت ولذت...... فراق ووصال سے متغیر نہیں ہوتی۔ بقول شاعر

جس دل میں محبت کے ارماں مچلتے ہیں
سو بار خزاں آئے بنتا نہیں ویرانہ

امام غزالی اور محبت

حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

جاننا چاہئے کہ محبت الٰہی سب مقامات میں سے انتہا درجہ کی غایت اور سب میں بلند مرتبہ رکھتی ہے۔ اس لئے کہ بعد ادراک محبت کے کوئی سامقام کیوں نہ ہو خواہ شوق یا انس یا رضا وغیرہ سب اس کے توابع اور ثمرات ہیں اور محبت سے پہلے جتنے مقامات مثل توبہ...... صبر اور زہد وغیرہ کے ہیں وہ سب محبت کے مقدمات ہیں۔ [1]

---

[1] احیاء العلوم

Marfat.com

پیر رومی اور محبت

پیر رومی نے عشق کو ہی اپنا ملجا اور ماویٰ قرار دیا ہے

مرحبا! اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ علت ہائے ما
اے علاج نخوت و ناموسِ ما
اے کہ افلاطون و جالینوسِ ما

حضرت عطار اور محبت

حضرت عطار نے بھی دردِ عشق کو ہی بیماریٔ دل کی دوا قرار دیا ہے!

کفر کافر را و دین دیندار را
ذرہٗ درد دل عطار را

حضرت امام ربانی اور محبت

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

محباں بذوق شہود متلذذ اند التذاذ دربندگی و اُنس بآں مخصوص بہ محبوباں است انس محباں بمشاہدہ محبوب است وانس محبوباں بہ بندگیٔ محبوب [۱]

ترجمہ: محبت کرنے والے ذوقِ شہود کے ساتھ لذت حاصل کرتے ہیں...... بندگی میں لذت حاصل کرنا اور اس کے ساتھ انس اختیار کرنا محبوبوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ محبوں کا انس محبوب کے مشاہدہ میں ہے اور محبوبوں کا انس محبوب کی بندگی میں ہے۔

---

[۱] دفتر اول مکتوب:۹

Marfat.com

علامہ اقبال اور محبت

علامہ اقبال نے بھی یہی تمنا کی ہے

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
میرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر

نفسیات اور محبت

نفسیات (Psycholgy) کا ایک مسلمہ اصول ہے کہ جب ادراک میں احساس شامل ہوجائے اور جب تفکر کسی جذبہ سے ملوث ہوجائے یا تصوف کی زبان میں جب عقل ...... عشق سے مستفیض ہوجائے تو علم وعمل کی قوتیں بے پناہ ہوجاتی ہیں۔ اس جذباتی حالت میں یا غلبۂ عشق ومحبت کی کیفیت میں انسان ایک اور سطحِ شعور پر پہنچ جاتا ہے جہاں کے احساسات اور کیفیات عام سطحِ شعور کے فہم سے ماورا ہوتے ہیں۔ عام سطحِ شعور سے عشق کی یہ سطح مرتفع اتنی بلند ہوتی ہے کہ عقل سطحی کے لئے اس کا اندازہ لگانا بھی ممکن نہیں ہوتا۔ جب عشق ...... عقل کا امام بن جائے اور جب جنون شعور کی لگام تھام لے تو پھر زمان ومکان کے پردے اٹھ جاتے ہیں اور تعینات کی حدود ختم ہوجاتی ہیں اور اگر یہ حالت دیرپا ہوجائے تو سالکِ راہ سلوک ...... منزل مقصود پر پہنچ کر شاہد حقیقی کو پا ہی لیتا ہے۔ اسی عقل کلی اور اسی شعور باطنی اور اسی شوق تمام کی کارفرمائی کو دیکھ کر حضرت اقبال کو کہنا پڑا

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

صوفیاء ''عقل است غلام من عشق است امام من'' کے اصول پر عمل پیرا ہوتے ہوئے بتدریج ادنیٰ سطح شعور سے اعلیٰ سطح شعور کی طرف ترقی کرتے رہتے ہیں۔ حتی کہ وہ اس شعور حق سے مستفیض ہوجاتے ہیں جو ورائے زمان ومکاں

Marfat.com

ہے۔ جہاں وقت اور فاصلہ کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے اور جہاں ماضی ...... حال اور استقبال کے ڈانڈے مل جاتے ہیں۔

افلاطون اسی شعور کو دانائے حقیقتِ مستور کہتا ہے اور اپنی مشہور کتاب "Republic" میں اسی شعور اعلیٰ کی بیداری کو تعلیم و تربیت کا منتہا قرار دیتا ہے۔ فلاطینوس اس عقل کو ماورائے عقل عام قرار دیتا ہے اور ماورائے حواس حقائق کے ادراک کا وسیلہ قرار دیتا ہے۔ [۱]

عارف رومی عام عقل کو عقل معاش اور اس عقل کو عقل معاد سے موسوم کرتے ہیں یا پہلی کو عقل جزئی اور دوسرے کو عقل کلی کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اقبال پہلی کو صاحبِ خبر اور دوسری کو صاحبِ نظر قرار دیتا ہے

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
تیرا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

بہر حال اس پر سبھی متفق ہیں کہ عام سطح شعور سے ایک بلند تر سطح شعور ہوتی ہے جو ماورائے حواس، حقائق کا ادراک کر سکتی ہے۔ عام عقل کے لئے جو حقیقت مستور ہوتی ہے وہ اس کے لئے مشہود ہوتی ہے۔ عقل جز بیں اس عقل کل بیں کے مشاہدات سے قطعاً محروم رہتی ہے۔ جب عقل جزئی یا شعور سطحی کی کارفرمائی ہوتی ہے تو ادراک کا دائرہ بہت محدود ہوتا ہے اور نتیجہ یوں نکلتا ہے:

اپنی جولان گاہ زیرِ آسماں سمجھا تھا میں
آب و گل کے کھیل کو اپنا جہاں سمجھا تھا میں

لیکن جب جوش...... ہوش میں شامل ہو جائے اور جب عشق ...... عقل کی لگام تھام تو پھر صورت کچھ یوں ہوتی ہے:

۱۔ MYSTICISM P.50

Marfat.com

عشق کی اک جَست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

محویتِ مقصد اور اس کی قوت

جذبہ اور شوق کی فراوانی سے محویتِ مقصد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ فکر و عمل کا انتشار ختم ہو جاتا ہے۔ شعور و لاشعور میں تطابق پیدا ہو جاتا ہے۔ یک بینی اور یک طلبی کی یہ کیفیت دل کی بیداری پر منتج ہوتی ہے۔ ظاہر بین...... طالبانِ راہِ شوق کی اس مقصدی محویت پر آوازے کستے ہیں۔ اس کو جنوں سے معنون کرتے ہیں۔ محویت مقصد کی اس حالت کو جو تکمیلِ شخصیت اور حصولِ معرفت کا زینہ ہے۔ فراریت اور رہبانیت کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور صوفیاء کی عزلت گزینی اور خلوت نشینی پر ترکِ عمل کی تہمت لگاتے ہیں۔ لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ مقصدی محویت پر فنی تکمیل کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ فکرِ سخن میں شاعر کی محویت کے دوران ہی صدائے خامہ نوائے سروش بنتی ہے۔ نیوٹن کے متعلق مشہور ہے کہ تحقیقِ استغراق میں وہ کھانا پینا بھول جاتا تھا اور اسے یہ بھی نہ پتہ چلتا تھا کہ اس نے کھانا کھایا ہے یا نہیں۔

خورد و نوش کو ایک حد تک چھوڑ کر اور کثرت کے ہنگاموں سے منہ موڑ کر خلوت میں تصورِ جاناں کو شریعت کی اصطلاح میں اعتکاف کہا جاتا ہے۔ اور یہ امامِ انبیاء علیہ التحیۃ والثناء کی سنت ہے۔ غارِ حرا کی خلوت کی اہمیت سے کون انکار کر سکتا ہے؟ آسمانی پیغام کے حصول سے قبل اور حسنِ مستور سے بذریعہ وحی رابطہ شہود پیدا ہونے سے پہلے حضرت کلیم اور حضرت مسیح علیہما السلام کا سینا اور سعیر کی خلوتوں میں چالیس چالیس دن چلہ کش ہونا محویت کی اہمیت اور خلوت کی برکت کی دلیل ہے۔

Marfat.com

مصطفیٰ اندر حرا خلوت گزید
مدتے جز خویشتن کس را ندید

از کم آمیزی تخیل زندہ تر
زندہ و جُویندہ و یابندہ تر

خودی را مردم آمیزی دلیلِ نا رسائی ہا
تو اے درد آشنا بیگانہ شو از آشنائی ہا

o

وحشت نہ سمجھ اس کو اے مردک میدانی
کہسار کی خلوت ہے تعلیم خود آگاہی

اس ساری بحث کا ماحصل یہ ہے کہ انسان میں شعور سطحی یا عقل معاش کے علاوہ ایک بلند تر سطح شعور یا عقل معاد بھی موجود ہے جو ماورائے حواس، حقائق کا ادراک کرسکتی ہے۔

جب عقل، مقصدی محبت سے ملوث ہوجائے یا عشق، امام بن کر عقل کی لگام تھام لے تو شعورِ باطن بیدار ہوجاتا ہے اور دل...... دلِ بینا بن جاتا ہے۔

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

اس مقام تک پہنچنے کیلئے مقصدی محویت اور فرصتِ خلوت ضروری ہے۔ تاکہ تکمیل شوق ہوسکے اور کثرت کے ہنگامے...... جستجوئے وحدت میں مخل نہ ہوسکیں سالکانِ طریقت اور طالبان معرفت انہیں اصولوں پر عمل پیرا ہوکر دیدۂ دل کو بیدار کر کے، شنید سے دید...... خبر سے نظر...... اور گوش سے آغوش کے مقام تک جا پہنچتے ہیں۔

Marfat.com

بہ آں گروہ کہ از بادۂ وفا مستند
سلام ما برسانید ہر کجا ہستند

جذبِ دل جذبِ منزل کا زینہ ہے

کسی بھی کام میں کمال حاصل کرنے کی پہلی شرط یہ ہے کہ انسان کی پوری توجہ تابہ انہماک اس کام کی طرف منعطف ہو جائے۔ شروع شروع میں توتوجہ کا یہ انہماک شعوری اور ارادی طور پر ہوتا ہے لیکن کچھ عرصہ کی مشق کے بعد جب اس راستہ میں کچھ ترقی حاصل ہو جاتی ہے اور ابتدائی کامیابی کے احساس کی لذت حاصل ہونے لگتی ہے تو پھر بغیر کسی نمایاں کوشش کے طبیعت خود بخود اس کام کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ طویل مشق اور نمایاں کامیابی سے طبیعت میں ایک خاص امنگ......عزم و استقلال کے رنگ میں نمودار ہوتی ہے۔ اور پھر شعوری کوشش......لاشعوری کوشش کا اور اختیاری کوشش......اضطراری کوشش کا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ جس سے اس کام میں انہماک......محویت اور استغراق کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ کچھ یوں سمجھئے کہ آغاز سفر میں مسافر کو عزم و ارادہ سے منزل کی طرف گامزن ہونا پڑتا ہے لیکن جب قربِ منزل اور حسنِ منزل کا احساس ہونے لگتا ہے تو پھر جذبِ منزل......مسافرِ خستہ پا کو خود بخود جذب کرتا ہے جس سے رفتارِ سفر، پرواز کا رنگ اختیار کر لیتی ہے اور سو سال کی منزلیں ایک آہ میں طے ہو جاتی ہیں۔

منزل عشق بسے دور و دراز است ولے
طے شود منزل صد سالہ بہ آہے گاہے

اور جب جذب دل، جذب منزل کا زنیہ بن جائے تو حالت یہ ہو جاتی ہے

Marfat.com

اے جزبۂ دل گر تو چاہے ہر چیز مقابل آ جائے
منزل کی طرف دو گام چلوں اور سامنے منزل آ جائے

جذب منزل کے ساتھ اگر کسی دانائے راہ کی معیت بھی نصیب ہو جائے تو پھر تو سونے پر سہاگے ...... والا معاملہ بن جاتا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ منزل خود استقبال کو آ گئی ہے۔

مانا کہ محبت کی رہ میں ہر گام پہ سو سو خطرے ہیں
لیکن یہ سفر آسان بھی ہے گر ساتھ تمہارا ہو جائے

معیتِ صادقین

جب محسوس اور معین منزل کی طرف سفر میں کسی دانائے راہ کی معیت، سفر کو آسان بنا دیتی ہے تو طریقت کے روحانی سفر میں جہاں منزل ماورائے زمان و مکاں ہے اور محسوس و معین سنگ میل اور نشان پا بھی موجود نہیں کسی سالک راہ اور واقف منزل کی معیت کے بغیر تو چارہ ہی نہیں۔ آیت قرآنی وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ [۱] میں اسی طرف اشارہ ہے۔

ہماری بستی کے قریب ہی ایک قصبہ میں ایک بہت بڑا میلہ سال بسال لگا کرتا تھا۔ بچپن میں اس میلہ میں شمولیت پر مصر ہوتا تھا اور میری والدہ محترمہ مجھے اکیلے اس ہنگامہ خیز ماحول میں جانے کی اجازت نہ دیا کرتی تھیں۔ آخر معاملہ اسی طرح طے ہوتا تھا کہ مجھے کسی معتبر آدمی کے ساتھ جانے کی اجازت اس شرط پر ملتی تھی کہ میں بہر حال اس کے ساتھ رہوں اور ہرگز اس سے جدا ہونے کی غلطی نہ کروں، ورنہ بچپن کی نادانی کی وجہ سے میلہ کی دلچسپیوں میں میرے کھو جانے کا خدشہ ہوتا تھا لیکن تجربہ

۱۔ التوبہ ۹:۱۱۹

Marfat.com

کار اور ذمہ دار ساتھی کی معیت اس بات کی ضمانت تھی کہ میں میلہ کی رونقیں بھی دیکھ سکوں اور شام سے قبل بحفاظت اپنے گھر میں بھی پہنچ جاؤں ...... اس عالم کثرت کی گوناگوں دلچسپیاں بھی ایسی دلکش ہیں کہ اکثر و بیشتر افراد ...... نادان بچوں کی طرح میلہ کی دلچسپیوں میں کھوکر ...... گھر کو بھول جاتے ہیں۔ پس اس عالم کثرت وتغیر میں بھی بقا اور ثبات کا سب سے آسان اور سب سے آزمودہ طریقہ حکماء باطن اور عرفاء منزل کی معیت اور رفاقت ہی ہے۔

کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزل ہا

اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم کی طلب کے ساتھ ہی منعم علیہ گروہ کی معیت بھی طلب کرنے کا حکم دیا ہے کہ یہ دونوں لازم وملزوم ہیں کہ

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

کا یہی مفہوم ہے اور یہی وہ دانائے راہ اور کامیاب منزل لوگ ہیں جن کی رفاقت میں نجات ہے اور جن کی معیت سراپا سعادت ہے۔

آیت مبارکہ أُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا [۱] میں بھی یہی راز بیان کیا گیا ہے۔

خوئے تسلیم و رضا

سرِ حقیقت اور رازِ معرفت کے علم کے حصول کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی داستان ...... نصابِ طریقت کا حکم رکھتی ہے۔ رفاقت ومعیت کی بیل منڈھے چڑھنے کی شرط یہ ہے کہ طالب ...... مطلوب کی اور مرید ...... پیر کی

۱۔ النساء ۴:۶۹

Marfat.com

کامل اور پر یقین اطاعت کرے ۔ کیونکہ شک اور انکار ہی اس راہ کے سب سے بڑے روڑے ہیں اور تعلیم و تربیت کی کامیابی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ دراصل خوئے تسلیم ورضا ہی منزل تک رسائی کو نہ صرف آسان بلکہ یقینی بنادیتی ہے۔ وادئ منیٰ سے لے کر وادئ کربلا تک امت مسلمہ کو خوگر تسلیم ورضا بننے کا ہی سبق دیا گیا ہے۔ شریعت کے ساتھ ساتھ طریقت کی دنیا بھی اسی اصول کی پابند ہے۔ طبیب کی تجویز پر بار بار تنقید کرنے والا مریض طبیب سے مستفید نہیں ہوسکتا اور کسی دانائے راہ کے اقدامات پر خواہ مخواہ اعتراض کرنے والا مسافر بھی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔

عارف رومی نے کیا خوب کہا ہے:

چوں گزیدی پیر ہیں تسلیم شو
ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو
پیر را بگذیں کہ بے پیر ایں سفر
ہست بس پُر آفت و خوف و خطر

حضرت اقبال نے رفاقت ومعیت کی اہمیت کو یوں بیان فرمایا:

دمِ عارف نسیم صبح دم ہے
اسی سے ریشۂ معنیٰ میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

اور کبھی اس حقیقت کو ان لفظوں میں عیاں فرمایا:

صحبتِ روشن دلاں یک دم دو دم
آں دو دم سرمایہ بود و عدم

Marfat.com

عقل را صاحب نظر کرد و گذشت
عشق را شوریدہ تر کرد و گذشت

ظاہر سے باطن تک

بات طلبِ معرفت اور تلاشِ حقیقت میں کامل یکسوئی اور محویت کی تھی۔ ہم نے یہ معلوم کرنا ہے کہ عرفاء اور صوفیاء مجاز سے حقیقت اور کثرت سے وحدت یا ظاہر سے باطن تک جانے کے لئے کیا کیا طریقے استعمال کرتے ہیں اور کثرت کے بحرِ زخار سے وحدت کے ساحل استوار تک پہنچنے کے لئے کیسے وسیلے اور کیسے سفینے سے کام لیتے ہیں۔ عقل جزئی نہاں خانہ دماغ میں بیٹھ کر حواس ظاہری کے ذریعے عالم کثرت اور دنیائے خارج سے رابطہ قائم رکھتی ہے اور ہر آن حواسِ بظاہر کے اثرات کو شعور انسانی تک پہنچاتی ہے اور وہ ماحول سے تطابق کی صورت پیدا کر کے حفاظتِ حیات کا ظاہری فریضہ ادا کرتی ہے۔

یہ عقل جزی کنیز حیات تو ہے لیکن دانائے ذات نہیں...... یہ اسیر کثرت تو ہے عارف وحدت نہیں...... یہ چراغ راہ تو ہے لیکن شمع بارگاہ نہیں...... یہ آستاں سے دور تو نہیں لیکن اس کی قسمت میں حضور نہیں...... آنکھ کا نور مفید تو ہے لیکن یہ دل کا نور نہیں۔

عقل گو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں
دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں
خرد سے راہ رو روشن بصر ہے
خرد کیا ہے چراغ رہ گزر ہے

Marfat.com

درون خانہ ہنگامہ ہیں کیا کیا
چراغ رہ گذر کو کیا خبر ہے
خرد آگاہ نہیں ہے نیک و بد سے
بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حد سے
خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے
خرد بیزار دل سے دل خرد سے

ذکراور مراقبہ

ذکر اور مراقبہ کے ذریعے صوفیاء کرام ظاہر سے باطن اور کثرت سے وحدت تک پہنچتے ہیں۔ اس سلسلہ میں عارف رومی کا ارشاد ایک قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔

چشم بند و لب بہ بند و گوش بند
گر نہ بینی سرِ حق بر من بخند

حواسِ ظاہری کا عارضی تعطل...... حواسِ باطنی کی بیداری کے لئے ضروری ہے۔ ماہرین نفسیات اس پر متفق ہیں کہ تحت الشعور تک رسائی کیلئے...... شعور کا عارضی تعطل ضروری ہے۔ جب بھی جذباتی زور کے زیر اثر یا کسی اور وجہ سے توجہ ایک ہی نکتہ پر مرکوز ہو جائے اور وہ مرکزیت...... محویت کی حد تک جا پہنچے تو اس حالت میں لاشعور سے رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔ جس سے فن کار پر فنی شاہکار...... شاعر پر شعری الہام اور موجد پر ایجادی انکشاف کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ روح، عقل جزئی سے کبھی صوت اور کبھی صورت کے رنگ میں رابطہ قائم کر لیتی ہے۔ اور کبھی معانی الفاظ کے جامہ میں ظہور پذیر ہونے لگتے ہیں کہ اطلاق...... تعین کے ذریعے اور بے کیف...... کیفیت کے ذریعے ہی ظہور پذیر ہوگا لیکن اس فہم ظہور اور رابطہ حسن مستور کے لئے

Marfat.com

عارف کو استغراق اور مراقبہ سے ہی کام لینا پڑتا ہے۔ مراقبہ سے ہی ظاہر اور باطن اور دل و دماغ میں رابطہ قائم ہوتا ہے اور مراقبہ کے وسیلہ سے ہی عقل جزئی...... عقل کلی کی غیر محدود وسعتوں سے آشنائی پیدا کر سکتی ہے۔ جس طرح ایک پیدائشی مغنی کو بھی اپنی باطنی استعداد کی تکمیل کیلئے ساز و آواز سے ماہرانہ رابطہ قائم کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح ایک پیدائشی صوفی اور عارف کو بھی حق شناسی کی طبعی استعداد کی تکمیل کے لئے استغراق اور مراقبہ سے کام لینا پڑتا ہے۔

اسی طرح ذکر قلبی دائمی ...... خدا کے قرب کی ضمانت ہے اور وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا [۱] میں بھی خلوت میں ذکر کی ترغیب دی گئی ہے اور ذکر کی اہمیت کے لئے فرمایا ہے وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ ذکر الٰہی سے اعراض کا نتیجہ قلب پر شیطان کا تسلط ہے۔ جب مقصود...... ذات خدا ہے تو اسی سے تعلق غالب رہنا چاہئے اور تعلق کا غلبہ ہی ذکر کی آخری منزل ہے اور اسی کا نام مراقبہ ہے۔

تھا ترا خیال ہی مستتر، تھی تری تلاش ہی خیمہ زن
میری آہ میں، میری واہ میں، میرے سوز میں، میرے ساز میں

قرآن اور مراقبہ

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ [۲] یعنی اللہ تمہارے ساتھ ہے، جہاں بھی تم ہو۔ اس آیت میں ادراک معیت کا سبق ہے۔ اسی کو صوفیاء نے مراقبہ معیت کہا ہے۔

فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ [۳] "یعنی تم جدھر توجہ کرو ادھر اللہ کی ذات ہے"

۱؎ المزمل ۸:۷۳ ۲؎ الحدید ۴:۵۷ ۳؎ البقرہ ۱۱۵:۲

اس مراقبہ سے ہر چیز میں جمالِ حق نظر آنے لگتا ہے:

بہر سو جلوہ دلدار بینم
بہر صورت جمال یار بینم

اَلَمۡ یَعۡلَمۡ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی ا؎ یعنی کیا انسان نہیں جانتا کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ اس آیت سے اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر اور سمیع و بصیر جان کر مراقبے کا سبق مل رہا ہے، اس کو مراقبہ رویت کہتے ہیں۔

اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطٌ ۲؎ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

یہ ''احاطت وجود'' کا مراقبہ ہے۔ جہاں مَن و ما، انت و انا کا اطلاق نہیں ہوتا۔

تو مباش اصلاً کمال ایں است و بس
رو درو گم شو وصال ایں است و بس

نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ ۳؎ یعنی ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ یہ مراقبہ اقربیت کا سبق ہے جہاں دوری کا تصور جہالتِ محض ہے۔

ہست حق از ما بما نزدیک تر
ما ز دوری گشتہ جویاں در بدر

یُحِبُّہُمۡ وَ یُحِبُّوۡنَہٗ ۴؎ میں مراقبہ محبت کی ترغیب دلائی گئی ہے

در سینہ نصیر الدین جز عشق نمی گنجد
ایں طرفہ تماشا بیں دریا بہ حباب اندر

ا؎ العلق ۹۶:۱۴ ۲؎ فصلت ۴۱:۵۴ ۳؎ ق، ۵۰:۱۶ ۴؎ المائدہ ۵:۵۴

Marfat.com

حدیث اور مراقبہ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ ۱؎

حضور ﷺ نے فرمایا! احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اس کو نہیں دیکھتا تو وہ تجھے تو دیکھ ہی رہا ہے۔

عبادت میں مراقبہ ومشاہدہ کا یہ سبق حدیث کے الفاظ میں احسان کہلاتا ہے۔

سرورِ عالم ﷺ نے حصرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

يَا غُلَامُ اِحْفِظِ اللّٰهَ يَحْفِظُكَ اِحْفِظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ ۲؎

اے لڑکے اللہ پر نظر رکھ وہ تیری حفاظت کرے گا اے لڑکے اللہ کو نگاہ میں رکھ، تو اس کو اپنے سامنے پائے گا۔

صوفیاء کرام مراقبات کے ثبوت میں اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک تصحیح خیال ہی مراقبے کی اصل ہے۔ حضرت خواجہ خورد رحمۃ اللہ علیہ نے نور وحدت میں فرمایا ''درویشی تصحیح خیال است'' اسی کو یادداشت ...... وقوف قلبی اور وقوف زمانی کہا جاتا ہے۔

اسی طرح حدیث اَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ ۳؎ میں لذت مٹانے والی چیز (موت) کو بہت یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کو مراقبہ موت کہا جاتا ہے جس سے غفلت دور ہوتی ہے اور خوفِ خدا کا غلبہ ہو جاتا ہے۔

انکشافِ حقیقت

جوہرِ روح اپنی ذات کی حد تک تمام صورتوں اور شکلوں سے خالی ہے اور جو

۱؎ صحیح بخاری، رقم: ۴۴۹۹ ۲؎ مشکوۃ، رقم: ۵۳۰۲ ۳؎ سنن ترمذی، رقم: ۲۳۰۷

Marfat.com

صورت بھی اس خلا کو پر کردے روح اسی صورت کی کیفیات سے متاثر ہو جاتی ہے۔ نقشبندی صوفیاء جو ہرِ روح میں حقیقتِ مطلوب کا تصور کرتے وقت حواس ظاہری و باطنی کو ان کے اپنے عمل سے روک کر محبوب حقیقی کو پاتے ہیں۔

صوفی اور عارف پر کئی دفعہ اچانک ہی انکشاف ہو جاتا ہے۔ عام طور پر کشفِ حقیقت کی یہ حالت عارضی اور شاذ ہوتی ہے۔ لیکن کثرتِ ذکر اور مراقبہ سے تدریجاً جب جلائے باطن حاصل ہوتی ہے تو اس میں استواری اور پائیداری آجاتی ہے۔ اس لئے اصول یہ ٹھہرا کہ طبعی استعداد اور وہبی فیضان کی موجودگی میں بھی اکتسابی اور ارادی ریاضت، استغراق اور مراقبہ کے رنگ میں شعور باطنی کی تکمیل کے لئے ضروری ہے۔

کسی بھی چیز کے کامل مشاہدہ کے لئے حواس سے سطحی سا رابطہ کافی نہیں۔ اس سلسلہ میں حواس کی تربیت ضروری تو ہے لیکن مکمل طور پر کافی یہ بھی نہیں بلکہ مشہود شے کھو جانے کی حد تک رابطہ اور محویت کی حد تک پہنچا ہوا مطالعہ ضروری ہے۔ ایسی یکسوئی اور محویت جس میں صرف حواس ظاہری ہی مصروف نہ ہوں بلکہ پوری شخصیت ہی محوِ دید ہو، انہماک اور محویت پر ہی منتج ہوتی ہے۔ اسی والہانہ توجہ اور اسی مجذوبانہ ضابطہ کو ہی صوفیاء ...... مراقبہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس میں شاہد و مشہود اور عارف و معروف کے درمیان حائل حجابات اٹھ جاتے ہیں اور شاہد و مشہود میں بے کیف سا ارتباط پیدا ہو جاتا ہے۔ ہجر ...... وصل بن جاتا ہے۔ بُعد ...... قرب بن جاتا ہے اور معلوم خارجی ...... مشہود باطنی کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔

امام غزالی اور مراقبہ

امام غزالی احیاء العلوم کی جلد چہارم میں مراقبہ کے بیان میں لکھتے ہیں:

کہ وہ شخص جس کو ایک ہی فکر ہو اور اللہ تعالیٰ نے اسے سب فکروں سے بچا دیا

Marfat.com

ہوتو وہ اس کیفیت حال میں کبھی خلق سے اتنا غافل ہو جاتا ہے کہ اسے کسی آنے جانے والے کی خبر نہیں ہوتی۔ وہ آنکھیں کھلی ہونے کے باوجود کسی کو نہیں دیکھتا اور بہرا، نہ ہونے کے باوجود کسی کی نہیں سنتا'' یعنی وہ سیر انفسی میں اتنا محو ہوتا ہے کہ آفاقی تاثرات اس کے حواس کو متاثر نہیں کرتے۔ اور حواس پر مبنی عقلی ہیجان اس کے سکون باطن اور اس کی قلبی اور مقصدی محویت میں حائل نہیں ہوتا۔ مراقبہ کی کیفیت بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ!

ایک دفعہ حضرت ابوبکر شبلی حصرت ابوالحسن نوری کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ ایک گوشے میں چپ چاپ بے حس وحرکت بیٹھے ہیں۔ حضرت ابوبکر شبلی نے پوچھا کہ آپ نے یہ پرسکون مراقبہ کا طریقہ کہاں سے سیکھا تو انہوں نے فرمایا کہ ہماری بلی جب شکار کرنا چاہتی تو اسی طرح دَم سادھ کر گھات لگا کر بیٹھتی تھی۔ میں نے یکسوئی ظاہری خاموشی اور باطنی ہوشیاری کا سبق اسی سے سیکھا ہے۔

کسی نے مراقبہ کی حقیقت کو کیا خوب بیان کیا ہے:

پاسبان سر شو اندر کل حال
تا نیابد ، ہیچ دزد آنجا مجال
ہر خیال غیر حق را دزد داں
ایں ریاضت سالکاں را فرض داں

صاحبِ تعلیم غوثیہ اور مراقبہ

صاحب تعلیم غوثیہ لکھتے ہیں:

محققین کے نزدیک مراقبہ ایک دوسرے کو دیکھنا اور اپنی توجہ قلبی کو رقیب کی جانب پھیرنا ہے۔

Marfat.com

رقیب اسماء حسنیٰ میں سے ایک اسم الٰہی ہے...... مراقبہ کی ایک صورت یہ ہے کہ اسماء حسنیٰ میں سے کسی اسم یا کسی آیت قرآنی کے معنی اور کیفیت کو دل پر اس طرح طاری اور حاوی کرے کہ وہ خود معنی بن جائے اور اس میں محو در محو ہو جائے اور تصور محبوب میں ایسا مستغرق ہو کہ اپنی بھی خبر نہ رہے۔

یہ انہماک ...... یہ استغراق ...... یہ محویتِ تامہ ...... اور یہ خود فراموشی ہی مراقبہ کی جان ہے۔ خود فراموشی ...... خداشناسی کا وسیلہ اور ظاہری غفلت ...... باطنی ہشیاری کا زینہ ہے۔

مؤلف عمدۃ السلوک اور مراقبہ

مولف عمدۃ السلوک صفحہ ۱۰۱ پر لکھتے ہیں:

''مراقبہ رقوب سے مشتق ہے جس کے معنی محافظت اور نگہبانی کے ہیں۔ مراقبہ کی تعریف یہ ہے کہ اپنے خیالوں کو پوری پوری توجہ کے ساتھ ...... خدائے تعالیٰ کی صفات کی طرف یا روح کے جسم سے بے تعلق ہونے کی طرف ...... اس طرح لگانا کہ عقل ...... وہم ...... خیال ...... اور تمام حواس اسی توجہ کے تابع ہو جائیں۔ تاکہ وہ غیر محسوس جس کی طرف خیال لگایا تھا، بمنزلہ محسوس کے ہو جائے۔ یعنی کسی ایک مفہوم میں اس طرح ڈوب جائے کہ سوائے اس کے کوئی چیز دھیان میں نہ رہے۔''

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ حلمی اور مراقبہ

فواد یونیورسٹی مصر کے فلسفہ اسلام کے پروفیسر ڈاکٹر محمد مصطفیٰ حلمی اپنی کتاب تاریخ تصوف اسلام میں رقمطراز ہیں۔

نبوت سے قبل غار حرا میں عزلت گزینی اور خلوت نشینی کے علاوہ منصب نبوت و

Marfat.com

رسالت پر فائز ہونے کے بعد بھی حضور علیہ السلام پر محویت اور استغراق کی کیفیت کبھی کبھار طاری ہوجاتی تھی۔ اور حیاتِ نبوت کی یہی عارفانہ محویت صوفیاء کرام کے باطنی انہماک اور استغراق کی اساس ہے۔ آنحضرت علیہ السلام پر نبوت کے بعد بھی کبھی کبھی وجد کی سی کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔ یہ وہ کیفیت ہے جس میں محویت مقصد کے پیش نظر انسان دنیا و مافیہا اور خود اپنے آپ کو بھی فراموش کر دیتا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ اس وقت عالم استغراق میں تھے۔ آپ نے حضرت عائشہ کو دیکھا تو پوچھا...... تم کون ہو؟ وہ بولیں میں عائشہ ہوں۔ آپ نے فرمایا...... کون عائشہ؟ عرض کی ابوبکر کی بیٹی۔ فرمایا ابوبکر کون؟ وہ بولیں محمد کے دوست...... فرمایا کون محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)؟

- ...... یہ دنیا و مافیہا سے اعراض اور حق میں انہماک
- ...... یہ غیر کا نسیان اور یار کا عرفان
- ...... یہ کثرت سے بیزاری اور وحدت میں گرفتاری
- ...... یہ فانی سے فراق اور باقی سے وصال
- ...... یہ مجاز سے بے پروائی اور حقیقت سے آشنائی
- ...... صوفیانہ مزاج کا خاصہ ہے اور عارفانہ طبیعت کا شیوہ ہے ...... مراقبہ اس کا ذریعہ ہے اور مشاہدہ اس کا نتیجہ ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی اور مراقبہ

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات جلد اول مکتوب ۱۰۹ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ!

''باطنی مرضوں کی سردار اور اندرونی بیماریوں کی رئیس، ماسوائے حق کے ساتھ،

دل کی گرفتاری ہے اور جب تک اس قید سے پورے طور پر آزادی نہ مل جائے...... سلامتی محال ہے۔ اور دل کے غیر کے ساتھ گرفتار نہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ ماسوائے حق کو کلی طور پر بھول جائے اور تمام اشیاء سے بے خبر ہو جائے حتی کہ اگر تکلف سے بھی اشیاء کو یاد کرے تو اسے یاد نہ آئیں۔

یہاں بھی دیکھئے انہماک...... استغراق اور محویت مقصد کا ہی ذکر ہے۔ پس کثرت کا نسیان...... وحدت کے عرفان کی شرط اول ہے اور مقصدی یک سوئی اور محویت کے بغیر نسیانِ غیریت کی کیفیت حاصل نہیں ہوتی اور یہ کیفیت فیضانِ قدرت کے ساتھ ساتھ طویل ریاضت اور تربیت سے حاصل ہوتی ہے اور کثرت ذکر اور مراقبہ اس روحانی تربیت کے دو بنیادی اصول ہیں۔ محبت شیخ اس سلسلہ میں اکسیر ہے اور بے نظیر تاثیر کی حامل ہے۔

عملی تجربہ

شعور عقلی سے شعور قلبی تک جانا اور عقلی جزئی کو عقل کلی تک پہنچانا......اور شہود حق کے لئے باطنی قوئ کو بیدار کر کے بروئے کار لانا......طریقت کا مقصد اور منشا ہے۔ ذکر و مراقبہ اور محویت و استغراق سے وہ قوائے باطنی بیدار ہو جاتے ہیں جو ماورائے زمان و مکان حقائق کا ادراک کر سکتے ہیں اور عالم بے صوت کے جلوے دیکھ سکتے ہیں اور جہان بے صوت کے نغمے سن سکتے ہیں۔ من کی دنیا میں غوطہ لگانے والوں کو تن کی دنیا سے عارضی قطع تعلق کرنا ہی پڑتا ہے۔ قعر بحر سے درِ شہوار نکالنے والے کو غوطہ خوری سے پہلے کپڑے اتارنے ہی پڑتے ہیں اور حبس دم بھی کرنا پڑتا ہے اور اس عملی تجربہ سے پہلے ریاضت و تربیت کے ایک طویل دور سے گزرنا پڑتا ہے۔ تب کہیں سطح بحر سے قعر بحر تک پہنچنے کی ہمت نصیب ہوتی ہے۔ اور یہی وہ بلند ہمت لوگ ہوتے ہیں

Marfat.com

جو جان کو جوکھوں میں ڈال کر...... مجاہدات کی سنسان اور تاریک وادیوں میں پہنچ کر معرفت کے گوہر مقصود کو پا لیتے ہیں۔

اِرتکازِ توجہ

ابتدائی مشق کے طور پر توجہ مرکوز کرنے کے لئے کسی بھی چیز کی طرف یکسوئی سے ٹکٹکی لگا کر دیکھنا چاہئے۔ نظر کی اس مرکوزیت سے انتشارِ خیال میں کمی ہوگی اور حواس...... مجتمع ہو کر ایک ہی جگہ مرکوز ہونے کے عادی بن جائیں گے۔ توجہ کی یکسوئی اور نگاہ کی یک بینی سے ایک عام سی شئ میں بھی نئی خصوصیات نظر آنے لگیں گی۔ نگاہ کی یہ مرکوزیت، طبیعت میں راحت پیدا کرے گی اور ایک سکون کا سا احساس ہوگا۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

جس طرح منتشر شعاعیں...... آتشی شیشہ میں مرکوز ہو کر اتنی قوی ہو جاتی ہیں کہ آگ لگا دیتی ہیں۔ حالانکہ عالم انتشار میں وہ آتش افروزی کی قوت سے محروم ہوتی ہیں۔ اسی طرح خیالات کا انتشار بھی طبیعت میں اضمحلال اور اضطرار کو پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن اگر خیالات کی آوارگی ختم ہو جائے اور وہ ایک نکتہ پر مرکوز ہو جائیں تو ان کی قوت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

سکون دل سے سامان کشور کار پیدا کر
کہ عقدہ خاطر گرداب کا آب رواں تک ہے

حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ

يَا اَنَسُ اِجْعَلْ بَصَرَكَ حَيْثُ تَسْجُدُ [1]

---

[1] السنن الکبریٰ للبیہقی، رقم: ۳۶۸۶

Marfat.com

یعنی ''اے انس اپنی نگاہ کو سجدہ کی جگہ رکھا کرو''۔

یہ حبسِ بصر اور ربط نظر کی تعلیم ہے جس سے یکسوئی اور ارتکاز توجہ کی مشق مقصود ہے۔ خارجی شئی کی طرف مسلسل دیکھنا...... توجہ کو مرکوز کرنے کا بالکل ابتدائی درجہ ہے۔صوفیانہ اور عارفانہ مراقبہ سے اس کی کوئی نسبت نہیں۔صوفیوں کا مرکوز توجہ خارج میں نہیں ہوتا بلکہ داخل میں ہوتا ہے۔ مراقبہ میں حواس کو خارج سے داخل کی طرف اور ظاہر سے باطن کی طرف لایا جاتا ہے۔صوفیا کے ہاں سیر آفاقی سے سیر انفسی کا مقام بہت بلند ہے اور ماسوا کے نسیان میں ہی کمال عرفان ہے۔اقبال بھی اپنے من ہی میں ڈوبنے کی تلقین کرتے ہیں۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

مقام خودی

(بخود گم بہر تحقیق خودی شو) خودی مقام حقیقت ہے، خودی مقام اَنا ہے۔

صوفیاء کی کتابوں میں حدیث آتی ہے کہ

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ فِیْ جَسَدِ اٰدَمَ الْمُضْغَةُ وَ فِی الْمُضْغَةِ فُؤَادُ وَ فِی الْفُؤَادِ رُوْحٌ وَ فِی الرُّوْحِ سِرٌّ وَ فِی السِّرِّ الْخَفِیُّ وَ فِی الْخَفِیِّ الْاَخْفٰی وَفِی الْاَخْفٰی اَنَا

یعنی حضور سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے اور لوتھڑے میں دل ہے اور دل میں روح ہے اور روح میں سر ہے اور سر میں خفی اور خفی میں اخفیٰ ہے اور اخفیٰ میں انا ہے۔

اور صوفیاء کے نزدیک ''انا'' سے مراد ذات حق ہے۔حضرت امام ربانی مجدد

Marfat.com

الف ثانی فرماتے ہیں کہ منصور حلاج کے قول أنا الحق میں دعوائے اُلوہیت نہیں بلکہ اپنی نفی اور ذات کا اثبات ہے۔ خودی کا عارف ہی خدا کا عارف کہلاتا ہے۔ خودی کا اصل مقام، دل ہے اور دل ہی حقیقت کا آئینہ اور معرفت کا گنجینہ ہے۔

o...... دل محبت کی منزل ہے اور محبوب کا محمل ہے

o...... دل لامتناہی ہے اور عرش الٰہی ہے

o...... دل مہبطِ انوار ہے اور کعبہ ابرار ہے

o...... دل گنجینہ اسرار ہے اور مسکن یار ہے

مراقبہ، دماغ سے دل تک...... شنید سے دید تک...... گوش سے آغوش تک...... تن سے من تک...... ظاہر سے باطن تک...... اور اغیار سے یار تک پہنچنے کا آزمودہ ذریعہ اور مجرب عمل ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنیاد خلیل اطہر است
دل گذر گاہ جلیل اکبر است

کیفیاتِ مراقبہ

خود بینی...... خود شناسی...... سیر انفسی یا مراقبہ کا ملکہ بھی عام تعلیم و تربیت کی طرح ریاضت اور محنت سے بتدریج حاصل ہوتا ہے۔ شروع شروع میں نوآموز طفلِ مکتب کو لکھنا پڑھنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ طبیعت پریشان ہو جاتی ہے اور دل اچاٹ ہو جاتا ہے۔ لیکن جوں جوں شعور ترقی کرتا ہے، دماغ...... نصاب تعلیم سے مانوس ہونے لگتا ہے اور پھر حصول تعلیم کی رفتار تیز تر ہو جاتی ہے اور طبیعت کی وحشت بھی

Marfat.com

جاتی رہتی ہے۔اسی طرح ایک سالک کے لئے راہ طریقت کی منزل بھی ریاضت سے آسان ہوجاتی ہے۔ پہلے حواس کے ارتکاز اور طبیعت کی یکسوئی کے لئے قوت ارادی سے کام لینا پڑتا ہے لیکن جوں جوں استعداد باطنی بیدار ہوتی جاتی ہے اور شعورِ قلبی قوی تر ہوتا جاتا ہے ۔توں توں مراقبہ اور محویت کی کیفیت ایک خودکار تقاضائے طبیعت کے طور پر کام کرنے لگتی ہے اور پھر ایک وقت تو ایسا آتا ہے کہ شعور باطن...... عقل ظاہری پر خود بخود غالب آنے لگتا ہے اور بعض اوقات خود بخود استغراق اور محویت کی کیفیت طاری ہونے لگتی ہے اور وہ کیفیت اتنی قوی ہوتی ہے کہ انسان کتنی بھی کوشش کرے اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ وجد وجذب کی یہ کیفیت بڑی غنیمت ہوتی ہے اور اس حالت میں سالک کے دل پر جو انکشافِ حقیقت ہوتا ہے وہ اس کے لئے حاصل حیات ہوتا ہے ۔ اس سے شوق میں فراوانی اور عشق میں جولانی پیدا ہوتی ہے۔دوسروں کے لئے بھی سالک کے جذب ووجد کی یہ حالت شوق انگیز اور ہمت افروز ہوتی ہے۔

وادیٔ نور وسرور

اس حالت میں طالب ومطلوب کے درمیان حائل حجاب اٹھ جاتے ہیں ۔ زمان ومکاں کی حدود وقیود ختم ہوجاتی ہیں ۔شعور ادنیٰ ،شعور اعلیٰ میں گم ہوجاتا ہے۔ آفاقیت اور ابدیت کی ان ناپیدا کنار وسعتوں میں کثرت...... غیریت ،تغیر اور تحدید کے عیوب مفقود ہوجاتے ہیں اور وحدت کی اس پر فضا وادی میں نور وسرور اور انبساط و حضور کی سرمدی کیفیت نصیب ہوجاتی ہے ۔اس غیر محدود عالم کی واردات عقل محدود کے فہم سے ماوراء ہوتی ہے لہٰذا اپنی مجبوری اور معذوری کے پیش نظر عقل...... حقیقت کی کیفیت کو مجاز کی زبان میں بیان کرنے پر مجبور ہوتی ہے ۔کبھی اسے وصول اور حصول

Marfat.com

کہتی ہے...... کبھی فنا اور بقا کا نام دیتی ہے...... کبھی اسے شہود کے نام سے موسوم کرتی ہے اور کبھی وجود کی اصطلاح سے تعبیر کرتی ہے اور یہ سب تعبیرات و اطلاقات محض لفظی ہیں۔ حقیقی و اصلی تعبیرات و اصطلاحات ماورائے عقل وشعور ہیں۔ یہاں دانش برہانی کے بجائے دانش نورانی کام آتی ہے۔

اک دانش نورانی ، اک دانش برہانی
ہے دانش برہانی ، حیرت کی فراوانی

وطنِ اصلی کی طرف روحانی سفر

اس منزل میں سالک کو کچھ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ انتہائی بلندیوں کو عبور کررہا ہے اور آسمانوں کو طے کر کے عرش کی طرف جارہا ہے۔ حتی کہ وہ عرش تک پہنچ گیا ہے لیکن ساتھ ہی اسے یوں لگتا ہے کہ وہ دماغ سے اپنے ہی دل کی طرف جارہا ہے اور دل ہی عرش ہے۔ اس مقام پر تحت وفوق اور قرب وبُعد مل جاتے ہیں۔ زمان ومکاں سمٹ کر اس میں سماجاتے ہیں۔ خارج کی بلندیاں باطن میں کھوجاتی ہیں اور آفاق...... انفس کا ہی عکس معلوم ہوتا ہے۔ یہاں اول و آخر اور ظاہر و باطن کی تمیز ختم ہوجاتی ہے اور شعورِ وحدت ہر کیفیت پر غالب آجاتا ہے۔ یہ لق ودق صحرا...... یہ سنسان بیابان ...... یہ منزل بے نام ونشان ...... یہ دنیائے لامکان ...... معرفت کی انتہا...... سلوک کا مدعا...... اور روح کا وطن اصلی ہے۔

یہاں یہ یقین نصیب ہوتا ہے کہ عقل جسے بُعد سمجھتی تھی وہ رگ جاں سے بھی قریب ہے بلکہ اَقرب ہے۔ جسے عقل جزی باہر تلاش کررہی تھی وہ یہاں خانہ دل میں مقیم ہے۔ وہ جان جہاں تو قریب از جان ہے۔ نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ[۱] کا راز اسی مقام پر کھلتا ہے۔

۱۔ ق، ۵۰:۱۶

Marfat.com

جسے ہم ڈھونڈتے تھے آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانہ دل کے مکینوں میں (اقبال)

یہیں پتہ چلتا ہے کہ خود آگاہی اور خودشناسی ہی خداشناسی کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ [1] کی حقیقت بھی اسی موقع پر آشکارا ہوتی ہے:

ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

اسی مقام پر حواس کا التباس اٹھ جاتا ہے اور دل کا دیدۂ باطن بیں بیدار ہو جاتا ہے اور حقیقت صوت وصورت کے حجاب اٹھا کر بے نقاب ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ یہ کیفیت نہ دید ہے نہ شنید...... نہ ادراک ہے نہ تفہیم...... بس یہ ایک تکمیل کا تسکین بخش احساس اور وصول وحصول کا ایک جاں افروز حال ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو بتایا نہیں جاسکتا۔ ایک ایسا تجربہ ہے جو سمجھایا نہیں جاسکتا۔ دنیا کی کوئی لذت اور دنیا کی کوئی مسرت ایسی نہیں کہ جس سے اسے تشبیہہ دی جاسکے جو اس کو پاتا ہے خود کو بھول جاتا ہے اور اس راز سے آگاہ ہو کر وہ سب سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ طلسم مجاز...... صداقت کی نمود سے مفقود ہو جاتا ہے اور عالم رنگ و بو، حسن حقیقی کے سامنے بے نمود ہو جاتا ہے۔

بے حجابی سے تری ٹوٹا نگاہوں کا طلسم
اک ردائے نیلگوں کو آسماں سمجھا تھا میں

مراقبہ، عقل جزئی کی عقل کل کی طرف پرواز ہے...... یہ فانی کا باقی کی طرف......

---

[1] التبصیر فی الدین، طاہر بن محمد الاسفرائنی، ۱/ ۱۶۲

متغیر کا ثابت کی طرف...... ظنی کا قطعی کی طرف......اور متعین کا مطلق کی طرف روحانی سفر ہے۔حق کی یافت اس سفر کی منزل ہے اور طلب وشوق ،رختِ سفر ہے۔ عشق، قافلہ سالار ہے اور صبر پر کامیابی کا مدار ہے۔

مراقبہ معیت

مؤلف عمدۃ السلوک...... سلوک نقشبندیہ کو بیان کرتے ہوئے......مراقبہ معیت اور دائرہ ولایت صغریٰ کی کیفیت کو یوں بیان کرتے ہیں۔

''مراقبہ میں فنائے قلبی حاصل ہوتی ہے اور دائرہ امکان کے باقی اثرات کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس مقام میں تجلیاتِ افعالیہ الٰہیہ میں سیر واقع ہوتی ہے۔توحید وجودی......ذوق وشوق...... استغراق و بے خودی......دوام حضور اور نسیانِ ماسویٰ جس کو فنائے قلب بھی کہتے ہیں، حاصل ہوتا ہے۔پس جب لوح دل سے ماسوا کا خیال مٹ جائے اور توجہ الی اللہ میں اس قدر محویت و استغراق ہو جائے کہ تکلف سے بھی غیر کا خیال پیدا کرنا محال ہو جائے اور تمام دنیوی تعلقات کا رشتہ دل سے ٹوٹ جائے تو فنائے قلبی حاصل ہو جاتی ہے جو ولایت کا پہلا قدم ہے اور باقی کمالات کا حاصل ہونا اس پر موقوف ہے۔ [۱]

مراقبہ سے باطنی نور......قلبی شعور...... تطہیر عقلی......صفاء قلبی......سکون سرمدی ......وسعت آفاقی......حیات ابدی......خود آ گاہی......اور انجام کار معرفت الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔ یہ نہ دعا ہے نہ التجا...... بلکہ یہ ایک والہانہ تمنا، ایک سوز عشق اور ایک کیف محبت ہے۔ یہ حال کی وہ کیفیت ہے جو قال میں نہیں سماتی۔ یہ وہ احساس ہے جو بیان کا متحمل نہیں ہوسکتا۔اس کا ایک پہلو سرمستی اور محویت ہے اور دوسرا اور آخری

---

۱ عمدۃ السلوک حصہ دوم ص:۲۸۹

Marfat.com

پہلو ہشیاری اور معرفت ہے اس کی ابتدا خود فراموشی ہے لیکن انتہا خود آ گاہی ہے۔ مراقبہ میں حواس معطل اور عقل جزی بیکار ہو جاتی ہے۔ اور جب دل ہر شے سے خالی ہو جاتا ہے تو اس خلا کو پر کرنے کیلئے عقل کلی سرگرم کار ہو جاتی ہے۔ مراقبہ ایک روحانی تجربہ اور باطنی مشاہدہ ہے...... یہ عالم بے کم وکیف کی سیر اور دنیائے حیرت میں سفر ہے۔ یہ وہ کیفیت عرفان ہے جو نا قابل بیان ہے۔ یہاں جسم میں اضمحلال ہوتا ہے لیکن دل محو استغراق ہوتا ہے۔ یہاں حواس معطل...... عقل بیکار...... لیکن دل ہشیار ہوتا ہے۔ توجہ کی تمام یکسوئی...... ظاہر سے باطن ...... کثرت سے وحدت...... اور فانی سے باقی کی طرف مرکوز ہوتی ہے۔ اگر استقلال کے ساتھ باطنی مشاہدہ کی یہ مشق جاری رہے تو اس کا لازمی نتیجہ عرفان وشہود کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے۔

Marfat.com

قلبِ بیدار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۱؎

عقل و دل

حقیقت، ظاہر بھی ہے اور باطن بھی، وہ اپنی ذات کے لحاظ سے باطن ہے اور ظہورِ اسماء وصفات کے لحاظ سے ظاہر۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ...... الخ ۲؎

انسان کے ظاہری حواس اور عقل وادراک...... آئینہ ممکنات میں اسماء وصفات کے عکوس کو دیکھ پاتے ہیں...... اگرچہ "حقیقتِ مستور" کی دید سے مہجور و معذور رہتے ہیں۔ لیکن انسان کے باطنی حواس ولطائف میں حقیقتِ پنہاں کو عریاں دیکھنے کی شدید تمنا موجود رہتی ہے۔ جس طرح ایک طفلِ شیر خوار ماں کے دودھ کے بغیر...... لوریوں اور کھلونوں سے مطمئن نہیں ہوتا، ہاں عارضی طور پر بہل ضرور جاتا ہے اسی طرح قلب انسان بھی عالمِ ظاہر کی دل کشیوں کے باوجود حسنِ باطن کی دید کے بغیر مطمئن نہیں ہو پاتا...... عقل جزئی...... فانی...... متغیر...... اور محدود عالمِ کثرت کو ہی حقیقی سمجھ کر اس کی دل بستگیوں میں اُلجھ جاتی ہے۔ لیکن دل بدستور خوب سے خوب تر کا جویاں رہتا ہے۔

۱؎ الشعراء، ۲۶: ۸۸-۸۹ ۲؎ الحدید، ۵۷: ۳

وہ باقی...... قائم...... اور حیّ لایموت کا متلاشی رہتا ہے۔ فانی اور ناقص سے غیر مطمئن رہنا اور باقی...... کامل کا متلاشی رہنا اس امر کی دلیل ہے کہ دل میں طبعی طور پر مجازی اور حقیقی...... اصلی اور نقلی میں امتیاز کا مادہ موجود ہے۔ ہاں کسی دل میں یہ مادہ کم ہوتا ہے اور کسی میں زیادہ۔ جب یہ ملکوتی ملکہ مادی تعلقات سے آلودہ ہو کر کمزور ہو جائے اور یہ آئینہ صافی میلا ہو جائے تو اس میں تجلیاتِ لامکانی کا انعکاس نہیں ہو سکتا۔

جب ذکر و فکر سے اس کا تزکیہ و تصفیہ ہو جائے تو پھر اسی آئینہ امکان میں تجلیاتِ وجوب منعکس ہونے لگتی ہیں۔ عقل، چراغ راہ تو ہے لیکن منزل نہیں...... منزل مقصود تک رسائی دل بیدار ہی کے ذریعے سے ممکن ہے۔ دل بیدار ہی محل تقویٰ اور منزل عرفان ہے۔ دل، باصفا اور بے ریا ہو جائے تو آئینہ نما بن جاتا ہے۔ جذباتِ لطیفہ کا منبع اور افکارِ عظیمہ کا سرچشمہ ہو جاتا ہے۔ علم تصوف میں بیداری قلب اور صفائے باطن سے ہی بحث کی جاتی ہے کیونکہ حرائے دل ہی حریم یار ہے۔

اندکے اندر حرائے دل نشین
ترکِ خود کن سوئے حق ہجرت گزیں

دل کی موت اور زندگی کا مطلب

حیاتِ اصلی...... حیاتِ قلبی کا نام ہے اور موتِ حقیقی...... موتِ قلبی سے ہی عبارت ہے۔ زندہ دل اور مردہ دل برابر نہیں ہو سکتے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ [۱]

زندگی، بندگی کی راہ سے حاصل ہوتی ہے اور زندگی بے بندگی ہلاکت اور گندگی ہے...... ذکر سے غافل دل، بیکار ہے۔

۱۔ فاطر، ۳۵: ۲۲

Marfat.com

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا ؎۱

قرآن حکیم نے دل کی بے بصیرتی کو ہی حقیقی نابینائی قرار دیا ہے

مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى ؎۲ کا یہی مفہوم ہے۔

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ؎۳

میں بھی دل کی بے بصیرتی کو ہی اندھا پن کہا گیا ہے اور یہی دل کی موت ہے۔ مستقر حیات، قلب ہے اور قلب کی حیات، ایمان اور اعمال صالحہ پر موقوف ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ؎۴

قلب کی موت، غفلت اور گناہ سے واقع ہوتی ہے۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى ؎۵ میں موتیٰ سے مراد بھی دل ہی کے مردے ہیں۔

اسی طرح خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ؎۶ اور قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؎۷ اور بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ؎۸

آیات قرآنیہ میں مُہر...... غلاف ...... اور زنگ سے مراد بھی دلوں کی موت ہی ہے۔

زبانِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوات نے بھی دل کی اصلاح کو ہی انسان کی فلاح اور اس کے فساد کو ہی شخصیت کا فساد قرار دیا ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ فِي الْجَسَدِ لَمُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ ؎۹

قلبِ سلیم، دلِ زندہ کا نام ہے اور قلبِ سقیم، دلِ مردہ کو کہتے ہیں۔

---

۱ الکہف، ۱۸:۲۸ ۲ الاسراء، ۱۷:۷۲ ۳ الحج، ۲۲:۴۶ ۴ النحل، ۱۶:۹۷ ۵ النمل، ۲۷:۸۰
۶ البقرہ، ۲:۷ ۷ البقرہ، ۲:۸۸ ۸ المطففین، ۸۳:۱۴ ۹ صحیح بخاری، رقم: ۵۲

Marfat.com

صوفیائے کرام کے نزدیک بھی دل کی زندگی اور موت کا یہی فلسفہ ہے

حضرت اقبال کے ہاں بھی حیاتِ انسانی (شخصی ہو یا اجتماعی) دل کی زندگی سے ہی معنون ہے:

دلِ مردہ دل نہیں اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے اُمتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

علامہ اقبال کے نزدیک فاروقی صفات اور حیدری برکات کا حصول اور اسد اللّٰہی ضرب کاری صرف دل کی بیداری کے ہی ثمرات ہیں۔

دل بیدار فاروقی دل بیدار کراری
مسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری
دلِ بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری

حقیقتِ قلب

قلب ایک جوہر نورانی ہے جو مادہ سے مجرد اور روح و نفس کے مابین ایک درمیانی چیز ہے۔ حکماء اسے نفس ناطقہ بھی کہتے ہیں۔ آیتِ نور مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکوٰۃٍ ...... الخ ا ؎ میں جسم کو مشکوٰۃ ...... قلب کو زجاجہ ...... روح کو مصباح اور نفس کو شجرہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

دل وہ لطیفۂ جامعہ ہے جو اسرار و رموز کا خزینہ اور علوم و عرفان کا گنجینہ ہے ...... دل ...... محلِ تجلیات و صفات ہے ...... دل ہی امکانی علوم اور وجوبی حقائق کا محلِ انعکاس ہے ...... یہ انسان کی عزیز ترین متاع بے بہا ہے اور نسخہ کیا ہے۔ بلکہ دراصل

ا ؎ النور، ۲۴: ۳۵

Marfat.com

اسی پر انسانیت کا مدار ہے اور شرفِ آدمیت کا انحصار ہے۔

حضرت عطار اور دل

حضرت خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ دل کو جوہرِ نورانی...... عقلِ مستفاد...... مطلعِ انوار...... منبعِ اسرار...... اور عرشِ رحمان قرار دیتے ہیں۔

دل بہ معنیٰ جوہر روحانی است
دل نہ از جسم است و نے جسمانی است
آنکہ دانا گفت عقل مستفاد
در حقیقت داں کہ دل بودش مراد
دل چہ باشد مطلع انوار حق
دل چہ باشد منبع اسرار حق
پیش سالک عرش رحمان است دل
جملہ عالم چوں تن و جاں است دل
حق نہ گنجد در زمین و آسماں
در دل مومن بگنجد بے گماں
جملہ عالم جرعہ نوش جام دل
از مکاں تا لا مکاں یک گام دل
مخزن اسرار را شد دل کلید
گنج مخفی ہست اندر دل پدید
استفادہ گر کنی زاں دل بہ کن
تا بیابی تو علوم مِن لدُن

Marfat.com

آنچہ از احوال دل کردم عیاں
قطرہ میداں ز بحر بیکراں

حضرت غوث علی قلندر اور دل

صاحب تذکرہ غوثیہ قلب کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں:

نفسِ ناطقہ جب کہ معانی کلیہ وجزئیہ کا حسب خواہش مشاہدہ کر سکے تو اس کو قلب کہتے ہیں۔ اور حکماء کے نزدیک اس مرتبہ کا نام عقل مستفاد ہے، وہ ظاہر و باطن کے درمیان برزخ ہے۔ اس لئے اس میں ہر چیز کی سمائی ہے، حتیٰ کہ حق کی بھی ...... پس قلب از قسمِ رحمت الٰہی ہے۔ اور رحمت سے یہ مراد ہے کہ حق اس کے ذریعے اپنے بندوں پر مرحمت واشفاق کرتا ہے۔ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سب کی گنجائش ہے اور وہ علم ...... رحمت ...... اور قلب ہیں۔ قلب کو یہ علم اپنی ذات سے حاصل ہوتا ہے کہ وہ تجلیاتِ حق کو اور ان کی رنگا رنگی کو مختلف صورتوں میں جانتا اور پہچانتا ہے۔ کیونکہ جیسی تجلی دیکھتا ہے اس کے ساتھ خود بھی منقلب ہو جاتا ہے اور یہ حصہ اسی کا ہے جو مقام جمع میں تجلی حق کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

حضرت امام غزالی اور دل

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں رقمطراز ہیں:

واضح ہو کہ محلِ علم، قلب ہے یعنی وہ لطیفہ جو تمام اعضاء کی تدبیر کرتا ہے اور سب اسی کی اطاعت اور خدمت کرتے ہیں۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ...... الخ [1]

---

[1] الاحزاب، ۳۳:۷۲

یعنی انسان میں ایک ایسی خاصیت ہے جس کے سبب آسمانوں ...... زمینوں اور پہاڑوں سے ممتاز ہوا...... اور تحملِ امانت الٰہی کے قابل ٹھہرا اور وہ امانت...... معرفت اور توحید کی ہے کہ ہر ایک شخص کا قلب اس کے اٹھانے کی لیاقت رکھتا ہے مگر ان اسباب مذکورہ کی وجہ سے امر واجبی تک نہیں پہنچ سکتا اور حدیث شریف......

لَوْلَا اَنَّ الشَّيَاطِيْنَ يَحُوْمُوْنَ عَلٰى قُلُوْبِ بَنِىْ اٰدَمَ لَنَظَرُوْا اِلٰى مَلَكُوْتِ السَّمَاءِ ۱

(اگر بنی آدم کے دلوں پر شیطان نہ پھرتے ہوتے تو آسمان کے فرشتے اور اسرار ان کو سوجھتے) میں ان اسباب کی طرف اشارہ ہے جو قلب اور ملکوت میں حجاب بن جاتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضور علیہ السلام سے لوگوں نے پوچھا کہ خدا تعالیٰ کہاں ہے؟ زمینوں میں یا آسمانوں میں؟ تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ وہ ایمان والے بندوں کے دل میں ہے۔

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

حدیث قدسی میں ارشاد ہے کہ میری گنجائش نہ زمین میں ہے نہ آسمان میں بلکہ بندۂ مومن کے ساکن اور نرم دل میں ہے۔ اور جس شخص کے اور خدا کے درمیان سے حجاب اٹھ جاتا ہے تو اس کے دل میں ملک اور ملکوت کی صورت ظاہر ہوتی ہے۔ سب طاعات واعمالِ جوارح کا مقصد یہی ہے کہ دل صاف اور شستہ ہو اور اس کی صفائی کا یہ مطلب ہے کہ اس میں نورِ ایمان اور لمعہ معرفت آ جائے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۲ سے یہی

---

۱ المغنی عن حمل الاسفار، ابوالفضل العراقی، مکتبہ طبریہ، ۱۹۹۵ء، ۱/ ۲۳۲
۲ الزمر، ۳۹: ۲۲

مراد ہے۔ ا؎

حضرت امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

اہل تصوف علوم عقلی کی بجائے علوم الہامی کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اقوال اور ادلّہ سے کم بحث کرتے ہیں۔ بلکہ فرماتے ہیں کہ اول خوب مجاہدہ کرنا چاہئے، صفاتِ ذمیمہ اور تمام علائق کو قطع کر کے ہمہ تن خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ تو اس پر رحمتِ خدا کا سایہ ہوگا اور قلب میں نور چمکنے لگے گا، سینہ کھل جائے گا اور سرِملکوت اس پر ظاہر ہوگا، قلب سے حجاب اٹھ جائے گا اور اس میں امورالٰہیہ کے حقائق جلوہ گر ہوں گے۔

غزالی کی ایک مثال

قلب کے عجائبات حواس سے مدرک نہیں ہوتے۔ اس لئے ہم اس کو مثال سے سمجھاتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ ایک حوض زمین میں کھدا ہے۔ اس میں پانی آنے کے دو طریقے ہیں۔ یا خارجی نالیوں سے آئے گا یا اس کے اندر ہی پانی کا سوتا ہوگا۔ جو پانی باہر سے آئے گا اس میں ماحول کے تکدر کا اثر ہوگا۔ لیکن جو پانی اندر سے آئے گا وہ زیادہ صاف ہوگا۔ مقدار میں زیادہ بھی ہوگا اور ہمیشہ بھی رہے گا۔ پس حواسِ خمسہ سے حاصل ہونے والے علم کی مثال نالیوں سے آنے والے پانی کی سی ہے کہ اس میں تکدّر ماحول ہوتا ہے جو بمنزلہ التباس حواس کے ہے۔ لیکن قلب کا کشفی علم ...... داخلی چشمہ صافی کے پانی کی طرح ہے۔ صوفیاء کرام تزکیہ قلب کے ذریعہ اسی کشفی علم کے جُویا ہوتے ہیں۔ جب دل کے سامنے سے حجاب اٹھ جاتا ہے تو لوح محفوظ کی چیزیں سوجھنے لگتی ہے اور اس کا علم قلب میں منکشف ہو جاتا ہے۔ قلب کا جو دروازہ

ا؎ احیاء العلوم جلد سوم ذکر عجائبات قلبی

Marfat.com

عالمِ ملکوت کی طرف کھلتا ہے۔اس سے وہ لوح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے۔اولیاء اور انبیاء کے علوم...... دل کے اس دروازہ سے آتے ہیں جو عالمِ ملکوت کی طرف کھلتا ہے اور علماء اور حکماء کے اس دروازے سے آتے ہیں جو بذریعہ حواس عالمِ ظاہری کی طرف کھلتا ہے۔

حضرت مولانا روم اور دل

عارف رومی دل کو ہی مطلوب ومحبوب...... جمال...... باقی...... عرش اللہ...... اور لامکاں قرار دیتے ہیں!

گر تو اہل دل نہ بیدار باش
طالب دل باش و در پیکار باش
قطرہ دل را یکے گوہر فتاد
کاں بدریا ہا و گردوں ہا نہ داد
اصل عرش اللہ قلب عارف است
لا مکان است و ندارد فوق و پست
ایں جمال دل جمال باقی است
دوبش از آب حیواں ساقی است

رومی کی ایک مثال

حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی بادشاہ نے روم اور چین کے ماہر نقاشوں کو بلایا اور ایک بہت بڑا کمرہ نقاشی کے لئے ان کے سپرد کیا۔درمیان میں ایک پردہ حائل کردیا تاکہ ایک کو دوسرے کے کام کی اطلاع نہ ہونے پائے اور دونوں اپنے اپنے خصوصی ہنر کا اظہار کریں۔چنانچہ چین والوں نے تو رنگارنگ نقش آرائی کی

Marfat.com

اور بہت سے رنگوں کو بڑی چابکدستی اور مہارت سے استعمال کر کے درودیوار کو ارژنگ چین بنا دیا۔ لیکن روم والے صرف دیواروں کی صفائی اور جلاء میں ہی مصروف رہے حتیٰ کہ دیواروں کو آئینہ کی طرح صاف بنا دیا۔ بادشاہ چین کے مصوروں کی رنگا رنگ نقش آرائی سے بہت محفوظ ہوا لیکن جب رومیوں کا حصہ دیکھا تو اس کی بے رنگی پر حیران ہوا کہ یہ کیسی نقاشی ہے کہ نہ رنگ ہے نہ صورت۔ رومیوں نے بادشاہ کو حیران دیکھ کر کہا کہ ذرا درمیان کا پردہ اٹھا کر تماشہ دیکھیئے۔ چنانچہ پردہ اٹھنے پر دوسری طرف کے تمام نقوش مصفا دیواروں میں منعکس ہو گئے اور آئینہ کی صفائی کی وجہ سے وہ عکس اتنا روشن اور چمکدار تھا کہ اصل سے بھی حسین اور واضح نظر آتا تھا۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

کہ اولیاء اللہ کی توجہ بھی قلب کے تزکیہ اور تصفیہ پر مرکوز رہتی ہے تا آنکہ اس میں امور حق نظر آنے لگتے ہیں اور علماء ظاہر کی توجہ چینیوں کی طرح بذریعہ حواس...... اکتسابِ نقوش علمی کی طرف ہی رہتی ہے۔ قلوب عارفین پر معرفت کے باعث تمام عالم ملکوت منکشف ہو جاتا ہے۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ اور دل

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے قلب...... اس کی حقیقت اور اس کی استعداد کے متعلق علمی اور کشفی طور پر بہت کچھ بیان فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ ناظرین کے استفادہ کیلئے پیش کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

قلب عارف کامل بواسطہ علاقہ جامعیت وبرزخیت ازاں انوار اقتباس می نماید وغرفے از بحر بدست می آرد بعد عرش وقلب عارف تام المعرفت ہر جا ظہور است بداغ ظلیت متسم

Marfat.com

است و بوئے از اصل نیافتہ ا ؎

ترجمہ: عارف کامل کا قلب بھی جامعیت اور برزخیت کے تعلق کے باعث ان انوار سے نور اخذ کر لیتا ہے...... عرش اور عارف تام المعرفت کے دل کے سوا باقی جس قدر ظہور ہیں سب پر ظلیت کا داغ ہے اور اصل سے اس نے کوئی بو نہیں پائی۔

ایک دوسرے مقام پر آپ رقمطراز ہیں:

در انسان دو چیز اند کہ عرش ندارد و عالم کبیر را ازاں نصیب نیست در انسان جزو ارضی است کہ در عرش نیست و ہیئت وحدانی است کہ در عالم کبیر نیست...... الخ

ترجمہ: انسان میں دو چیزیں ایسی ہیں جو عرش نہیں رکھتا اور عالم کبیر کے لئے بھی ان دو چیزوں سے کوئی حصہ نہیں...... انسان میں ایک تو جزو ارضی ہے جو عرش میں نہیں ہے...... اور ایک ہیئت وحدانی ہے جو عالم کبیر میں نہیں ہے...... اور وہ شعور جو ہیئت وحدانی سے تعلق رکھتا ہے۔ نور علیٰ نور ہے جو عالم اصغر (قلب) کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس انسان ایک عجوبہ ہے جس نے خلافت کی لیاقت پیدا کی ہے اور امانت کے بوجھ کو اٹھایا ہے۔

اسی مکتوب میں ہے:

اے برادر ایں مضغہ را پرچہ گوشت لا یُعباء بہ خیال نکنی کہ آں جوہر نفیس است کہ خزائن و اسرار عالم خلق در وے مخزون گشتہ است و دفائن و خفا یائے عالم امر در وے مدفون شدہ...... الخ ۲ ؎

ترجمہ: اے برادر اس پارہ گوشت کو معمولی شئے خیال نہ کرنا بلکہ یہ نہایت قیمتی جوہر

ا ؎ دفتر دوم مکتوب: ۱۰ ۲ ؎ دفتر دوم مکتوب: ۲۱

Marfat.com

ہے جس میں عالم خلق کے خزانے اور اسرار ودیعت رکھے گئے ہیں۔ اور عالمِ امر کے دفینے اور مخفی امور بھی اس میں مدفون ہیں ...... علاوہ ازیں وہ شئے بھی جو عالم خلق اور عالم امر میں الگ الگ موجود نہیں اور وہ اس کے معاملات خاصہ ہیں جو اس کی ہیئت وحدانی کے ساتھ وابستہ ہیں۔

○...... نیز فرمایا:

قلب انسان بھی اسی جامعیت کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے کہ جو کچھ پورے انسان میں ہے، وہ تنہا قلب میں ہے۔ اسی واسطے اس کو حقیقت جامعہ کہتے ہیں اور اسی جامعیت کے باعث بعض مشائخ نے قلب کی وسعت سے ایسی خبر دی ہے کہ اگر عرش اور مافیہا عارف کے دل کے گوشہ میں ڈال دیئے جائیں تو کچھ بھی محسوس نہ ہو۔ [۱]

○...... دل اللہ تعالیٰ کا ہمسایہ ہے جس قدر دل بارگاہ قدس کے قریب ہے اور کوئی شے اتنی قریب نہیں۔ جاننا چاہیے کہ قلب تمام مخلوقات میں سے افضل اور اشرف ہے جس طرح کہ انسان تمام مخلوقات میں سے اشرف ہے اور اس کا فضل وشرف عالم کبیر کے جامع اور مجمل ہونے کے باعث ہے۔ دل عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے۔ نیز دل غیب ہویت کا دروازہ ہے۔ [۲]

جامعیتِ قلب

الغرض دل کو عرش پر فضیلت جزئی حاصل ہے کیونکہ دل عاشق ذات ہے جبکہ عرش یہ فضیلت نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو خلافت ونیابت خداوندی کا افتخار حاصل ہوا۔

کسی نے خوب کہا ہے!

---

[۱] دفتر دوم مکتوب: ۱۲ [۲] دفتر سوم مکتوب: ۴۵

Marfat.com

عرش و غزنین ہر دو یک طبق است
بلکہ غزنین شریف تر طبق است

یعنی غزنی عرش سے افضل ہے کیونکہ وہ عشق وسوز جو غزنی کے اولیاء کو حاصل ہے عرش اس سے بے بہرہ ہے۔

○...... دنیا بھر کے شعراء عشق ومحبت اور احساسِ جمال کے سلسلہ میں سر کا نہیں بلکہ دل کا ہی ذکر کرتے ہیں اور مرکز محبت دل کو ہی قرار دیتے ہیں۔ دنیا بھر کے عرفاء اور صوفیاء بھی اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر عشق ومحبت اور عرفان وایقان کا ذریعہ دل کو ہی قرار دیتے ہیں۔ اور دل تک رسائی اور دل کی صفائی ہی ان کا مقصود ہوتی ہے۔ ایک عظیم فن کار کو فنی الہام دل سے ہی ملتا ہے۔ ایک عام آدمی بھی اپنے خلوص وصداقت کا اظہار دل کی طرف اشارہ سے ہی کرتا ہے۔ ہم سب تکیہ کلام کے طور پر ''میرے دل نے کہا'' میرے دل میں آیا...... دل نے چاہا...... کے فقرے استعمال کرتے ہیں۔ فطرت انسانی کی یہ عالمگیر شہادت...... دل کی عظمت اور اہمیت کی نا قابل تردید دلیل ہے۔

○...... مادی طور پر بھی دل کا محل وقوع جسم کے وسط میں ہے۔ دل کی پہلی ضرب سے ہی جسم انسانی میں حیات ظاہری شروع ہوتی ہے اور دل کی حرکت کے بند ہونے سے ہی حیات مستعار ختم ہو جاتی ہے۔ دل ہی تمام اعضاء کو حسب ضرورت خون کے رنگ میں جوہر حیات مہیا کرتا ہے۔ دل ہی میں مسرت ومحبت سے انبساط اور نفرت سے انقباض پیدا ہوتا ہے۔ دل کے ہی کھل جانے سے عالم ملکوت کے دریچے کھل جاتے ہیں اور انسان ملائکہ سے بھی زیادہ روشن ضمیر ہو جاتا ہے۔ اور دیدۂ دل ہی کی کور پنی سے ہی انسان بصارت وبصیرت سے محروم ہو کر اسفل السافلین کے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ بادشاہ مرکز میں بیٹھ کر اپنے ملک پر حکومت کرتا ہے اور تمام وظائف ملی کو انجام دیتا ہے۔ اسی طرح روح انسانی بھی قلب کے عرش پر بیٹھ کر ہی مملکت جسمانی

Marfat.com

کے نظم ونسق کو انجام دیتا ہے۔ دل منبع نوروسرور بھی ہے اور مرکز حسن وجمال بھی۔ مرزا بیدل نے کیا خوب کہا ہے!

ستم است گر ہوست کشد کہ بہ سیر سرو وسمن درآ
تو ز غنچہ کم نہ دمیدہ در دل کشا بہ چمن درآ

جب عالم خارجی سے ٹکراؤ کے ذریعے حواس میں ہیجان پیدا ہوتا ہے تو دل سے ایک شعورونور کی ہلکی سی لہر اٹھ کر دماغ تک جاتی ہے اور حواس کو دیدوشنید کی قوت عطا کرتی ہے۔ اگر دل سے شعور کی یہ لہر دماغ تک نہ جاتی تو دماغ بے کار ہوتا اور حواس معطل رہتے۔ دماغ کا دل سے یہ غیر شعوری رابطہ ہر آن قائم رہتا ہے اور اس مرکزشعور سے شعوری لہریں اُٹھ اُٹھ کر دماغ اور اس کے ذریعے حواس کو گرم اور کارفرما رکھتی ہیں۔ دل کی شعوری لہر جب محدود حواس کے ذریعے عالم خارجی کا ادراک کرتی ہے...... تو محدود ہو جاتی ہے۔ جس طرح بحرِ بیکراں کا پانی جب چھوٹی نہر میں جائے گا تو محدود ہوگا اور اسی نسبت سے اس کی قوت بھی محدود ہوگی۔ لیکن اس کا رابطہ بحر بیکراں سے قائم رہے گا۔ اگر وہ رابطہ نہ ہو تو اس جوئے کم آب میں پانی کہاں سے آئے؟ یا یوں سمجھئے کہ آفتاب کی شعاع محدود دِن میں ہم تک پہنچتی ہے۔ لیکن وہ دلیل آفتاب ہے اور وہ وہیں سے اکتساب نور کرتی ہے اور جہاں سے لہر اٹھتی ہے وہیں جا کر گم ہو جاتی ہے۔ وہ آتی بھی مرکز سے ہے اور جاتی بھی مرکز کو ہی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کے مفہوم پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو سکتی ہے!

ع دل اپنی طلب میں صادق تھا گھبرا کے سوئے مطلوب گیا
دریا سے یہ موتی نکلا تھا دریا ہی میں جا کر ڈوب گیا

اگر آپ کو شعاع نور کے ساتھ ساتھ اس کے مرکز اور مبداء تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ ہاتھ آ جائے تو آپ مبداءِ نور تک پہنچ جائیں گے اور اگر دل میں اٹھ کر دماغ اور

پھر حواس خمسہ تک پہنچنے والی شعوری لہر کا آپ تعاقب کرتے چلے جائیں تو آپ دل تک پہنچ جائیں گے۔

صوفیاء حواس خمسہ کے عارضی تعطل سے عالم خارجی سے فکری رابطہ توڑ کر اپنی شعوری قوت کو نہاں خانہ دماغ میں مرکوز کرتے ہیں اور پھر وہاں سے اپنے دل میں غوطہ لگاتے ہیں اور مرکز نور و شعور تک پہنچ جاتے ہیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا نسخہ مجرب اور جامع ہے!

چشم بند و لب بہ بند و گوش بند
گر نہ بینی سرِ حق بر من بہ خند

سرِ حق کا مقام دل ہے۔ دل عالم ناسوت و ملکوت کے درمیان برزخ ہے۔ یہ عالم فانی کو بھی دیکھتا ہے اور عالم باقی کو بھی دیکھ سکتا ہے۔ یہ تعینات صورت و کثرت کا بھی ناظر ہے اور عالم بے کیف و کم کا بھی شاہد ہے۔ دل، حق کا عرش...... اسرار کا گنجینہ اور حقائق کا دفینہ ہے۔ دنیائے دل کائنات بے خزاں ہے۔ یہ وادی نور و سرور ہے۔ یہ طور تجلی...... محمل لیلیٰ...... برزخ کبریٰ...... آئینہ حق نما...... اور ترکش علم و عرفان کا تیر بے خطا ہے۔ اس کی موت حقیقت انسانی کی موت اور اس کی زندگی حقیقی زندگی ہے۔

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

بحرِ قلب میں غواصی

دل انوار و تجلیات کا بحر زخار اور دریائے ناپیدا کنار ہے۔ عرفان کا درشہوار اس کی تہ میں موجود ہے۔ اور اس در یکتا تک حصول اور اس کا وصول ہی اصل مقصد ہے۔ لیکن سمندر میں غوطہ لگانا جان کو جوکھوں میں ڈالنا ہے۔ یہ بزدلوں اور کمزوروں کے

Marfat.com

بس کی بات نہیں ۔ کم ہمت یہاں غرقاب ہوجاتے ہیں ۔لیکن جان پر کھیل جانے والے کامیاب ہوجاتے ہیں۔سمندر سے موتی نکالنے والے غوطہ خوری سے پہلے بڑی تیاریاں کرتے ہیں۔مہینوں اور سالوں تک وہ تیراکی اور حبسِ دم کی مشق کرتے ہیں۔ وہ گہرے پانی تک بتدریج پہنچتے ہیں۔ پھر مشق کے بعد جب اصلی غوطہ خوری کا وقت آتا ہے۔تو وہ کپڑے اتار کر...... دم روک کر...... ناک اور کان بند کرکے...... شوق وطلب کے بل بوتے پر سمندر میں کود جاتے ہیں ۔ خارجی دنیا سے ان کا تعلق منقطع ہوجاتا ہے۔ وہ اپنی دھن میں محو ہوکر قعر بحر تک پہنچ جاتے ہیں اور انجام کار گوہر مقصود کو پالیتے ہیں۔ بالکل اسی طرح طالب حقیقت کو بھی گوہر عرفان کے حصول کے لئے اپنے دل میں غوطہ لگانا پڑتا ہے۔ابتدائی مشقیں بھی کرنی پڑتی ہیں۔ بحرِ وحدت میں غوطہ لگانے کیلئے عالم کثرت سے منقطع ہونا پڑتا ہے۔سمندر کے غوطہ خور ہی کی طرح حبسِ دم بھی کرنا پڑتا ہے اور ظاہری حواس کو باطنی حواس کی بیداری کی خاطر...... عارضی طور پر ایک حد تک معطل بھی کرنا پڑتا ہے۔تب کہیں ایک طویل جدوجہد کے بعد...... گوہر مقصود ہاتھ آتا ہے۔ بزدل رہ جاتے ہیں...... کم ہمت گھبرا جاتے ہیں۔ لیکن طالبان صادق موجوں کے تھپیڑے کھاتے ہوئے گرداب سے لڑتے ہوئے...... بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ وہ طلب کی کشتی میں سوار ہوکر صبر کے چپو چلاتے ہوئے آخرکار ساحل مراد تک پہنچ ہی جاتے ہیں۔

عقل جزئی وعقل کلی

عقل جزئی کا مرکز سر ہے...... جہاں سے وہ حواس خمسہ کے ذریعے عالم کثرت سے رابطہ پیدا کرتی ہے اور عالم رنگ وبو اور دنیائے صوت وصورت کے مشاہدہ میں محو رہتی ہے...... تا آنکہ وہ اپنے آپ کو اسی دنیائے آب وگل کا مکین یقین کرلیتی ہے۔

Marfat.com

لیکن عقل کلی کا مرکز دل ہے اور اس کا مقصود مکاں کی بجائے لامکاں اور عالم کثرت کی بجائے ...... دنیائے وحدت ہے۔ روح انسانی سر کے ذریعے عالم کثرت سے تعلق قائم رکھتی ہے اور دل کے ذریعے عالم وحدت سے مربوط رہتی ہے۔

دیدۂ سر کی بیداری کثرت نما ہے اور دیدۂ دل کی بیداری وحدت نما ہے۔ غیر بینی عقل کا شعار ہے لیکن یار بینی پر دل کا مدار ہے۔ عقل کا مقصود ماحول سے تطابق ہے لیکن دل دانائے راز ہے۔ عقل کا حاصل، اضطراب ہے لیکن دل کا انعام، اطمینان ہے۔ بہارِ سرمدی اور اطمینان ابدی دل والوں کا ہی انعام ہے۔ اس دنیائے شک و اضطراب کو دل والوں کی ضرورت ہے تاکہ اضطراب ...... اطمینان سے اور شک ...... یقین سے بدل سکے۔ یقین شہود سے ملتا ہے اور شہود دل کی بیداری سے حاصل ہوتا ہے۔ اور دل کی بیداری ...... صحبت ...... نسبت ...... اور ذکر و فکر سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ فرمان خداوندی اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب میں اسی امر کی خبر دی گئی ہے۔

ہر چند پیر خستہ دل و ناتواں شدم
ہر گاہ کہ یاد روئے تو کردم جواں شدم

علم لدنی

اصلی علم وہ ہے جو نور عطا کرے اور بندے کو خدا تک پہنچا دے۔ علم نبوت کے ساتھ نور نبوت بھی لازمی ہے۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ میں نور سے مراد نور نبوت ہے اور کتاب سے مراد علم نبوت ہے اور ان دونوں کا محل قلب مؤمن ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام سے روایت فرماتے ہیں کہ

اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ فَعِلْمٌ بَاطِنٌ فِي الْقَلْبِ فَذَالِكَ هُوَ الْعِلْمُ النَّافِعُ
یعنی علم کی دو قسمیں ہیں اور علم باطن قلب میں ہے پس وہی علم نافع ہے...... [1]

---

[1] احیاء العلوم للغزالی جلد سوم ص: ۲۴

Marfat.com

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

مؤمن وہ ہے جس کو اللہ کے نور سے پردہ کے پیچھے کی چیز نظر آئے۔

ابویزید فرماتے ہیں:

عالم وہ نہیں کہ کتاب میں سے کچھ پڑھ کر یاد کرے اور جب بھول جائے تو جاہل رہ جائے...... بلکہ عالم وہ ہے جو علم اشیاء براہ راست اپنے پروردگار سے جب چاہے حاصل کرے۔ اسی کو علم لدنی کہتے ہیں اور وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ا؎ سے یہی علم مراد ہے۔

قلب کے دو دروازے

بمطابق حدیث مبارکہ...... رویائے صالحہ (نیک خوابیں) نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہیں۔ اس سلسلہ میں سچی خوابیں معتبر دلیل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر خواب میں کشف حقائق ہوسکتا ہے تو بیداری میں کیوں وقوع پذیر نہ ہوگا۔ جو آدمی سچے خوابوں کی تصدیق کرے گا...... اس کو اقرار کرنا پڑے گا کہ قلب کے دو دروازے ہیں۔ ایک خارج یعنی حواس کی طرف...... اور دوسرا باطن یعنی عالم ملکوت کی طرف، جس کو الہام ووحی کا دروازہ کہتے ہیں۔ قلب کہ جو دروازہ ملکوت کی طرف ہے وہ مجاہدہ...... ورع...... اور انقطاع شہوات سے کھلتا ہے۔ اس کے لئے کاملین کی توجہ اور صالحین کی صحبت اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی دروازے سے دل میں ایک قوت آتی ہے جس کو نور الٰہی کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ

اسی قوتِ نورانیہ کو بصیرت قلبی اور فراست ایمانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جو لوگ

ا؎ الکہف، ۱۸:۶۵

اہل اللہ کی صحبت اور توجہ کے فیضان سے محروم رہتے ہیں وہ اس نور سے بھی فیضیاب نہیں ہو سکتے۔

نہیں سیکھا انہوں نے دین رہ کر شیخ کے گھر میں
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

(اکبر الہ آبادی)

Marfat.com

مرشد کی ضرورت واہمیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ ۱؎

صاحب روح البیان نے صراحت فرمائی وَهِیَ عُلَمَاءُ الْحَقِیْقَةِ وَمَشَائِخُ الطَّرِیْقَةِ یعنی وسیلہ سے مراد علمائے حقیقت اور مشائخ طریقت (پیران عظام) ہیں۔ آیت مبارکہ

كُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ ۲؎ میں بھی اسی جانب اشارہ ہے۔

اَلصَّادِقُوْنَ هُمُ الْمُرْشِدُوْنَ ۳؎ یعنی صادقین سے مراد طریقت کے مرشد ورہنما ہیں۔

حضرت مولانا روم نے مرشد کی ضرورت اور اہمیت کے متعلق کیا خوب کہا ہے۔

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد
ہیچ آہن خنجر تیزے نہ شد
ہیچ تلمیذے نہ شد استاد کار
تا کہ تلمیذے شکر ریزے نہ شد
مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلامے شمس تبریزے نہ شد

۱؎ المائدہ ۳۵:۵ ۲؎ التوبہ ۱۱۹:۹ ۳؎ تفسیر روح البیان

Marfat.com

تعلیم و تربیت کے لئے تزکیہ لازم ہے

علم حاصل کرنے کیلئے معلم کی اور تربیت کے لئے مربی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح حصول معرفت اور اصلاحِ سیرت کیلئے بھی...... کسی عارف اور مصلح کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر صرف قولی براہین یا تحریری دلائل سے ہی...... انسانی صلاح و فلاح کا کام چل جاتا تو آسمانی کتابوں کے ساتھ انبیاء کی بعثت نہ ہوتی۔ صرف نزول کتاب ہی کافی ہوتا لیکن اس کتاب کی تعلیم اور وضاحت کے لئے نیز انسانوں کے باطنی تزکیہ اور تصفیہ کیلئے انبیاء کا وجود لازم ہے کہ بغیر انسانی رفاقت وصحبت کے تزکیہ نفس و تصفیہ قلب ممکن نہیں۔ اسی لئے خاتم النبیین ﷺ کے فرائضِ رسالت اور مقاصد بعثت کے سلسلے میں فرمایا گیا۔

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ [۱]

تزکیہ، فطرت انسانی کی بیداری اور قبول حق کے لئے تیاری کا نام ہے۔ باطل افکار و اَوہام...... قلب انسانی کے وہ حجابات ہیں جو خداشناسی اور خود آگاہی کی راہ کی رکاوٹ ہیں۔ ان کا دور کرنا...... شہود حق کیلئے ضروری ہے۔ وہی کپڑا صحیح رنگ کو قبول کرتا ہے...... جس کا میل کچیل اور داغ دھبے پہلے دور کردیئے جائیں۔ اور وہی زمین تخم ریزی اور اس کی نشوونما کے قابل ہوتی ہے...... جس میں سے پہلے گھاس پھوس اور فالتو جڑی بوٹیوں کو دور کرلیا جائے۔ کپڑے کی یہ دھلائی اور زمین کی یہ تیاری ہی وہ تزکیہ ہے...... جو فطرت اور صلاحیت کی بیداری کے لئے لازم ہے۔

کتاب و حکمت کی تعلیم سے پہلے...... تزکیہ ہی انبیاء کی تربیت و تعلیم کا اصول ہے اور یہ تزکیہ فیضان صحبت و معیت ہی سے ممکن ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو صحابہ

۱۔ ال عمران ۳: ۱۶۴

Marfat.com

کرام ﷺ کی تمام امت کے اولیاء اور صلحاء پر برتری ثابت نہ ہوتی۔ کتاب تو آج بھی من وعن موجود ہے اور اس پر عمل کرنے والے بھی موجود ہیں۔ لیکن صحابہ کرام کے مرتبہ اور مقام کو کوئی اس لئے پا نہیں سکتا کہ نبوت کی جو صحبت ومعیت انہیں حاصل تھی...... وہ ہم کو حاصل نہیں...... جو تزکیہ...... نبی کریم علیہ السلام کے فیضان نظر سے انہیں نصیب ہوا...... وہ ہمیں حاصل نہیں اور یہی وہ امتیاز ہے جو انہیں تمام امت سے ممتاز بنا دیتا ہے۔

حضرت اقبال...... فیضان نظر اور برکت صحبت کی اہمیت کو انسانی تربیت اور بیداری صلاحیت کے لئے لازمی قرار دیتے ہیں اور بار بار اس کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

صحبتِ روشن دلاں یک دم، دو دم
آں دو دم سرمایۂ بود و عدم
عشق را شوریدہ تر کرد و گذشت
عقل را صاحب نظر کرد و گذشت

o

کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے
بوسہ زن بر آستانے کاملے

o

تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

سورۃ فاتحہ میں خالق کائنات نے مؤمنین کو طلب ہدایت کا اسلوب بھی سکھایا

Marfat.com

اور اس کا مفہوم بھی سمجھایا۔ مومن جب معرفت اور ہدایت کے لئے صراط مستقیم کے حصول کی دعا کرتا ہے تو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے الفاظ اس کے لبوں پر آتے ہی صراط مستقیم کا مفہوم بھی اس پر واضح ہو جاتا ہے یعنی صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (انعام یافتہ لوگوں کی راہ) اور یہی لوگ ہیں جو کامیاب منزل اور فائز المرام ہو چکے ہیں۔ پھر ان کی نشاندہی بھی فرمادی گئی ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ [1]

یہ حسبِ معرفت مومنین کے مدارج کی وضاحت ہے اور مقصد ان کی رفاقت و معیت ہے۔ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا دیکھئے یہاں بھی صراط مستقیم کی نشان دہی علمی اور منطقی انداز میں نہیں کی گئی بلکہ برگزیدہ اور چیدہ افراد کی نشاندہی کے بعد ان کی رفاقت کی اہمیت کی وضاحت پر ہی اکتفا کی گئی ہے کہ تعلیم و تربیت کا فطری طریقہ معیت و رفاقت ہی ہے۔

علماء کرام کا طبقہ اَذہان کو...... زیور علم سے آراستہ کرتا ہے تو اولیاء کرام کا طبقہ قلوب کو تزکیہ اور تصفیہ کے ذریعے...... ذوق و شوق اور اذعان و یقین سے مزین کرتا ہے۔ کہ یہ دونوں امور...... نبوت کے مقاصد میں شامل تھے اور تعلیم و تربیت ہمیشہ دوش بدوش چلتی رہے گی۔ اس لئے یہ دونوں امور تکمیل کردارِ انسانی و تشکیل اطوارِ اسلامی کیلئے لازم ہیں۔

علم باطنی کی فضیلت

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ

---

[1] النساء ۴:۶۹

مِن لَّدُنَّا عِلْمًا [۱]

علم لدنی یا علم باطن کی فضیلت اور اہمیت اس امر سے واضح ہے کہ اپنے وقت کے صاحبِ کتاب، رسول کو اس علم کے حصول کے لئے ...... سفر کا حکم ملا اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کی معیت وصحبت میں رہنے اور ان سے علم باطنی حاصل کرنے کیلئے بھیجا گیا ...... اگر یہ علم غیر ضروری ہوتا تو اتنے بڑے برگزیدہ نبی کو اس کے حصول کا کیوں حکم ہوتا اور پھر سفر اور معیت میں اتنا وقت صرف کرنے کا کیوں ارشاد ہوتا۔ پھر اس واقعہ میں جہاں علم باطن کی اہمیت کی وضاحت کی گئی ہے وہاں اس کے حصول کے آداب وضوابط بھی واضح فرمائے گئے۔ چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر واضح فرمایا کہ مکمل تسلیم ورضا اور تنقید سے اجتناب ...... حصول علم باطن کی بنیادی شرط ہے۔ یہ معاملہ تنقید عقلی سے ماوراء ہے اور صرف تسلیم قلبی ہی اس کے حصول کا ذریعہ ہے۔ گرتی ہوئی دیوار کو بلا معاوضہ مرمت کر دینا ...... بچے کو بظاہر بلا جواز مار دینا ...... اور بلا اُجرت پار لگانے والے ملاحوں کی کشتی کو توڑ دینا ...... یہ سب امور ...... عقل ظاہری کے نزدیک سخت قابل اعتراض تھے۔ لیکن باطنی طور پر گہری حکمت کے حامل تھے۔ پس ایک ہی واقعہ عقل جزئی کے نزدیک مذموم لیکن شعور باطن کیلئے محمود ہوتا ہے۔ عقل جزئی جہاں شر دیکھتی ہے، عقل کلی وہاں خیر پاتی ہے۔ پس یہ بھی ثابت ہوا کہ تعلیم وتربیت کا بنیادی اصول ابتداء میں صرف مرشد اور مربی کی ذات پر اعتماد ہے۔ تنقید اس راہ کا حجاب ہے اور تسلیم پر حصول فیض کا مدار ہے۔ عارف رومی کا طالبان راہ کو یہی مشورہ ہے۔

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر
ہست بس پُر آفت و خوف و خطر

۱۔ الکہف، ۱۸:۶۵

چوں گزیدی پیر ہیں تسلیم شو!
ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو
گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن
گرچہ طفلے را کشد تو مو مکن

صحبتِ شیخ

صحبت شیخ مرید کے لئے اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔ صحابہ کرام صحبت رسالت مآب علیٰ صاحبہا الصلوات کی وجہ سے ہی صحابی کہلاتے ہیں ...... آیت قرآنی وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ میں صحبت ومعیت ہی کی فضیلت کا بیان ہے۔

حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ...... عوارف المعارف میں ارشاد فرماتے ہیں:

''تمام روحانی ترقیوں کا سرچشمہ مشائخ کی محبت ہے''۔

شیخ ایک ایسا دروازہ ہے جسے خداوند تعالیٰ اپنے آستانہ کرم کی طرف کھولتا ہے۔ شیخ کے ذریعے ہی مرید کے تمام دینی اور دنیاوی امور انجام پاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فضل شیخ کے وسیلے سے ہی مرید پر نازل ہوتا ہے۔

مرید کی تربیت کا دور دو حصوں پر منقسم ہوتا ہے۔ پہلا شیر خوارگی کا دور ہے اس میں طفل معصوم جس طرح تمام امور میں ماں کی ہدایت وحفاظت کا محتاج ہوتا ہے اور کسی بھی وقت ماں سے مفارقت اس کے لئے مضر ہوتی ہے۔ اسی طرح تربیت کے دور اول میں مرید کو ہمہ وقت مرشد کی حاضری ...... محبت ......اور توجہ کے دائرہ میں رہنا ہوتا ہے۔ اس مرحلہ پر مرشد کی اجازت کے بغیر اس سے علیحدگی یا امور دنیا میں مصروفیت منع ہوتی ہے۔ اور ظاہری اور باطنی دائمی محبت ومعیت پر ہی مرید کی تربیت

Marfat.com

کا مدار ہوتا ہے۔ دوسرے مرحلہ میں جس طرح بچہ اپنے پاؤں پر چل سکتا ہے اور اپنے ہاتھوں سے کھانا کھا سکتا ہے اور نفع وضرر سے آشنا ہو کر اپنی حفاظت کر سکتا ہے تو پھر ماں کی آغوش سے علیحدگی جائز ہوتی ہے۔ اسی طرح باطنی ترقی اور پختگی کے بعد مرید شیخ سے ظاہراً دور بھی ہو سکتا ہے۔ گو اس حالت میں بھی وہ باطنی طور پر شیخ کے دائرہ تصرف میں ہی ہوتا ہے۔

تعلیم غوثیہ میں حضرت شاہ غوث علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

''مرید اپنے تمام حالات بے کم وکاست شیخ کی خدمت میں بیان کرے تاکہ پیر اس کی تربیت میں کوشش کرے اور فتور سے اسے محفوظ رکھے۔ مرید متبدی...... پیر کی حضوری میں مؤدب رہے اور غیبت میں بصورت مراقبہ حاضر رہے۔ مرید کو لازم ہے کہ ہمیشہ پیر سے جُویائے حقیقت رہے۔ جب پیر کامل مل جائے...... تو اس کے حکم کا فرمانبردار رہے اور اس سے تمسک اور اس کی اطاعت کو اپنے پر لازم کرے اور ہمیشہ شیخ کے باطن میں عکسِ ذات حق کو دیکھے کہ پیر کی ذات آئینہ حق نما ہے۔

جیسا کہ پیر رومی نے فرمایا ہے:

چوں تو ذاتِ پیر را کردی قبول
ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول
دو مداں و دو مبیں و دو مخواں
خواجہ را در خواجہ خود محو داں
گر جدا بینی ز حق ایں خواجہ را
گم کنی ہم متن و ہم دیباچہ را
پیر و حق از اَحولی ہر کہ دو دید
نے مرید و نے مرید و نے مرید

Marfat.com

پیر کامل و ناقص میں امتیاز

حقیقت و مجاز اور حق و باطل میں امتیاز بصارت سے نہیں بلکہ بصیرت سے ہی ممکن ہے اور بصیرت عوام کالانعام کو حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے بسا اوقات رہزن رہبر بن کر...... سادہ لوح افراد کو دھوکا دیتے رہتے ہیں۔ تشنہ لب طالب...... صحرائے لق و دق کے مسافر کی طرح کئی بار سراب کو آب سمجھ کر لپکتے ہیں لیکن محرومی اور ناکامی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ تریاق کے دھوکے میں زہر کھا لینے والے کا اللہ ہی حافظ ہے۔ جہاں پیر کی طلب اور نسبت ضروری ہے، وہاں صحیح پیر و مرشد کی معرفت ضروری ہے ورنہ کامیابی سے ہمکنار ہونا دشوار ہے۔ اس سلسلہ میں شریعت حقہ کی کامل پیروی اور اولیاء کاملین کا اتباع ہی وہ معیار ہے جس پر اصلی اور نقلی...... اور سچے اور جھوٹے پیر کو پرکھا جا سکتا ہے۔

حضرت علامہ حسین کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے عمدہ رنگ میں اس معیار کو بیان کیا ہے۔

پیرے کہ نہ چرخ سازدش پیر
خود را طلبد ز راہ تدبیر
پیرے کہ نہ قال غالب اوست
آں پیر کہ حال طالب اوست
پیرے کہ نہ آب و خاک بیند
آں پیر کہ جان پاک بیند
پیرے کہ نہ در خیال باشد
پیرے کہ بہ وجد و حال باشد

Marfat.com

پیرے کہ نہ مبتلائے جاہ است
آں پیر کہ مقتدائے راہ است
پیرے کہ نہ پائے بستہ باشد
پیرے کہ ز خویش رُستہ باشد
پیرے کہ نہ ہمچو سایہ پست است
پیرے کہ ز نور عشق مست است
پیرے کہ نہ غائب است دور است
پیرے کہ ہمیشہ در حضور است
پیرے کہ محقق است و کامل
پیرے کہ مقرب است و واصل

منازل سلوک طے کیے بغیر فناء و بقا کی طویل اور مہیب وادیوں کو عبور کیے بغیر اور سیر الی اللہ...... سیر فی اللہ اور سیر عن اللہ باللہ کے اسرار و رموز کو سمجھے بغیر اگر کوئی ناقص ...... کاملوں جیسی وضع قطع بنا کر ...... حسن ظاہر کے حجاب میں ...... قبح باطن کو چھپا کر...... اور رہبری کا لیبل لگا کر...... رہزنی کا کاروبار شروع کر دے۔ تو ایسے ہی قُطاع الطریق ...... طالبوں کو گمراہ کرتے ہیں اور فقراء کو داغدار کرتے ہیں، عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے انہی کے دام تزویر کی نشاندہی کرتے ہوئے انتباہ فرمایا ہے

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نہ باید داد دست
رہزنے چون نام خود رہ بیں کند
عامیاں را در ہلاکت افگند

Marfat.com

آنکہ رہ ہرگز نہ داند اے رفیق
رہنمائی چوں کند اندر طریق
وائے آں طالب کہ در دامش فتاد
ہر چہ بودش نقد اُو برباد داد

ولی کی پہچان

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ''مالابُد منہ'' کے آخر میں لکھتے ہیں

''که ولی در قرآن شریف متقی راگویند . . .ودر حدیث شریف علامت اولیاء الله فرموده که از صحبت او خدا یاد آید یعنی محبت دنیا در صحبت او کم شود و محبت حق زیاده گردد''

یعنی ولی قرآن شریف میں متقی کو فرمایا گیا ہے اور حدیث شریف میں اولیاء اللہ کی یہ علامت بیان کی گئی ہے کہ ان کی صحبت میں رہ کر دنیا کی محبت کم ہوتی ہے اور حق کی محبت زیادہ ہوتی ہے۔

یہی معیار حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیان فرمایا ہے:

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت کیا ہے
حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے
ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

پیرومرشد کا ربطِ باہم

سلسلہ طریقت پیر اور مرید کے رابطہ پر مبنی ہے لیکن یہ رابطہ دوسرے عام

روابط سے منفرد ہوتا ہے...... تسلیم ورضا...... خلوص ووفا پر اس رابطہ کا مدار ہوتا ہے۔ مرید کی طرف سے انتہائی اطاعت اور پیر کی طرف سے انتہائی شفقت...... تربیت باطنی کے دو بنیادی اصول ہیں اور پھر اگر مرید کی فطری صالحیت اور پیر کی مربیانہ تربیت...... دونوں موجود ہیں تو پھر کسی کامل شخصیت کا ظہور لازم ہوتا ہے۔ جس طرح کہ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قبلہ شیخ مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے ربط باہم سے...... حضرت مجدد کے رنگ میں ایک شاہکار تربیت شخصیت وجود پذیر ہوئی۔ یا حضرت قبلہ خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے فیض تربیت سے حضرت قبلہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ جیسی نادرہ روزگار شخصیت ظاہر ہوئی۔

بہرحال یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ وادی طریقت ''کا'' لازمان ولامکان اور بے نام و بے نشان سفر...... پیر کامل کی رہنمائی کے بغیر ممکن نہیں۔ اگر کوئی استثنائی واقعہ اس کے خلاف ملے تو وہ الشاذ کالمعدوم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں مرشد رومی کا ارشاد ملاحظہ فرمایئے۔

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالع ترا طالع کند
کیف مدّ الظل نفس اولیا ست
کہ دلیل سایہ نور خدا ست
اندریں وادی مرو بے ایں دلیل
لَآ اُحِبُّ الْاٰفلین گو چوں خلیل
پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر
ہست بس پُر آفت و خوف و خطر
ہر کہ او بے مرشدے در راہ شد

Marfat.com

اُو ز غولاں گمراہ و در چاہ شد
تا توانے ز اولیاء رو بر متاب
جہد کن واللہ اعلم بالصواب
چوں شدی دور از حضور اولیاء
در حقیقت گشتہ دور از خدا

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ کامل

قطب الاقطاب حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

لیکن بداند کہ ایں قطع منازل و عروج مدارج وابستہ بتوجہ وتصرف شیخ کامل مکمل راہ داں راہ بیں راہ نما است کہ نظر اوشافی امراض قلبیہ است وتوجہ او دافع اخلاق ردّیہ نامرضیہ......الخ ا؎

ترجمہ: جاننا چاہئے کہ ان منازل کا قطع کرنا اور ان مدارج پر عروج کرنا شیخ کامل مکمل راہ داں......راہ بیں......ورہنما کی توجہ اور تصرف پر مبنی ہے جس کی نظر امراض قلبی کو شفا بخشنے والی ہے اور اس کی توجہ ناپسندیدہ اخلاق کو دور کرنے والی ہے۔ پس طالب کو چاہئے کہ اول شیخ کامل کی طلب کرے۔ اگر محض فضل خداوندی سے اس کو شیخ کا پتہ چل جائے تو شیخ کی معرفت کو نعمت عظمیٰ تصور کر کے...... اپنے آپ کو اس کا ملازم بنائے اور ہمہ تن اس کے تصرف کے تابع ہو جائے۔

شیخ الاسلام ہروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ا؎ دفتر اول مکتوب:۲۸۶

Marfat.com

الٰہی چیست اینکہ دوستاں خودرا کردی کہ ہر کہ ایشاں راشناخت ترایافت وتاترا نیافت ایشان را نہ شناخت

یعنی ''الٰہی یہ کیا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کو عطا کیا ہے؟ کہ جس نے ان کو پہچانا اس نے تجھ کو پالیا۔ اور جب تک تجھے نہ پایا ان کو نہ پہچانا۔ نیز فرمایا...... مرید کو چاہئے کہ اپنے اختیارات کو کلی طور پر شیخ کے اختیار میں گم کردے اور اپنے آپ کو تمام مرادوں سے خالی کر کے ہمت اس کی خدمت کے لئے باندھے اور جو کچھ پیر فرمائے اس کو اپنی سعادت کا سرمایہ جان کو بجالائے۔ شیخ مقتدا اگر ذکر کو اس کی استعداد کے مناسب جانے گا تو اس کا امر کرے گا اور اگر توجہ اور مراقبہ کو اس کے مناسب حال سمجھے گا تو اس کی تلقین فرمائے گا اور اگر صرف صحبت ہی کو اس کے لئے کافی سمجھے گا تو اس کا حکم دے گا۔

الغرض شیخ کامل کی صحبت و معیت حاصل ہونے کے بعد...... شرائط راہ میں سے کسی شرط کے متعلق فکر کرنے کی حاجت نہیں۔ جو کچھ طالب کے مناسب حال دیکھے گا، فرمادے گا۔ اگر راستہ کی بعض شرائط میں تقصیر واقع ہوگی تو شیخ کی صحبت اس کا تدارک کردے گی۔

پھر اگر مرادوں میں سے ہے تو اس کو اپنی طرف جذب کرلیں گے۔ اور محض عنایت بیغایت سے اس کا کام کردیں گے۔ اور منازل سلوک کے قطع کرنے میں...... بعض بزرگوں کی روحانیت کو اس کی راہ کا وسیلہ بنادیں گے۔ کیونکہ اللہ کی عادت اسی طرح جاری ہے کہ راہ سلوک کے طے کرنے میں مشائخ کی روحانیت کا وسیلہ درکار ہوتا ہے۔

حضرت امام ربانی نے ایک مقام پر یوں فرمایا کہ

اگر فرضاً ظلمتے وکدورتے طاری شود علاج آں التجا و

تضرع ونیاز و شکسگی است بجناب قدس خداوندی جل سلطانه وتوجه تام است بمربی خود که وسیله حصول ایں دولت اوست......الخ ا؎

ترجمہ: اگر طبیعت پر ظلمت وکدورت طاری ہوجائے تو اس کا علاج یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجاوزاری اور نیاز و شکستگی بجالائیں۔

اور اپنے مربی یعنی پیر کی طرف جو اس دولت کے حاصل ہونے کا وسیلہ ہے، پورے طور پر متوجہ ہوں اور حضور وغیبت میں اس بڑی دولت کے وسیلوں یعنی پیروں کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ اور ان بزرگوں کی رضا کو حق تعالیٰ کی رضا کا وسیلہ بنائیں کہ نجات وخلاصی کا طریقہ یہی ہے۔

ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں۔

و شیخ مقتدا راکه برزخ میگویند باعتبار آنست که اودر مقام برزخیت که مقام قلب است فرود آمده است واز هردو جهت روح ونفس حظے وافر گرفته است......الخ ۲؎

ترجمہ: شیخ مقتدا کو جو برزخ کہتے ہیں اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ وہ مقام برزخیت میں جس کو مقام قلب کہتے ہیں...... اترا ہوا ہوتا ہے اور روح ونفس کی ہر دو جہت سے حظ وافر حاصل کیا ہوتا ہے۔ روح کی جہت سے اپنے فوق واعلیٰ سے استفادہ کرتا ہے۔ اور نفس کی جہت سے اپنے ادنیٰ اور ماتحت کو فائدہ دیتا ہے کیونکہ اس میں حق اور خلق کی توجہ دونوں جمع ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کا حجاب نہیں ہوتیں۔ اسی لئے شیخ برزخ کو تشبیہ اور تنزیہہ کا جامع کہتے ہیں۔

ا؎ دفتر اول مکتوب: ۲۱۸ ۲؎ دفتر اول مکتوب: ۲۴۷

مثال

کوئی طفل معصوم اگر پہلی دفعہ کسی میلے یا شہر کے بارونق بازار میں جائے تو وہاں کی گوناں گوں دلچسپیوں ...... انواع واقسام کے کھلونوں ...... اور رنگا رنگ تماشوں کو دیکھ کر مسحور اور مبہوت ہو جاتا ہے۔ نہ تو اسے وقت کی اہمیت یاد رہتی ہے، نہ اپنے گھر کا خیال آتا ہے تا آنکہ میلا اجڑ جاتا ہے اور بازار بند ہو جاتا ہے تو پھر وہ طفلِ ناداں اس تاریک اور اجنبی ماحول میں ...... لرزاں اور ترساں اپنے گھر اور ماں کی محبت بھری آغوش کو یاد کرتا ہے۔ اسی طرح عالم وحدت سے جب روح عالم کثرت میں آتی ہے تو حجاب عقلی کے زیر اثر یہاں کی گوناگوں دلچسپیوں میں کھو جاتی ہے۔ عالم قدس کا یہ طائر آزاد، قفس کو آشیاں اور اسیری کو آزادی سمجھ بیٹھتا ہے اور قفس کی عارضی راحت اور صیاد کی مہیا کردہ غذا کی لذت میں کھو کر ...... باغ جناں کی لامحدود وسعتوں اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے حتی کہ کسی طائر آزاد کی آواز اسے کبھی کبھار اپنے وطن اصلی کی یاد کو زندہ کر دیتی ہے اور وہ قفس کی اسیری سے نفور ہو کر پھر سے آزادی کا جُویا بن جاتا ہے۔

میلے میں کھو جانے والا طفل ناداں بھی اگر کسی معتبر اور بالغ نظر انسان کی انگلی تھام کر ...... سیر وتفریح کے لئے نکلتا تو بازار کی رونقیں بھی دیکھ پاتا اور مرد دانا کی رفاقت اور حفاظت کی وجہ سے سلامتی کے ساتھ گھر بھی لوٹ جاتا۔

پس عالم کثرت کی گوناں گوں مسحور کن، دلچسپیوں اور عالم مجاز کی رنگارنگ بوقلمونیوں میں کھو جانے سے بچ کر ...... عالم حقیت کی طرف ...... کامیاب مراجعت کے لئے بھی کسی مرد دانا کی رفاقت اور اطاعت ضروری ہے۔ کہ وہ عارضی اور بے ثبات میلے کی وہمی اور غیر حقیقی دلچسپیوں سے بھی بچائے گا اور اطمینان ومسرت کی لازوال دنیائے حقیقت تک بھی پہنچائے گا۔ دانائے راہ راہبر اور قوی محافظ ہو تو، نہ

Marfat.com

راہزنوں کی یلغار ستاتی ہے اور نہ ہی راستہ کی پیچیدگی الجھاتی ہے۔ اسی لئے اللہ کریم کا ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ

پس صادقین کی معیت اور اولیاء کاملین کی رفاقت ہی حصول سعادت کا حتمی ذریعہ ہے اور اُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ الخ کے مطابق انعام یافتہ لوگوں کی یہی پہچان ہے۔

Marfat.com

تعلیماتِ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

مقصدِ تخلیق

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ۱؎

ترجمہ: نہیں پیدا کیا میں نے جنوں اور انسانوں کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔

آیت مذکورہ کی تفسیر میں حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

لِيَعْبُدُوْنَ بِقَوْلِهٖ لِيَعْرِفُوْنَ ۲؎

یعنی انسانوں اور جنوں کو اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے...... کیونکہ عبادت ...... معرفت کے بغیر نامکمل ہے۔ ثابت ہوا کہ شریعت اور طریقت دونوں سے مقصود معرفت (خداشناسی) ہے۔ اگر آپ کو معلوم ہی نہیں کہ ہمارا معبود کون ہے؟ ہمارا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اس کی معرفت اور اس کی رضا کیسے حاصل ہوسکتی ہے؟ تو آپ عبادت کی روح اور حقیت کو ہرگز حاصل نہیں کرسکتے۔

عارف اکمل حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تخلیق کائنات کی حقیقت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسماء وصفات کے ظہور کا ارادہ فرمایا تو عدم کو آئینہ بنایا کیونکہ عدم آئینہ ہے وجود کا......اور مجاز آئینہ ہے حقیقت کا۔

۱؎ الذاریات، ۵۱:۵۶ ۲؎ تفسیر روح البیان، اسماعیل حقی، داراحیائ التراث العربی، ۱/۳۳۵

تو اس عدم کے آئینے میں وجود نے اسماء وصفات کے ظلال کو ظاہر فرمایا۔ یہ تخلیق ہے اور جو کچھ تم دیکھتے ہو یہ اسماء وصفات کے ظلال ہیں۔ ہر نقص...... ہر عیب...... ہر بدصورتی...... ہر قباحت...... عدم کا خاصا ہے اور ہر بلندی...... ہر کمال...... ہر خوبی...... ہر جمال...... وجود کا خاصا ہے۔ اب عدم سے نکلنا اور وجود تک جانا...... عدم کی نفی کرنا اور وجود کا اثبات کرنا ہمارا اصل مقصد ہے تا کہ ہم عدمی تقاضوں سے الگ ہو کر وجودی تقاضوں کے ماتحت ہو جائیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہم عدم سے وجود تک کس طرح پہنچیں؟

ضرورتِ شیخ

اس بات کو مولانا روم مست بادہ قیوم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مثال کے ذریعے واضح فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک شہزادہ سیر کرنے گیا، راہ میں ایک بھنگن پر عاشق ہو گیا...... تو عاشق ہو کر بھول گیا کہ میں کون ہوں؟ اس کو یاد نہ رہا کہ میری ماں کون ہے اور میرا باپ کون؟ میری نسل کیا ہے اور میری اصل کون؟ میں کون ہوں اور میرا خاصا کیا ہے؟ میں کہاں سے آیا ہوں اور میں نے کہاں جانا ہے؟ وہ بھنگن کے گھر جا کر بھنگی ہو گیا۔ سر پر ٹوکرا رکھ کر ہاتھ میں جھاڑو لے کر گلیاں صاف کرنے لگا۔ گویا وہ فریبِ صورت کے جادو کا اسیر ہو گیا۔

تو اب اس کا علاج یہ ہوا کہ کسی صاحب بصیرت نے آ کر اس کو بتایا کہ بھلے آدمی تو بھنگی نہیں بلکہ شہزادہ ہے۔ تو صفائی کرنے والا نہیں...... کرانے والا ہے۔ تو غلام نہیں...... آقا ہے۔ تو پابند نہیں...... آزاد ہے۔ تو اس بدبودار ماحول میں کیوں رہتا ہے...... تو تو خوشبودار ماحول کا باسی ہے۔ اس نے اس کو اصل کی سیر کرائی...... ماں باپ سے ملایا...... تخت وتاج دکھایا تو شہزادے کو یقین آیا...... تو پہلی بات یہ ہے کہ

Marfat.com

شہزادے کی غلط فہمی دور کی جائے اور اسے بتایا جائے کہ تو کون ہے؟ اور جو اس کو بتادے کہ تو کون ہے؟ اسی کو مرشد یا پیر کہتے ہیں۔

ہماری حالت بھی یہ ہے کہ ہم سب لامکان سے آئے اور مکان میں پھنس گئے۔ لازماں سے آئے اور زماں میں گرفتار ہو گئے۔ مقامِ روح سے آئے اور مادے میں مبتلا ہو گئے۔ جس طرح شہزادہ بھنگن کے گھر جا کر بھنگی ہو گیا اور اپنی اصل کو بھول گیا۔ اسی طرح ہم اصل میں نورانی اور روحانی تھے مگر اس مادی دنیا میں آ کر مادے پر عاشق ہو کر ہم بھی مادی اور ظلمانی بن گئے اور ہم یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم مادی ہیں۔ حالانکہ ہم حقیقت میں نوری ہیں۔ بقول علامہ اقبال

تیرا جوہر ہے نوری پاک ہے تو
فروغ دیدۂ افلاک ہے تو
ترے صید زبوں افرشتہ و حور
کہ شاہین شہِ لولاک ہے تو

دیکھئے! انسان ہاتھ پاؤں اور سر کا نام نہیں بلکہ انسان کی حقیقت کچھ اور ہے غور کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ا؎ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ تو ہم سب نے جواب دیا تھا...... بَلٰی ہاں تو ہمارا رب ہے۔

تو سوال یہ ہے کہ اس وقت کون بولا تھا؟ ہمارے اعضاء بولے تھے؟ نہیں ...... یومِ الست کو ہماری روحوں نے جواب دیا تھا۔

تو معلوم ہوا کہ ہم اس وقت مرتبۂ روح میں تھے۔ جب زمین ...... آسمان ...... سورج ...... چاند کچھ نہ تھا اور ہم میں شعور بھی تھا۔ اگر شعور نہ ہوتا تو سوال بے مقصد تھا۔ ہمارا۔ بلٰی کہنا دلیل ہے کہ ہم اس کے حسن کے آشنا تھے اور یہی عشق ہے۔ اس کا

ا؎ الاعراف، ۷:۱۷۲

Marfat.com

پوچھنا اور ہمارا کہنا...... وہ حسن ہے اور ہم عشق ہیں۔ بس حسن اور عشق کا رابطہ قائم ہو گیا۔ تو پھر دنیا میں آ کر ہم نے اس ازلی عشق کو...... اس مقدس وعدے کو بھلا دیا اور اس دنیا کے صور واشکال...... تصورات حسن و جمال اور جلوہ ہائے پا بہ رکاب میں پھنس کر رہ گئے۔ عورت اور دولت...... عزت اور شہرت سے دل لگا بیٹھے اور حقیقی مقصد ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

واحسرتاہ! ہائے افسوس!

اب مرشد کا کام یہ ہے کہ وہ ہمیں بتائے کہ تمہاری اصل کیا ہے؟ تمہارا محبوب کون ہے؟ تم مادی ہو یا نوری...... فانی ہو یا باقی...... مکانی یا لامکانی...... زمانی ہو کہ لازمانی اور یہی پہلی معرفت ہے۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ [۱]

مکانی ہوں کہ آزاد مکاں ہوں
جہاں میں ہوں کہ خود سارا جہاں ہوں
وہ اپنی لامکانی میں رہیں مست
مجھے اتنا بتا دیں میں کہاں ہوں

تو سوال یہ ہے کہ اب ہمیں اس مادی اور فانی دنیا سے کون نکالے...... کس طرح نکالے...... نکالنے والے کو مرشد کہتے ہیں اور نکالنے کے لئے بڑے طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ رابطہ...... دوسرا طریقہ ذکر...... تیسرا طریقہ مراقبہ ہے۔ پھر محاسبہ ہے...... پھر منزل بہ منزل ذات احدیت کے جلووں میں حیرت اور محویت واستغراق...... اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا

تصور شیخ اور رابطہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ذکر کے ذریعے نفس کا تزکیہ اور

۱؎ حلیۃ الاولیاء، ابونعیم اصفہانی، دار الکتب العربی، بیروت، ط۔ ۴، ۱۴۰۵ھ، ۱۰/ ۲۰۸

Marfat.com

باطن کا تصفیہ کرایا جاتا ہے۔

طریقتِ نقشبندیہ کا امتیاز

ذکر دو طرح کا ہے۔

۱...... اسم ذات...... اللہ ۲...... نفی اثبات...... لاالٰہ الااللہ

یہ سب سے بڑا اور کامل ترین نسخہ ہے۔ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ[۱] ...... لیکن یہ ذکر کس طرح کیا جائے۔ نقشبندی خاندان میں ذکر کا طریقہ اسبق اور اقرب الی الذات ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں کسی دوسری طریقت یا اس کی تعلیم پر اعتراض یا تنقید کرتا ہوں۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِيْم میں سب خاندانوں کا خادم ہوں ...... سارے ہی پاکباز ہیں۔ انہوں نے گمشدہ انسانیت کو خدا تک پہنچایا ہے۔ چونکہ مجھے خاندان نقشبندیہ کا فیض پہنچا ہے اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ میرے روحانی مربی ہیں۔ مریض اسی طبیب کی تعریف کرتا ہے جس کی دوا سے اسے شفا ملے۔ میرے لئے کامل حکیم وہی ہے جو مجھے تندرست کرے۔ چونکہ مجھے میرے شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے منزل تک پہنچایا ...... خدا کا جلوہ دکھایا ہے ...... شک اور شبہ ہٹایا ہے اور مجھ کو بندہ بنایا ہے۔ لہٰذا میں اپنے مرشد کی بات کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ذکر تو سب طریقوں میں کیا جاتا ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

لیکن وہ صرف اثبات کرتے ہیں ...... تجلی صوری کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ یعنی مجاز اور حقیقت کو ملا کر مخلوق کو خالق کا مظہر قرار دیتے ہیں اور مخلوق کو خالق کی طرف لے جا کر ...... حق اور خلق کو ملا کر خلق کے آئینے میں حق کو دیکھتے ہیں پھر اس کا انجام یہ ہوتا کہ کامل لوگوں کے سوا اکثر مخلوق میں پھنس کر رہ جاتے ہیں۔ (الا ماشاءاللہ)

۱؎ العنکبوت، ۲۹: ۴۵

Marfat.com

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نقشبندی طریقت کا امتیاز یہ ہے کہ جب کلمہ لا الہ الا اللہ کا ذکر کرتے ہیں...... تو اثبات کا دائرہ وسیع نہیں کرتے بلکہ ہم نفی کا دائرہ وسیع کرتے ہیں۔ تجلی ذاتی ...... دائمی کا مشاہدہ کرتے ہیں اور نفی پر زور دے کر صور و اشکال کی دنیا کو لا الہ کی ضرب سے مٹا کر الا اللہ کی ضرب سے جلوہ یار دکھا کر مقام ذات تک پہنچا دیتے ہیں۔ فالحمد للہ علی ذالک

مٹا دیا مرے ساقی نے عالمِ من و تو
پلا کے مجھے مئے لا الہ الا اللہ

سیر آفاقی وانفسی

اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کو بھول جانا یہ ہے فنا...... ماسوی اللہ کی دو قسمیں ہیں۔ آفاق اور انفس ...... سیر آفاقی میں ماسوی اللہ کی نفی کی جاتی ہے۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے چاند...... سورج...... اور ستاروں کی نفی کر کے صرف ذات کا اثبات کیا۔

ہم سیر آفاقی میں چیزوں کا حسن دیکھ کر خدا کی تعریف نہیں بلکہ ان کی ناتمامی کے سبب ان کی نفی کر کے ذات کا اثبات کرتے ہیں۔ جب ہم ذکر نفی اثبات کرتے ہیں تو اپنے سے باہر ہر چیز کی نفی کرتے ہیں، اس کو فنائے قلب کہتے ہیں۔

تو جناب والا! اب دل تو ایک ہے۔ ہم لوگ چاہتے ہیں کہ دل میں بندے بھی ہوں اور جانور بھی...... کارخانے بھی ہوں اور فیکٹریاں بھی...... دولت بھی ہو اور عورت بھی۔ اور ایک کونے میں آ کر خدا بھی سما جائے۔ بھلا جو انسان دل کو سرائے بنا بیٹھے اور خانہ کعبہ میں گھوڑے باندھے...... دنیا کی دولت اور سامان کو دل میں جگہ دے اور پھر یہ خواہش کرے کہ ایک کونے میں یار بھی آ جائے وہ کتنا نادان ہے؟۔ یار تو اتنا بے نیاز ہے، اتنا غیرت مند ہے کہ وہ کہتا ہے کہ دل سے سب کچھ نکال دے۔ دل کو ہر کوڑا

Marfat.com

کرکٹ اور غلاظت سے پاک کر...... حتیٰ کہ تو بھی نہ رہے گا تو میں اس وقت آؤں گا۔

تا بجاروبِ لَا نہ روبی راہ

کے رسی در مقام اِلَّا اللہ

سیر انفسی میں اپنی بھی نفی کر دی جاتی ہے، یہ ہے فنائے نفس...... اس فنا سے نفس...... مطمئنہ ہو جاتا ہے اور بقا کی منزل حاصل ہو جاتی ہے۔ قرآن پاک میں اسی مرتبہ کو بیان کیا گیا ہے۔

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ٥ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً [1]

ترجمہ: اے نفس مطمئنہ! لوٹ جا اپنے رب کی طرف...... تو اس سے راضی، وہ تجھ سے راضی۔

سالک کو چاہئے کہ انفس و آفاق سے گزر کر اس کے ماوراء کی سیر کرے۔ اسی کو حدیث میں جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ بعض لوگ کئی کئی برس تک سیر آفاقی کرتے ہیں اور چیزوں کا حسن و جمال دیکھ کر ان کو خدا کی دلیل بناتے ہیں۔

لیکن ہم چیزوں کا حسن دیکھ کر اس کو خدا کی دلیل نہیں بناتے بلکہ ہر چیز کی نفی کر کے ذات کا اثبات کرتے ہیں۔

حقیقتِ دینا

ہمارے نزدیک دنیا و مافیہا کچھ نہیں۔ یہ دنیا محض وہم ہے یا خواب۔ اگر اس دنیا کو حقیقی سمجھو گے تو لاکھ عالم بن جاؤ...... عابد بن جاؤ...... مبلّغ بن جاؤ...... دنیا کے مکر و فریب سے کبھی نہ بچ سکو گے۔ بچو گے کب؟ جب تمہیں (تعلیمات مجددیہ کے مطابق) اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں...... یہ نقل ہے اصل

---

[1] الفجر، ۸۹: ۲۷-۲۸

نہیں ...... خواب ہے حقیقت نہیں ۔ جس طرح ٹی وی پر توپ چلے تو ہم ڈرتے نہیں ...... شیر گرجے تو ہم بھاگتے نہیں ۔ بڑی خوبصورت عورت آئے تو ہم عشق نہیں کرتے ۔ کیونکہ ہمیں پتہ ہے یہ نقل یا تصویر ہے ...... اصل یا حقیت نہیں ۔ اسی طرح نقشبندی مجددی درویش اس دنیا کو وہم وخیال ...... سراب وخواب ...... غیر حقیقی اور فانی شے سمجھتا ہے اس سے دل نہیں لگاتا ۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی مثال دے کر سمجھاتے ہیں کہ مثلاً ایک لاٹھی کے سرے پر آگ لگائی جائے اور جب کوئلہ خوب سرخ ہو جائے تو اس لاٹھی کو زور سے گھمایا جائے تو دور سے دیکھنے والے کو ایک دائرہ سا معلوم ہوگا ۔ حالانکہ آگ کا دائرہ ہرگز نہیں ، صرف لاٹھی گھمانے سے دائرہ کا طلسم اور وہم پیدا ہوا ہے ۔ دیکھنے والوں کو واقعی اور حقیقی نظر آتا ہے ...... حالانکہ حقیقت میں کچھ نہیں ہے ۔

آپ فرماتے ہیں جس طرح کوئلے کی گردش سے تمہیں دائرہ نظر آتا ہے حالانکہ ہوتا کوئی نہیں ۔ اسی طرح کائنات کا طلسم اور وہم ہمیں نظر آتا ہے لیکن ہے کچھ بھی نہیں ۔

یہ ہے سلوک مجددیہ کی تعلیم ! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ دنیا کے متعلق یہ نظریہ ذہن میں بٹھالیں تو شیطان آپ سے دور بھاگ جائے گا اور آپ حقیقی منزل پالیں گے ۔ (انشاءاللہ)

لیکن اگر آپ نے دنیا کی چیزوں کو ، عورت کے حسن کو ، شیرینی کے ذائقہ کو ، اقتدار اور حکومت کے نشے کو واقعی اور حقیقی سمجھ لیا تو آپ اس دنیا کے فتنوں سے کبھی نہیں بچ سکیں گے ۔

تم اکثر خوابیں دیکھتے ہو ...... خواب میں شادیاں کرتے ہو ...... بیوی کے پاس جاتے ہو ...... بچے جنتے ہو ...... مار کھاتے ہو ...... درد ہوتا ہے ...... خون بہتا ہے ...... ڈر لگتا ہے ...... کبھی موت بھی واقع ہو جاتی ہے لیکن جب جاگتے ہو تو کچھ بھی نہیں ہوتا ۔

Marfat.com

بس یہی دنیا ہے۔ جب خواب سے آنکھیں کھلتی ہیں تو پتہ چلتا ہے جو ہنگامہ دیکھا تھا...... وہ کچھ بھی نہ تھا۔ اس طرح جب مرو گے...... آنکھیں بند ہوں گی تو پتہ چلے گا کہ دنیا کا جو ہنگامہ میں دیکھ رہا تھا...... وہ کچھ بھی نہ تھا۔ میں گویا خواب دیکھ رہا تھا یا وہم ہو گیا تھا۔ یہی فرق ہے دنیا دار اور درویش میں۔ دنیا دار کو مر کر پتہ چلتا ہے کہ دنیا فضول شے تھی اور درویش کو پہلے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ دنیا بیکار شے ہے۔ اسی لئے درویش دنیا کی دلکشی میں ہرگز نہیں پھنستا۔ درد نے کہا

وائے وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

تو عزیزان گرامی! ہم سب اس دنیا میں سوئے ہوئے ہیں...... غفلت میں ہیں...... گرفتارِ نفس و بلا ہیں...... خوابیں دیکھ رہے ہیں...... توہمات اور طلسمات میں پھنسے ہوئے ہیں۔

جب مرشد آتا ہے تو کہتا ہے لا الٰہ الّا اللہ ہر چیز کی نفی کر کے اس وحدہٗ لاشریك کا اثبات کرا دیتا ہے۔ ہمیں خواب سے جگا کر حقیقت کا سراغ دلا دیتا ہے۔ بس مرشد کا کام یہی ہے کہ ہمیں جگا دے اور حقیقت تک پہنچا دے۔

اتباعِ سنت و شریعت

یاد رکھو! چلّے...... وظیفے...... مجاہدے...... ریاضتیں سب سے آسان ہیں۔ لیکن شریعت اور سنت پر عمل کرنا سب سے مشکل کام ہے۔ خاص کر فرائض کی ادائیگی نفس کے لئے بے حد بوجھل ہے۔

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ [1]

---

[1] البقرہ ۲:۴۵

Marfat.com

شریعت پر عمل کرنے ہی سے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے۔ غیر مسنون چلے اور ریاضتیں بدعات کے زمرے میں آتی ہیں۔ بدعات کے ذریعے نفس مارنا شیطانی وسواس ہیں ...... نفس پر سب سے بوجھل چیز شریعت ہے۔ شریعت کے بغیر معرفت حاصل نہیں ہوتی اور معرفت کے بغیر یقین وایمان کی دولت حاصل نہیں ہوسکتی۔

اسی لئے نقشبندی خاندان کا کوئی خادم...... کوئی طالب ...... کوئی سالک...... اگر چاہے کہ وہ شریعت وسنت پر عمل کے بغیر محض وظیفوں اور چلّوں سے سلوک نقشبندیہ طے کر سکے گا تو وہ کسی اور طرف جائے ...... یہاں وہ چیز نہیں ہے۔

لیکن جب طریقت میں آ ؤ گئے تو تمہاری سب سے پہلی ریاضت ...... شریعت پر عمل کرنا ہے۔ ظاہراً باطناً فرائض کو ادا کرنے کے بعد سنتوں اور نوافل تک جانا ہے۔ اسی سے قربِ ولایت حاصل ہوتا ہے۔ ہر وہ چلّہ یا ریاضت جو سنت کے خلاف ہو...... بیکار ہے، اس سے فیض نہیں ملے گا۔

تعلیمات مجددیہ عین تعلیمات نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات ہیں۔ سنّت کی پابندی طریقت نقشبندی کا جمال اور نقطہ کمال ہے۔ حدیث نبوی ہے:

مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِيْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ[۱]

جس نے فساد امت کے وقت میری سنت کو لازم پکڑا اس کیلئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

معرفت اور قرب خدا کے درجات کا حاصل ہونا اتباع سنت پر موقوف ہے۔ عطائی حکیم کو اگر لوگوں کا علاج کرنے کا حکم دیا جائے تو وہ انسانوں کو مارتا جائے گا کیونکہ نہ وہ بیماری کی تشخیص کرسکتا ہے نہ تجویز۔ اسی طرح آج کل اکثر وباء ہے کہ پیر کا لڑکا پیر بن جاتا ہے...... نہ سلوک طے کیا...... نہ شریعت وسنت کی پابندی کا خیال......

۱۔ مشکوٰۃ، رقم: ۱۷۶

Marfat.com

نہ آدابِ طریقت کا پاس...... چونکہ پیر کے گھر جنم لیا ہے اس لئے لوگوں کو مرید بنانا شروع کر دیا ہے، تو پھر مریدوں کا اللہ ہی حافظ ہے

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملاں
کارِ طفلاں تمام خواہد شد

راہ وہ دکھائے گا جس نے راہ دیکھا ہو۔ اگر اندھے کے پیچھے پیچھے چلو گے تو وہ کنویں یا تاریک گڑھے میں گرا دے گا۔

مقام فنا

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم کے مطابق کم از کم ولایت کا درجہ فنا کا مقام ہے۔ فنا...... نسیان ماسوی اللہ کا نام ہے یعنی اللہ کے سوا کچھ یاد نہ آئے۔ بالفرض اگر ہزار سال بھی عمر ملے تو اتنے عرصے میں تمہارے دل پر کبھی غیر کا خیال بھی نہ گزرے، اس کو فنا کہتے ہیں۔ فنائے نفس بھی ہو اور فنائے قلب بھی...... فنائے خارجی بھی ہو اور داخلی بھی...... تاکہ اسماء وصفات الٰہی کے ظلال میں سیر کرو۔ نقشبندی طریقت میں اس کو ولایت صغریٰ کہتے ہیں۔

ایسا انسان چھوٹا ولی ہے...... یہ بیعت بھی کر سکتا ہے اور مخلوق کو فیض بھی دے سکتا ہے۔

اگر سالک دائرہ ظلال سے گزر کر دائرہ اسماء وصفات میں داخل ہو جائے اور اس میں محویت حاصل ہو جائے تو اس کو ولایت کبریٰ کہتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر اللہ کی تجلیات نازل ہوتی رہتی ہیں۔ پھر جو لوگ ان کے قریب بیٹھتے ہیں ان کے بھی دل زندہ ہو جاتے ہیں۔ جو ان کے قریب سے گذر جاتے ہیں وہ بھی برکت پاتے ہیں۔ بلکہ جو ان کو محبت سے دیکھ لیتے ہیں وہ بھی محروم نہیں رہ سکتے۔

اگر سالک اسماء وصفات کے دائرے سے آگے نکل کر دائرہ وجوب میں محو اور

Marfat.com

فنا ہو جائے ...... وہاں نہ جہت رہے نہ سمت ...... نہ ظل رہے نہ صفت ...... بلکہ نہ کائنات رہے نہ اپنا آپ۔ اس کا نام ولایت علیا ہے ...... یہ ولایت کا آخری درجہ ہے۔

مقامِ حیرت

اس کے بعد مقام حیرت ہے۔ یہی نقشبندی خاندان کی معرفت ہے۔ جہاں ہم نے پہنچنا ہے۔ لیکن یہاں آئے کون؟ کس کو خبر ہے یہ کیا مقام ہے؟ سبحان اللہ

ایک دفعہ میں کسی محفل میں قابو آ گیا۔ ایک آدمی نے نعت پڑھنی شروع کی تو اچھے بھلے آدمیوں نے ناچنا شروع کر دیا۔ بچے بھی ان کو دیکھ کر اُچھلنے لگے۔ میں حیران ہو گیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ عشق کہاں سے ظاہر ہو رہا ہے؟ ہمارا عشق وہاں سے ظاہر ہوتا ہے جہاں جسم اور عقل بھی نہ ہو...... جسم کو خبر بھی نہ ہو اور روح لامکاں میں مشاہدہ ذات میں مصروف ہو۔

صورتش بر خاک و جاں در لا مکاں
لا مکانے فوق وہم سالکاں

تو معلوم ہوا کہ یہ ناچنے کودنے والے ابھی مقام روح تک نہیں پہنچے۔ یہ تو جسم سے بھی باہر نہیں نکل سکے اور نہ انفس کی نفی کی ہے ...... نہ آفاق کی۔ (فیاللعجب) ہم نقشبندی بھی وجد کے قائل ہیں۔ مگر ہمارا وجد یہ ہے کہ جب مرشد نگاہ کر کے پردے اٹھاتا ہے تو کبھی اسماء وصفات کے اور کبھی ذات کے جلوے دکھاتا ہے۔ تو خدا کی قسم ایسی معرفت نصیب ہوتی ہے کہ اگر ہزاروں قیامتیں آ جائیں تو ہمارے ذوق اور معرفت میں ذرا بھر بھی فرق نہیں آتا اور دل ...... حضورِ ذات سے ایک لمحہ بھر بھی غافل نہیں ہوتا۔

Marfat.com

یہ وہی فیض ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہمارے مرشد اول کو سانپ ڈس رہا ہے لیکن جلوۂ محبوب میں اس قدر محو ہیں...... ایسا وجد طاری ہے کہ سانپ کے ڈسنے کا احساس بھی نہیں۔ حضرت خاتم ولایت مولا علی رضی اللہ عنہ کے جسم سے نماز کی حالت میں تیر کھینچ لیا گیا...... خون کے دھارے بہہ پڑے...... درد کا پتہ نہ چلا۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا مکان نماز پڑھتے ہوئے جل گیا، آپ کو ایسی محویت تھی کہ مکان جل جانے کی خبر تک نہ ہوئی۔ تو میرے عزیزو! یہ ہے وجد...... یہ ہے حال جو نقشبندی درویش کی متاع بے بہا ہے۔

ہمارے مرشد نے ہمیں شکلیں ہٹا کر اور صورتیں مٹا کر یار دکھایا ہے۔ ہم ہر ماسوی اللہ کو بھول جاتے ہیں۔ دنیا کو استعمال ضرور کرتے ہیں لیکن دل میں جگہ نہیں دیتے۔ دولت...... عورت...... اور دنیا سے حقیقی محبت نہیں کرتے بلکہ بالکل عارضی سا تعلق رکھتے ہیں...... وہ بھی نہ ہونے کے برابر۔

اب یہاں ہمارے پاس آئے کون؟ ہم شکلوں سے ہٹاتے ہیں...... رنگوں سے بچاتے ہیں...... سب سے بیگانہ کر کے صرف یار کا جلوہ دکھاتے ہیں۔ اس راز کو سمجھے کون؟ یہ نسبت کبریت احمر سے زیادہ نایاب ہے۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ

نقشبند اں عجب قافلہ سالارانند
کہ بجرم می روند پنہاں قافلہ را

(حضرت جامی)

یہ وہ نسبت ہے جس کے متعلق امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے بارگاہ الٰہی سے القا ہوا۔

غَفَرْتُ لَكَ وَلِمَنْ تَوَسَّلَ بِكَ اِلَيَّ بِوَاسِطَةٍ اَوْ بِغَيْرِ وَاسِطَةٍ اِلٰى

يَوْمِ الْقِيَامَة ا؎

ترجمہ: بخش دیا میں نے تجھ کو اور بالواسطہ یا بلاواسطہ قیامت تک تیرے سلسلے میں شامل ہونے والوں کو۔

حضرات محترم! یہ ہمارے لئے عظیم بشارت ہے۔ لیکن کمال یہ ہے کہ حضرت مجدد کے مرید ہو کر بخشش تک ہی محدود نہ ہو جائیں۔ بخشش ہماری منزل نہیں وسیلہ ہے۔ ہماری منزل...... نہ حور ہے نہ قصور ہے...... نہ اشیاء ہیں نہ کائنات...... نہ اسماء ہیں نہ صفات...... ہماری منزل ذات ہے اور بس ذات۔

اور جس کی منزل ذات ہے۔ اس کے مرشد کی کیا بات ہے۔ اقبال نے مرد مؤمن کا یہی مقام بیان کیا ہے۔

مقام بندۂ مومن کا ہے ورائے صفات
زمیں سے تا بہ ثریا تمام لات و منات
حریم ذات ہے اس کا نشیمن ابدی
نہ خاک تیرہ لحد اور نہ جلوہ ہائے صفات

علامہ اقبال اور طریقت نقشبندیہ

اب علامہ اقبال کے متعلق خدا جانے اس کو نقشبندی نسبت کا فیض کس طرح پہنچا، لیکن اتنا ضرور ہے کہ سرہند شریف کی پہلی حاضری نے اس کے قلب ونظر میں انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ جس کا اظہار اقبال نے اپنے متعدد اشعار میں کیا ہے۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار

ا؎ مبدا و معاد منہا: ۵

Marfat.com

میں نے سنا ہے کہ اقبال میرے جد امجد حضرت خواجہ سید محمد امین قبلہ سرکار آلومہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کی نگاہ کا فیض پہنچا...... آپ نے درود شریف خضری تلقین فرمایا اور دعا و بشارت سے نوازا۔ جس کا اعتراف اقبال نے اپنے احباب کے سامنے بھی کیا اور حضرت قبلہ میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا واقعہ تو کافی مشہور ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس کو نقشبندی خاندان کا فیض انہی بزرگوں کی نظر سے ملا ہے۔ اسی لئے اقبال بھی ہر شے کی نفی کرتا ہے۔ اقبال فیلسوف مشرق بھی ہے اور نقاد مغرب بھی۔ آکسفورڈ کا پڑھا ہوا بھی ہے اور لنکن یونیورسٹی کا بیرسٹر بھی۔ مگر جب اس سے پوچھا گیا کہ دنیا کیا ہے...... تو کہنے لگا۔

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری
زماں ہے نہ مکاں لا الہ الّا اللہ
یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں لا الہ الّا اللہ

اقبال نے اپنے اس کلام میں نقشبندی طریقت کی معرفت بیان کی ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم روحانی پیشوا حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بزرگ کے قریب سے گذر ہوا۔ وہ بزرگ بڑے غور سے برتن کے اندر کچھ دیکھ رہے تھے۔ آپ نے پوچھا کیا دیکھ رہے ہو...... کہنے لگے۔

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
اے بے خبر ز لذتِ شرب مدام ما

یعنی میں پیالے میں صاف پانی ڈال کر اس میں چاند کا عکس دیکھ رہا ہوں۔ رات کا وقت تھا اور چاند چڑھا ہوا تھا۔ ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں جس طرح

پانی میں چاند کا عکس دیکھ رہا ہوں، اسی طرح مخلوق میں خالق کا عکس دیکھ رہا ہوں۔ (مطلب یہ تھا کہ میں سیر آفاقی کر رہا ہوں) آپ فرمانے لگے...... خدا کے بندے...... چاند تو اوپر چڑھا ہوا ہے اور تو پیالے میں چاند دیکھ رہا ہے۔ اصل چھوڑ کر نقل کو کیوں دیکھتا ہے؟ حقیقت چھوڑ کر مجاز میں کیوں پھنستا ہے؟ منہ سیدھا اوپر کر...... تیری گردن پر ورم تو نہیں۔ وہ دیکھ سامنے چاند چمک رہا ہے۔

بس عزیزان گرامی! بات یہ ہے کہ لوگ چاند پیالے میں دیکھتے ہیں اور نقشبندی مجددی لوگ چاند سیدھا دیکھتے ہیں۔ یہ ہے نقشبندی طریقت میں معرفت ذات کا تصور!...... ہم لوگ مجاز کے پردے ہٹا کر، صورت کے بت مٹا کر، اور حقیقت کے دیس میں جا کر، وحدت کے سمندر میں غوطہ لگا کر...... جلوہ یار سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ اگر یہ معرفت بندے کو آ جائے تو دنیا کسی رنگ میں فقیر کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔ کوئی حسن اور کوئی طمع...... کوئی خوف اور کوئی غم...... درویش کو خدا سے بیگانہ نہیں کر سکتا۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ [۱]

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

۱۔ یونس، ۱۰: ۶۲

Marfat.com

شرائطِ راہ سلوک

پہلی شرط

محبت منزل، محبت کے بغیر قدم اول ہی نہیں اٹھتا، نہ مشکلاتِ راہ گوارا ہوتی ہیں۔ نہ ہی اپنے مقام کے آرام کو چھوڑنے پر قدرت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس سفر کا مدار ہی محبتِ مقصود پر ہے۔ محبت جتنی قوی ہوگی، جذبِ منزل سے سفر آسان ہوگا۔

محبت بڑھانے کے طریقے...... ذکر و فکر...... ذکر شخصی اور اجتماعی

دوسری شرط

صحیح راستہ کی پہچان ...... راہبر کی ضرورت ...... جو دانائے راہ ہو...... خود سفر طے کر کے منزل تک پہنچ چکا ہو...... نشیب و فراز راہ کو جانتا ہو...... پوچھ پوچھ کر پہنچنے سے یہ منزل طے نہیں ہوتی ...... راستہ طویل بھی ہے اور الجھاؤ والا بھی ...... رہزن بھی رہبر کے بھیس میں آملتے ہیں...... غلط لوگ غلط راستہ بتا کر...... سفر کو کھوٹا کرتے ہیں۔ راستہ میں ناواقفیت کی بنا پر قیام وغیرہ کی دقتیں ہوتی ہیں ...... غلط مقام پر قیام سے خطرات بڑھ جاتے ہیں...... بعض دفعہ منزل کی مشابہت سے دھوکا لگ جاتا ہے...... کبھی سراب آب بن جاتا ہے...... کبھی راستہ میں ایسا دھوکا لگتا ہے کہ آدمی مشکل میں

Marfat.com

جا پھنستا ہے۔

تیسری شرط

متاعِ سفر...... اور متاع کی حفاظت

چوتھی شرط

اچھے ہمراہوں کی معیت

پانچویں شرط

صبر اور استقلال...... آگے کو نظر...... پیچھے نہ دیکھا جائے

چھٹی شرط

سفر اور قیام کا صحیح پروگرام اور اس کی پابندی

ساتویں شرط

وقوفِ زمانی...... میعاد کا خیال اور پابندیٔ وقت کے مطابق رفتار کا تعین

آٹھویں شرط

مناسب اور موزوں غذا اور لباس

نویں شرط

موانعاتِ راہ سے پرہیز (خوبصورت بستیاں، مرغزار، حسنِ پا بہ رکاب)

دسویں اور آخری شرط

وہی محبت اور محویت...... اور استحضارِ مقصد...... انتشارِ خیال سے پرہیز

Marfat.com

محبت......علتِ وصل ہے

وصل...... میں لذت ہے، اطمینان ہے اور مسرت ہے
وصل...... سے ہی ارتقا ہے، تعمیر ہے، ترقی ہے
فصل...... دکھ ہے، درد ہے، الم ہے، انحطاط اور موت ہے۔

عالم ظاہر میں بھی کوئی لذت بغیر دو اشیاء کے وصل کے ممکن نہیں۔ آپ کی زبان سے طعام، پھل وغیرہ کسی چیز کا وصال ہوتا ہے تو قوتِ ذائقہ حظ اٹھاتی ہے۔ آپ کے ناک کے نزدیک پھول یا عطر کی شیشی لائی جاتی ہے تو قوت شامہ خوشبو کا مزا لیتی ہے۔ کانوں کے پردے سے آواز کی لہروں کا اتصال ہوتا ہے تو نغمہ کا احساس ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ دو اجسام کے ملاپ سے ہی جنسی حظ ملتا ہے۔

تمدّن کی بنیاد بھی وصال اور ملاپ ہے۔ اکیلا فرد گھبرا جاتا ہے۔ جب افراد مل کر رہتے ہیں تو تمدن کا آغاز ہوتا ہے۔ دلوں کو تسلی ہوتی ہے...... قوت بڑھتی ہے...... افراد کا یہ ملاپ جتنا قوی ہو...... قوم اتنی ہی قوی ہوگی۔ جب اس ملاپ میں فرق پڑ جائے...... تو یہ داخلی تفرقہ کمزوری اور شکست بن جاتا ہے۔

ایک فرد کے باطن میں جذباتی اعتدال ہو تو تسکین اور جذباتی الجھاؤ یا ٹکراؤ ہو تو نفسیاتی مرض۔ عناصر میں اور مادی اجزا میں وصل اعتدال اور تعاون ہو تو صحت، ورنہ مرض اور موت۔

Marfat.com

زندگی کیا ہے عناصر کا ظہور ترتیب
موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشان ہونا

اینٹوں میں مقصدی ملاپ ہوتو عمارات ......لکڑی کے ٹکڑوں میں ہوتو میز، کرسی، فرنیچر......قطروں میں ہوتو دریا......دریاؤں میں ہوتو بحر بیکنار......ذروں میں ہوتو آفتاب......دانوں میں ہوتو خرمن......شرط یہ ہے کہ یہ وصال مقصدی اور تعمیری ہو۔

جسم میں پھانس چبھ کر......جلد میں حائل ہو اور روحِ ذاق ہوتو خلش اور درد۔

دریا......قطروں میں بٹ کر، اور خرمن ......دانوں میں تقسیم ہوکر ختم، عمارت ......کی اینٹوں کو ادھیڑ کر الگ کردو تو ملبے کا ڈھیر، لباس...... پھٹ جائے تو چیتھڑا۔

بشنو! از نے چوں حکایت می کند
وز جدائی ہا شکایت می کند

وصل کی علت محبت ہے۔ پس مندرجہ بالا حقائق دونوں کے ترجمان ہیں۔

Marfat.com

حضرت خطیب الاسلام کے روحانی مکاشفات

حضرت امام جعفر صادق اور حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہما کی زیارت ہوئی اور جنت کا پھل کھایا۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس میں کئی بار خود کو عالم محویت میں گم پایا۔ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے سر پر اپنے فیض کی دستار رکھ دی۔ مکاشفہ میں جنت کی سیر فرمائی تو جنت کے پرندوں کے سرمدی نغموں سے آیتِ قرآنی ''سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ'' کی تلاوت کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

(جو ہمیں ان کی خودنوشت ذاتی بیاض سے ملے)

جنت کا پھل کھایا

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اپنی خودنوشت ذاتی بیاض میں تحریر فرماتے ہیں کہ

یکم فروری ۱۹۶۱ء کو موضع سہاری (شکرگڑھ) میں خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت ہی بزرگ صورت آدمی...... مٹی کے کورے پیالے میں پانچ پانچ جامن ڈال کر تقسیم کر رہے ہیں...... لینے والوں کا ہجوم ہے۔ میں قریب سے گذرا تو اس بزرگ

Marfat.com

ہستی نے مجھے بلالیا اور پیالے تقسیم کرنے کا فرض میرے ذمہ لگادیا۔ چنانچہ میں تقسیم کررہا ہوں ...... میں نے محسوس کیا کہ پیالہ دینے سے پہلے مانگنے والے کی نیت اور کیفیت قلب ...... مجھ پر منکشف ہوجاتی ہے اور میں صرف موزوں لوگوں کو پیالہ دیتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میری تقسیم درست ہے اور پیالہ صحیح ہاتھوں ہی میں پہنچ رہا ہے۔ میں نے خود جامن چکھا تو عمدہ کشمیری سیب کا مزا پایا۔ ایک اور بزرگ آدمی سفید ریش ...... درویشانہ وضع کے قریب کھڑے ہیں۔ ان سے میں نے وجہ پوچھی کہ جامنوں کا ذائقہ سیب کا سا کیوں ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ جنت کے جامن ہیں ...... اور وہاں ان کا مزا سیب ہی کا ہے ...... میں نے پوچھا کہ آپ کی تعریف کیا ہے؟ تو انہوں نے اپنا نام ابوالحسن بتایا ...... میں نے عرض کیا کہ آپ خرقانی ہیں تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ یہ جامن بھرے کوزے تقسیم کرنے والے بزرگ کون ہیں؟ تو فرمایا کہ یہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ہیں۔ میری آنکھ کھلی تو سیب کی لذت کا اثر منہ میں موجود تھا۔ والحمد للہ علیٰ ذالك

سیدنا علی المرتضیٰ کی ذات میں فنائیت

ایک دن نماز فجر سے قبل عالم مراقبہ میں کشف ہوا کہ میں حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی محفل پاک میں ...... ان کی ذات میں خود کو گم بھی پاتا ہوں ...... پھر ظاہر بھی ہوتا ہوں۔ اسی طرح کئی مرتبہ ہوتا رہا، ہر بار اس گم ہونے پر ایک عجیب قسم کا سرور اور نور میرا احاطہ کرلیتا اور ایک کیفیت سرمدی طاری ہوجاتی۔ اس کیفیت کی یاد سے بھی ایک خاص حلاوت حاصل ہوتی ہے۔

(یہ مراقبہ اس امر کا غماز ہے کہ آپ کو سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات میں فنائیت اور ان کی نیابت کا اعزاز حاصل تھا)۔

Marfat.com

سلسلہ قادریہ کا فیض

۲۸ جنوری ۱۹۶۱ء کو اپنے گھر میں پانچ بجے صبح مطالعہ کر رہا تھا کہ کتاب...... روشنی اور مکان یک لخت گم ہو گئے۔ اور ایک نئی محفل...... عجیب قسم کی روپہلی اور خنک روشنی لئے نمودار ہوئی۔ شاہی دربار کی سی آرائش ہے...... اور وہی دبدبہ اور ضابطہ ہے۔ ایک نورانی بزرگ ایک مرصع تخت پر بیٹھے ہیں۔ انہوں نے مجھے قریب بلایا...... دل نے کہا کہ دست بوسی کرو۔ میں نے ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ انہوں نے خندہ پیشانی سے میری پشت پر دست شفقت رکھا۔ ان کے ہاتھ کے لمس سے ایک عجیب لذت محسوس ہوئی اور سینے میں بے پناہ وسعت محسوس کی۔ انہوں نے ایک رنگین اور مرقع دستار میرے سر پر رکھ دی۔ چند دوسرے حاضرین نے کچھ پھولوں کے ہار مجھے پہنا دیئے۔ ان پھولوں کے رنگ و بو نے مجھے بے خود کر دیا کہ ایسے پھول اس سے قبل کبھی دیکھنے میں نہ آئے تھے۔ کچھ لوگوں نے مجھے مبارکباد کہی۔ میں نے اوپر نگاہ کی تو ایک کتبہ لکھا دیکھا ''دربار حضرت غوث اعظم محی الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ''۔

جنّت کی سیر

ایک دن پھر نماز فجر سے قبل اچانک کشفی کیفیت طاری ہوئی۔ خود کو ایک خوبصورت اور شیریں مقال مینا کے روپ میں بدلا ہوا پایا۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ یہ مینا میں ہی ہوں۔ ناگاہ دیکھا کہ انواع و اقسام کے ہزارہا خوبصورت...... اور نغمہ آفریں پرندے وہاں اور بھی موجود ہیں۔ اپنے رنگ اور روپ اور صورت اور صوت میں...... ہر پرندہ دوسرے سے مختلف ہے۔ اور ہر ایک کی دلربائی کی اپنی یگانہ شان ہے۔ ان کی نغمہ سرائی سے ایک عجیب سرمدی ترنم پیدا ہو رہا ہے۔ موسم معتدل اور بہار کا ہے۔ وہاں کی روشنی صبح کے وقت سے ملتی جلتی ہے۔ میں خود بھی نغمہ سراؤں میں

Marfat.com

شامل ہوں اور ساتھ ہی ایک سامع کی حیثیت سے اس سرمدی نغمہ کا مزہ بھی لے رہا ہوں۔ وہاں کے درخت عجیب وغریب...... رنگین...... چمکدار اور شفاف دھات کے بنے ہوئے ہیں۔ اور پھول اور کلیاں زمرد، یاقوت وغیرہ کے معلوم ہورہے ہیں۔ پرندے مسرت اور مستی میں ناچتے ہیں اور نغمے گاتے ہیں۔ ہر ایک اپنی ہی دھن میں مست ہے۔ باہم کوئی کلام کا رابطہ نہیں...... لیکن سبھی ایک دوسرے کی موجودگی سے خوش ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ ننھے منے پرندوں کا نغمہ ایک معین صوت کی شکل اختیار کررہا ہے اور آواز آرہی ہے۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ بس یہی وہ فقرہ آیت قرآنی ہے جو بار بار اس نغمہ کی پنہائیوں سے ابھر رہا ہے۔

سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ٥ ا؎

ا؎ یٰس، ۳۶:۵۸

Marfat.com

انسان...... نسخۂ جامعہ ہے

انسان نسخۂ جامعہ ہے۔ یہ وجوب و امکان کا مرقع ہے...... اس میں عالمِ امر اور عالمِ خلق کا اجتماع ہے...... یہاں مادہ اور روح ملتے ہیں...... جسمِ خاکی میں نفخِ روح ہوئی...... جسمانی قفس میں روحِ لامکانی مقید ہوئی...... جسم میں تقید، تعین، تغیر ہے...... روح میں اطلاقی، وجوبی، آفاقی ابدی صفات ہیں...... اب ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف جانا، سفرِ طریقت ہے...... اس کو پالینا حقیقت ہے...... اس کو جان لینا معرفت ہے...... اور اس حقیقت میں محویت نجات ہے...... منزل کی گاہے گاہے یاد، یاد کرد ہے...... اس میں محویت، یادداشت ہے۔ مقصود کے بغیر غیر مقصود کو بھول جانا فنا ہے اور مقصود میں محویت اور دائمی حضور بقاء ہے...... وجوب سے امکان کی طرف ''مقصودی'' اور ''شعوری'' رجعت ''فرق بعد الجمع'' ہے۔

کثرت میں وحدت کا شہود بطور علم حصولی، سیر آفاقی ہے۔ اور اپنے اندر وحدت کا شہود بطورِ علم حضوری، سیرِ انفسی ہے۔ سیر انفسی کی تقدیم اور اسی میں قطعی طور پر سیر آفاقی کا حصول ''البدایۃ والنھایۃ'' ہے۔ شعوری اور ارادی طور پر حصولِ مقصد کی سعی، سلوک ہے۔ لیکن محبتِ مقصد میں محویت کے ذریعے روحانی ارتقاء، وجد و جذب ہے۔

صحو، سکر پر غالب ہو تو سالک مجذوب
سکر، صحو پر غالب ہو تو مجذوب سالک

Marfat.com

فکر و نظر

زندگی در جستجو پوشیده است
اصلِ اُو در آرزو پوشیده است

(اقبال)

Marfat.com

خودی سے مراد احساسِ نفس یا تعین ذات ہے۔ یہ شعور کا وہ روشن نقطہ ہے جس سے تمام انسانی جذبات وتخیلات مستنیر ہوتے ہیں۔ یہ وہ پُراسرار شے ہے جو فطرت انسانی کی منتشر اور غیر محدود کیفیتوں کی شیرازہ بند ہے۔

(حکیم الامت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

حقیقتِ کائنات

یہ عالمِ کثرت ...... یہ کائناتِ رنگ و بو ...... یہ دنیائے صورت وصوت ...... یہ طلسمِ زمان و مکاں ...... یہ جلوہ ہائے پابہ رکاب ...... حقیقت ہے یا خواب ...... آب ہے یا سراب؟ ...... اس سوال کے جواب اور اس عقدہ کی گرہ کشائی کیلئے عقل انسانی ہمیشہ کوشاں رہی۔ سائنس نے مادہ کو حقیقی اور واقعی قرار دے کر اس کے مظاہر کی جلوہ نمائی کو کائنات قرار دیا اور مادہ ہی کی طرح اسے حقیقی سمجھا۔ اس کی حرکات وسکنات ...... تغیر وتبدل ...... اور صورت وہیئت کے انقلاب کے قوانین کو قطعی اور حتمی مانا اور ان قوانین کے عرفان کو ہی عقل کی معراج جانا۔ مادہ کے علاوہ کسی قوت اور حقیقت کے وجود کے عرفان و اعتراف کی نہ ضرورت سمجھی اور نہ ہی اس طرف توجہ دی بلکہ کسی غیر مشہود اور غیر محسوس شئے کے وجود کے امکان کا انکار کیا۔ اور یوں دنیائے محسوسات اور عالم کثرت اور اس کے مظاہر کو آخری حقیقت قرار دیتے ہوئے اسی کو مرجع عقیدت اور کعبہ حقیقت قرار دیا۔ گذشتہ صدی میں یہ صرف عقل و دانش کا رجحان ہی نہ تھا بلکہ سائنس کا قطعی ایقان بھی تھا۔

لیکن سائنس کے بعض جدید اکتشافات اور سعیٔ خرد پر مبنی بعض انکشافات سے اس مادی نظریہ حیات اور حواس پر مبنی عالم کثرت کی قطعیت کے نظریہ پر کاری ضرب لگی۔ اور مادی دنیائے صوت وصورت کی حقیقت کی صداقت کا نظریہ مشکوک ہو کر رہ

Marfat.com

گیا۔ اور عقلی جستجو بتدریج روحانی شعور کے سانچے میں ڈھلنے لگی۔

سائنس دان اور حقیقتِ کائنات

نظریہ اضافیت ...... (کوانٹم نظریہ) اور علم الحیات کے بعض اکتشافات نے سائنس دانوں کو مادہ اور مادی کائنات کے حقیقی ہونے کے انکار پر مجبور کر دیا ہے اور عالم خارجی کو ذہن کا اور عالم شہادت کو عالم غیب کا عکس یا سایہ ماننے پر آمادہ کر لیا ہے۔

اس سلسلے میں سرایڈنگٹن جیسے مستند اور ماہر سائنس دان کی رائے ملاحظہ کیجئے۔

کوانٹم نظریہ تک پہنچ کر اگر میں غلطی نہیں کرتا ...... تو ہم نے اپنے ذہن سے باہر تلاش حقیقت کو سعی لاحاصل سمجھ کر ترک کر دیا ہے اور محسوس کائنات کو ایسے عناصر میں تحلیل کرنے پر قانع ہونا پڑا ہے جو سراسر ذہنی ہیں"۔ ۱؎

آگے رقم طراز ہے:

"مادہ و مکان پر مبنی ہماری دنیا کے زمانی حوادث اور زندگی کا یہ سارا ڈرامہ اس چار ابعادی تسلسل کی محض ہماری ذہنی تعبیر اور تفسیر ہے۔ ۲؎

اس طرح طبیعات خارجی (Extornal World) محض سایوں یا ظلال (World of Shadows) کی دنیا بن کر رہ گئی ہے۔ باقی رہی وہ حقیقت جو ان سایوں کے پیچھے روپوش ہے تو اس کی نوعیت پر بحث فلسفیوں کا کام ہے۔

(Science and Unseen World)

o ...... اب سائنس دان کچھ یوں سوچتے ہیں ...... ہمارا یہ عالم شہادت یا دنیائے محسوس اپنے پس پردہ عالم غیب کی صرف آیاتی اور علاماتی نشاندہی کا کام دیتی ہے۔ یہ عالم شہادت ...... عالم غیب کا اور دنیائے شہود ...... دنیائے مستور کا ظل یا سایہ ہے۔ یا اسم

۱؎ ماڈرن بیلیف کتاب اول: ۸ ۲؎ ماڈرن بیلیف حصہ نہم ص: ۵۱۴

Marfat.com

کی طرح مسمّٰی کا دلیل کی طرح مدلول کا اور ہندسہ کی طرح رقم کا علاماتی نشان ہے۔ یہ دنیائے صور و اشکال، یہ کائنات رنگ و بو...... کیا خارج میں ویسے ہی موجود ہے جیسے یہ مجھے محسوس ہوتی ہے؟ یا میرے شعور کا داخلی تجربہ اس سے مختلف ہے؟ اور اس کا مدار صرف اپنے حواس پر مبنی داخلی تجربہ پر ہی ہے؟ روحانی اور وجدانی تجربہ سے پہلے...... مادیت پر سائنس اور حکمت عقلی کی تنقید پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے۔

o...... حقیقت مادہ پر سب سے پہلے انگلستان کے فلسفی جارج برکلے نے شدید اعتراضات کیے...... اس کا استدلال یوں تھا کہ

''مادی دنیا اپنی کوئی جدا ہستی نہیں رکھتی۔ کیونکہ ہم اسے صرف حواس کے ذریعے جانتے ہیں اور یہ جاننا شعور کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لئے جو چیز ہمارے لئے حقیقتاً موجود و مشہود ہے وہ صرف ہمارا اپنا ہی شعور ہے نہ کہ مادہ...... حواس کے ذریعے ہمیں جس چیز کا شعور حاصل ہوتا ہے وہ مادہ نہیں بلکہ چند مختلف اوصاف ہیں۔ مثلاً رنگ...... صوت...... بو...... سختی...... اور نرمی وغیرہا اور ان اوصاف کے ادراک کا مدار میرے داخلی شعور پر ہی ہے۔ یہ اوصاف دراصل کسی حقیقت خارجی کے نہیں بلکہ میرے ہی شعور کے داخلی تجربات ہیں۔ میرے شعور کے بغیر ان میں سے کوئی چیز بھی میرے علم و تجربہ میں موجود نہیں ہو سکتی...... پس مادہ کی حقیقت فقط شعور ہے''۔

o...... برکلے کی اس ''تصوریّت'' کو ایک جدید فلسفہ سے جسے ''نو تصوریت'' کہنا چاہئے، مزید تقویت مل گئی ہے۔ اس جذبہ فلسفہ کے شارحین اٹلی کے دو فلسفی ''کروچے اور جنٹیلے'' ہیں اور ان کا فلسفہ علمی حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ فلسفہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ کائنات روح اور شعور کے سوا اور کچھ نہیں۔

o...... برکلے کے بعد...... ہمارے زمانے کے ممتاز ماہر ریاضیات اور سائنس دان پروفیسر وائٹ ہیڈ نے قطعی طور پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ مادہ کا مروجہ نظریہ بالکل بے

Marfat.com

بنیاد ہے۔ رنگ اور صوت وصدا وغیرہ ہماری داخلی ذہنی کیفیات ہیں، یہ کسی حقیقت کا خارجی جزو نہیں۔ آنکھ یا کان میں جو چیز داخل ہوتی ہے وہ رنگ یا آواز نہیں بلکہ ایتھر کی نا قابل دید وشنید لہریں ہیں۔ ہمارے حواس اور ان پر مبنی ادراک کی حقیقت سراب جیسی ہے۔ جس کی التباس حواس کے سوا کوئی واقعی حقیقت نہیں ہوتی۔

o...... ڈاکٹر جوڈ (Joad) رقمطراز ہیں:

''جدید نظریات کے مطابق مادہ ایک ایسی چیز ہے جو ہاتھ نہیں آ سکتی۔ یہ فاصلہ اور وقت کے مرکب کا ایک خیالی اُبھار...... برقی روکا جال...... یا امکان کی لہر ہے جو دیکھتے ہی دیکھتے فنا کے اندر کھو جاتی ہے۔ حقیقتاً یہ مادہ کی بجائے...... ناظر کے شعور کا ہی ایک پھیلاؤ ہے''۔

o...... پروفیسر روژے (Roughier) نظریہ اضافیت سے پیدا ہونے والے نتائج پر بحث کرتے ہوئے اپنی کتاب ''فلسفہ اور طبیعات جدید'' میں لکھتے ہیں:

''مادہ الکٹرانوں میں تبدیل ہو جاتا ہے جو خود لطیف لہروں میں تبدیل ہو کر...... فنا پذیر ہو جاتے ہیں۔ دوام مادہ کے قدیم سائنسی اصول کی تغلیط ہو جاتی ہے اور اب کچھ یوں سوچنا اور ماننا پڑتا ہے کہ مادہ کا مستقل نقصان اور قوت کا نا قابل تلافی زیاں عمل میں آتا رہتا ہے''۔

ڈاکٹر ہیری شمٹ (Harry Schmidt) نظریہ اضافیت کی دریافت کے بعد تصور کائنات پر اس کے اثرات کو بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب ''اضافیت اور کائنات'' میں لکھتے ہیں۔ زمان ومکان بے حقیقت ہو کر رہ گئے ہیں۔ خود حرکت کا تصور بے معنیٰ ہو کر رہ گیا ہے۔ اجسام کی ہیئت اور صورت ہمارے ہی ذہن کی داخلی کیفیت بن گئی ہے اور کائنات کی ایتھر ہمیشہ کیلئے رخصت ہو گئی ہے۔

Marfat.com

o......علامہ اقبال لکھتے ہیں:

مادہ کے تصور پر سب سے کاری ضرب عظیم ماہر طبیعات حکیم آئن سٹائن (Einstien) نے لگائی ہے۔ جس کے انکشافات نے علمی دنیا میں ایک دور رس انقلاب کی داغ بیل ڈالی ہے۔

o...... رسل (Russel) کہتا ہے:

نظریہ اضافیت نے وقت کو ''فاصلہ......وقت'' میں مدغم کر کے مادہ کے ٹھوس پن کے قدیم سائنسی تصور کی بنیادیں ہلا دی ہیں۔

حضرت اقبال اور حقیقتِ کائنات

حضرت اقبال نے اپنے روحانی شعور کے پیش نظر کائنات کے مادی تصور پر صرف تنقید ہی نہیں کی بلکہ اس کی قطعی طور پر تغلیط بھی کی ہے۔ کلام اقبال کے قارئین اور حکمتِ اقبال کے قائلین پر یہ تو واضح ہے کہ علامہ نے حواس پر مبنی عقل جزی کے نتائج کو ہمیشہ مشکوک قرار دیا ہے۔ اس کو جویائے راہ تو سمجھا ہے لیکن دانائے راہ کبھی نہیں مانا۔ یہ وقفِ اضطراب......مقام اطمینان تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی اور زمان ومکاں کے سراب سے نکل کر آبِ مصفا کے حقیقی چشمہ صافی تک کبھی نہیں پہنچ سکتی۔ چونکہ مادی کائنات کا تصور ہمارے حواس پر ہی مبنی ہوتا ہے اس لئے یہ التباسِ حواس سے خالی نہیں ہوتا اور ظنی ہوتا ہے۔ اس لئے دنیائے حقیقت ہمیشہ حواس کی زد سے ماوراء رہی ہے۔

حضرت اقبال کا استدلال یوں ہے:

فروغ دیدہ ما از قیاس است
قیاس ما ز تقدیر حواس است

Marfat.com

چوں حس دیگر شد ایں عالم دیگر شد
سکون و سیر و کیف و کم دگر شد
تواں گفتن جہان رنگ و بو نیست
زمین و آسمان و کاخ و کو نیست
تواں گفتن کہ خوابے یا فسونے ست
حجاب چہرہ آں بے چگونے ست
تو آں گفتن ہمہ نیرنگ ہوش است
فریب پردہ ہائے چشم و گوش است

ملاحظہ فرمایئے!...... یہاں حضرت علامہ نے کس وضاحت کے ساتھ کائنات کے عقلی اور مبنی بر حواس تصور کو نیرنگِ ہوش اور فریبِ چشم و گوش سمجھنے کے امکان کا اعلان کیا ہے اور اس کو بھی تسلیم کیا ہے کہ جہان رنگ و بو اور دنیائے کاخ و کُو کے وجود کا انکار بھی ممکن ہے۔ یہ ایک مسلسل خواب ہے یا واضح سراب ہے اور عقل جزئی اس خواب کو بیداری...... اس مستی کو ہشیاری...... اس فریبِ حواس کو علم صحیح اور اس سراب کو آب سمجھے بیٹھی ہے۔

مقام تحت و فوق و چار سو خواب
سکون و سیر و شوق و جستجو خواب
دل بیدار و عقل نکتہ بیں خواب
گمان و فکر و تصدیق و یقیں خواب
ترا ایں چشم بیدارے بخواب است
ترا گفتار و کردارے بخواب است

اس کائناتِ رنگ و بو اور اسی دنیائے ہاؤ ہُو کر خواب قرار دیتے ہوئے حضرت

اقبال عالم خارجی کو اپنے داخلی شعور کا مرہون منت اور آئینہ دار قرار دیتے ہیں۔

جہاں غیر از تجلی ہائے ما نیست
کہ بے ما جلوہ نور و صدا نیست

دیدۂ سر کی یافت کو غیر حقیقی اور وہمی اور دیدۂ دل کی یافت کو قطعی اور حقیقی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

بہ بزم ما تجلی ہاست بنگر
جہاں ناپید و او پیداست بنگر
در و دیوار و شہر و کاخ و کو نیست
کہ ایں جا ہیچ کس جز ما و اُو نیست

زمان و مکاں کے سانچوں میں ڈھلے بغیر کوئی چیز نہ صورت و ہیئت اختیار کر سکتی ہے اور نہ ہی ہمارے حواس کا معروض بن سکتی ہے۔ یعنی ہم زمان و مکاں کے وسیلے کے بغیر عالم خارجی کا کچھ بھی علم حاصل نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر زمان و مکاں کا وجود ہی فرضی اور وہمی ہو تو ظاہر ہے کہ ان فرضی اور وہمی سانچوں میں ڈھل کر ہمارے دماغ تک پہنچنے والی کیفیات اور تصورات بھی ظنی اور وہمی ہی ہوں گے۔ زمان و مکاں کے متعلق علامہ کی رائے ملاحظہ فرمایئے:

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری
زمان ہے نہ مکاں لا الٰہ الاّ اللہ
یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں لا الٰہ الاّ اللہ

صوفیاء مناظرہ اور عقلی استدلال سے بات نہیں منواتے بلکہ مشاہدہ کے یقین کی بنا پر قائل کرتے ہیں۔ وہ حواس اور قیاس کی ظنی شناخت اور دریافت پر اکتفا نہیں

Marfat.com

کرتے بلکہ حقیقت میں کھو کر "یافت" کے مقام تک پہنچ جاتے ہیں۔ انسان کے علم کی انتہا خود شعوری ہے اور خود شعوری...... خدا شناسی پر منتج ہوتی ہے۔ حضرت اقبال نے جاوید نامہ میں مرشدِ رومی کے حوالے سے زندگی اور خودی کے تعلق کو یوں بیان کیا ہے:

زندہ یا مردہ یا جاں بلب
از سہ شاہد کن شہادت را طلب
شاہد اول شعور خویشتن
خویش را دیدن بہ نور خویشتن
شاہد ثانی شعورِ دیگرے
خویش را دیدن بہ نور دیگرے
شاہد ثالث شعور ذاتِ حق
خویش را دیدن بہ نور ذات حق

دانائے راز اقبال کی مبنی بر حقیقت نصیحت بھی یہی ہے:

تو راز کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا رازداں ہو جا، خدا کا ترجماں ہو جا

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ اور حقیقتِ کائنات

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان میں حواس پر مبنی علم حصولی صرف صورت کا علم ہے۔ لیکن شعور باطن پر مبنی علم حضوری حقیقت کا علم ہے۔ علم حصولی...... سراپا ظن وقیاس ہے اور علم حضوری...... سراپا یقین ہے۔ دانش برہانی...... حیرت افروز ہوتی ہے لیکن دانش نورانی...... یقین انگیز۔ التباسِ حواس پر مبنی...... تصور کائنات کے متعلق حضرت امام ربانی کی وضاحت ملاحظہ فرمائیے:

Marfat.com

پس در صورت متنازع فیه حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کہ جز اُو در خارج و نفس امر موجودے نیست بقدرتِ کاملۂ خود کمالات اسمائی وصفاتی وخود را در پردۂ صور ممکنات در مرتبہ حس ووہم ظاہر ساخت وبوجود و ہمی ثبوت خیالی آں کمالات را در مجالی اشیاء جلوہ گر گردانید یعنی اشیاء را بر طبق آں کمالات در مرتبہ حس و وہم ایجاد فرمود تا نمود و ہمی وثبوت خیالی پیدا کردند پس بود اشیاء باعتبار نمود وخیالی است [1]

ترجمہ: پس صورت متنازع فیہ میں حق تعالیٰ نے کہ جس کے سوا خارج اور نفس الامر میں کوئی موجود نہیں۔ اپنی قدرت کاملہ سے اپنے اسماء وصفات کے کمالات کو ممکنات کی صورتوں کے پردہ میں مرتبہ ''حس ووہم'' میں ظاہر کیا اور ان کمالات کو وجود وہمی اور ثبوت خیالی کے ساتھ اشیاء کے مظہروں میں جلوہ گر کیا۔ یعنی اشیائ کو ان کے مطابق ''مرتبہ حس وہم'' میں ایجاد فرمایا۔ اور انہوں نے نمود وہمی اور ثبوت خیالی حاصل کیا ہے۔ لیکن حق تعالیٰ نے اس نمود کو ثبات واستقرار کرامت بخشا ہے۔

دوسرے مقام پر آپ فرماتے ہیں:

وآں چہ مکشوف ومعتقد ایں فقیر است آنست کہ ایں عرصہ، عرصۂ وہم است وایں صور واشکال کہ دراں عرصہ است صورواشکال ممکنات است کہ بصنع خداوندی جل سلطانہ در مرتبہ حس و وہم ثبوتے پیدا کردہ است [2]

ترجمہ: جو کچھ اس فقیر کا مکشوف اور معتقد ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ عرصہ...... عرصہ وہم ہے

---

[1] مکتوبات دفتر دوم مکتوب: ۴۴   [2] دفتر سوم مکتوب: ۶۷

اور یہ صورتیں اور شکلیں جو اس عرصہ میں ہیں انہوں نے حق تعالیٰ کی صفت سے مرتبہ حس و وہم میں ثبوت و استحکام حاصل کیا ہے۔

نیز فرمایا:

ومرتبہ وہم عبارت از نمود بے بود است در رنگ دائرہ کہ از نقطہ جوالہ در وہم ناشی گشتہ است کہ نمودے دارد بے بود حکیم مطلق جلّ سلطانہ عالم را دریں مرتبہ خلق فرمودہ نمود محض را ثبوت و ثبات بخشید و از غلط بہ صحت آورد و از کذب بصدق کشید و نفس الامر ساخت [1]

ترجمہ: مرتبہ وہم نمود بے بود سے مراد ہے جس طرح کہ وہ دائرہ جو نقطہ جوالہ سے وہم میں پیدا ہوتا ہے نمود بے بود رکھتا ہے۔ حکیم مطلق جل شانہ نے عالم کو اس مرتبہ میں پیدا فرما کر محض نمود کو ثبوت و ثبات بخشا اور غلط سے صحت میں لایا اور کذب سے صدق میں لا کر نفس الامر بنایا۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ علم حصولی (مبنی بر حواس) کی غلط بینی پر بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

پس علم حصولی فی الحقیقت علم بہ نفس شئی نباشد بلکہ علم بصورتے از صور آں شئی باشد و نسبت بنفس آں شئی جہل متحقق بود سبحان اللہ جہل بشئی را علم باں شئ گفتہ اند الخ...... [2]

ترجمہ: علم حصولی در حقیقت نفسِ شے کا علم نہیں ہوتا...... بلکہ اس شے کی صورتوں میں سے کسی صورت کا علم ہوتا ہے اور اس میں نفس شے کے متعلق جہل ثابت ہوتا ہے......

---

[1] دفتر سوم مکتوب: ۶۸ [2] دفتر سوم مکتوب: ۴۸

Marfat.com

صورتِ شے کے علم سے ...... اس شے کا کماحقہ، علم کس طرح لازم آئے گا ...... جب کہ صورت شے ایک ظاہری تصویر اور مثال ہے۔ حاصل کلام یہ کہ معلوم دراصل وہ ہے جو ذہن میں موجود ہے صورت شے کو نفس شے سے تغائر کی نسبت ہے۔ اس لئے صورت شے کا علم نفسِ شے کا علم نہیں۔ علم صرف علم حضوری ...... (وجدانی اور بلاواسطہ حواس علم) ہی ہے ...... علم حضوری کے سوا جو علم حصولی ہے وہ سراسر جہل ہے۔ جو علم کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔

حقیقت کائنات کو خواب یا سراب یا نمود بے بود ماننے کے بعد اس سے ایک گونہ بے نیازی اور رستگاری حاصل ہو جاتی ہے۔ تمام مصائب کی جڑ تو لذاتِ دنیا میں گرفتاری ہی ہے اور اگر اسی گرفتاری سے رستگاری نصیب ہو جائے تو اس سے بڑی راحت کیا ہو سکتی ہے۔ ہر تقویٰ، ہر خیر اور برکت کی علت تو لذاتِ عالم موہوم سے یک گونہ بے نیازی ہے اور یہ بے نیازی حقیقت کائنات کی اس معرفت کے بغیر ممکن نہیں۔ کہ یہ عالم کثرت ...... یہ دنیائے رنگ و بو ...... حقیقی نہیں، وہمی ہے ...... بیداری، نہیں، خواب ہے ...... اصلی نہیں، نقلی ہے ...... دائمی نہیں، عارضی ہے۔ یہ سینما کی سکرین پر منعکس جلوہ ہائے پابہ رکاب ہیں ...... جو نظر فریبی کرتے ہوئے گذر جاتے ہیں۔ غالب کی زبان میں

بازیچۂ اطفال ہے دنیا میرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا میرے آگے

یا اصغر کی زبان میں

پھر میں نظر آیا نہ تماشا نظر آیا
جب تو نظر آیا مجھے تنہا نظر آیا

Marfat.com

یا اسدؔ کی زبان میں

جو نقش ہے ہستی کا دھوکا نظر آتا ہے
پردے پہ مصور ہی تنہا نظر آتا ہے
ہستی کے مت فریب میں آ جائیو اسد
عالم تمام حلقہ دام خیال ہے

قرآن اور حقیقتِ کائنات

قرآن حکیم نے بھی اس حیات مستعار اور دنیائے مردار کو لہو ولعب اور متاع غرور ہی قرار دیا ہے۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ [1]

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ [2]

○ ...... ہم عالم خارجی سے اپنے حواس خمسہ کے وسیلہ سے رابطہ کرتے ہیں۔ اعضائے بصارت اور سماعت کے ذریعے صوت وصورت کا کچھ تاثر ہمارے نہاں خانہ دماغ میں پیدا ہو کر وہاں ایک تصور پیدا کرتا ہے ...... ہم اپنے اس تصور کو ہی پہچانتے اور جانتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ میرے اندر یہ تصور میرے ہی حواس نے پیدا کیا ہے۔ اس میں التباس حواس شامل ہے۔ یہ تصور عالم خارجی کی کنہ اور حقیقت کا صحیح ترجمان نہیں بلکہ حقیقت خارجی کے متعلق میرے حواس کے پیدا کردہ تاثر کا ترجمان ہے۔

حضرت اقبال کے نزدیک حواس کا حاصل کردہ علم ...... حقیقی اور قطعی نہیں بلکہ ظنی اور شکی ہے۔ یہ عالم خارجی کا ترجمان نہیں بلکہ ہمارے حواس کا عکاس ہے اور یہ محض حواس کی شعبدہ بازی اور نقش آفرینی ہے ...... ہمارے حواس کا داخلی تاثر ہے جس کو ہم عالم

۱؎ الانعام، ۶:۳۲ ۲؎ آل عمران، ۳:۱۸۵

Marfat.com

خارجی پر منطبق کرتے ہیں۔

حضرت غوث علی قلندر اور حقیقتِ کائنات

تعلیم غوثیہ کے مؤلف...... حضرت شاہ غوث علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے رقم طراز ہیں:

یہ حواس ہمیں دھوکا کھانے کا عادی بنا دیتے ہیں اور محسوسات میں بلا تحقیق حکم لگا دینا ان کا کام ہے۔ جیسے التباس حواس کی وجہ سے انسان کو رسی پر سانپ...... سیپ پر سیم اور سراب پر آب کا دھوکا ہو جاتا ہے۔ غرض یہ حواس دھوکا دیئے بغیر نہیں رہتے۔ [۱]

مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حقیقتِ کائنات

کثرت کی نمود بے بود اور اس کے معدوم محض ہونے کے متعلق مولانا محمد قاسم نانوتوی تقریر دلپذیر میں رقمطراز ہیں:

''بخلاف کثرت کے کہ وہ حقیقت میں وجود کے اقسام میں سے نہیں۔ غلطی کے باعث اسے وجودات میں سے شمار کرتے ہیں، بلکہ جیسے وحدت کی اصل وجود ہے کثرت، مبنی بر عدم ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ نور آفتاب ایک شئے واحد ہے۔ لیکن جب مختلف روشندانوں سے یہ روشنی چھن کر آتی ہے...... تو ہر روشندان کی روشنی الگ الگ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن یہ کثرت...... اندھیرے اور غلط فہمی کے باعث معلوم ہوتی ہے۔ اگر روشندانوں میں سے باہمی آڑ کو ہٹا دیا جائے۔ تو کثرت معدوم ہو جائے اور یہ نور واحد ہی جلوہ نما ہونے لگے۔ یہ کثرت...... عدم اور جہالت کے باعث معلوم ہوتی ہے، اس کا کوئی وجود نہیں صرف وحدت حقیقی ہے۔''

۱۔ تعلیم غوثیہ ص: ۲۹۰

عارف اور اہلِ دنیا کا فرق

خود آگاہی اور خداشناسی سے جب کائنات کی ناپائیداری واضح ہوجاتی ہے تو پھر وہمی اور فانی سے غیر معمولی رابطہ باقی نہیں رہتا۔ اس قلبی بلوغ کے بعد طفلِ نابالغ کی طرح لہو ولعب اور کھلونوں سے تسلی نہیں ہوتی ...... دنیائے مجاز کے جلوہ ہائے پابہ رکاب ...... دیدہ ودل کو شکار نہیں کر پاتے۔ عارف اس وہمی ...... مجازی ...... اور غیر حقیقی دنیا کو سراب یا خواب کی طرح سمجھتا۔ خواب میں پہنچنے والے نفع وضرر کو وہ زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ وہ عالم خواب میں بیدار ہوتا ہے اور مستی میں بھی ہشیار ہوتا ہے۔ وہ خواب دیکھتا ضرور ہے اور اس سے کسی حد تک متاثر بھی ہوتا ہے لیکن عالم خواب میں بھی اس پر خواب کی حقیقت واضح رہتی ہے، اس لئے اس کے اطمینان قلبی میں کچھ فرق نہیں آتا۔ جسم اور ذہن متاثر ہوتے ہیں لیکن دل کے اطمینان میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اس کا نفس مطمئنہ جنتِ معرفت میں مقیم ہوتا ہے۔ جہاں پھول ہی پھول ہوتے ہیں اور ریب یا عیب کا کوئی کانٹا موجود نہیں ہوتا۔ اس سدابہار گلشن میں غم والم یا خوف وحزن کے کانٹوں کو راہ نہیں ہوتی۔ یہ دنیائے معرفت ...... وحدتِ نور ...... سرور اور اطمینان کی دنیا ہوتی ہے۔ خداشناسی اور خودآگاہی کی یہ دولت ...... دولتِ لازوال ہوتی ہے...... نہ یہ لٹتی ہے اور نہ ہی چھنتی ہے۔ یہ حال اور یہ کیفیت ...... ابدی اور سرمدی ہوتی ہے۔ تکمیل اور منزل رسی کا یہ احساس واذعان سراپا حضور وسرور ہوتا ہے۔

○ ...... دنیائے فانی کے فانی اور کائناتِ وہمی کے وہمی ہونے کے عرفان کے بعد دنیا سے بے نیازی اور بے رغبتی عارف کے مزاج کا تقاضا بن جاتی ہے۔ وہ اصل کا جویا نقل پر نہیں بھولتا...... وہ حقیقی کا طالب ...... وہمی کے دھوکے میں نہیں آتا۔ اور اس کا دل بیدار خواب کی بھول بھلیوں میں نہیں کھوتا۔ یہی معرفت اس کے لئے ضابطہ اخلاق

کا کام دیتی ہے۔ اسے نہ تو جنت کی جزا کا لالچ ...... نیکی پر آمادہ کرتا ہے اور نہ ہی جہنم کی سزا کا خوف ...... برائی سے روکتا ہے۔ وحدت کی معرفت کے بعد اس کی طبیعت ...... حق سے کلیۃً ہم آہنگ ہو جاتی ہے اور وہ اطمینان کی جنت معرفت میں مستقلاً مقیم ہو جاتا ہے۔ اسے لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ [1] کی نوید سنائی جاتی ہے اور اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ [2] کی بشارت سے نوازا جاتا ہے۔ اس مقام پر وہ جوئندہ نہیں بلکہ یابندہ ہوتا ہے۔

o...... منزل پر پہنچ کر اس کے سفر کی تگ و دو ختم ہو جاتی ہے۔ اب اسے سکون و سرور سے کام ہوتا ہے۔ جہاں زمان و مکاں کے تعینات اور توہمات ہی نہ ہوں...... وہاں اضطراب اور تگ و دو کو کیسے دخل ہو سکتا ہے؟ دنیا کے حصول کے لئے کشمکش اور جنگ وجدال کی وجہ دنیا کے باقی اور پائیدار ہونے کا وہم ہی ہے۔ اس خوابِ پریشان کی وہمی لذتوں اور فانی مسرتوں کے لئے فرد، فرد کو اور قوم، قوم کو کھا جاتی ہے اور انسان درندوں کی طرح ایک دوسرے کو بھنبھوڑتے اور چیرتے پھاڑتے ہیں اور انسان...... انسان کا شکاری بن جاتا ہے۔ وہ دنیا کے حسن بے ثبات کے سحر سے مسحور ہو جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ وہمی لذتیں ہی حاصل زندگی ہوتی ہیں۔ دراصل وہ بیچارے سراب کو آب...... قبح کو حسن اور مرض کو شفا سمجھے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ سرسام کے مریض کی طرح وہمی اور فرضی شکلوں کو دیکھتے ہیں اور کبھی ان پر مرتے ہیں اور کبھی ان سے ڈرتے ہیں۔ حالانکہ وہاں نہ حسن ہوتا ہے نہ قبح...... سب التباسِ حواس کا تماشا اور فریبِ چشم و گوش ہوتا ہے۔

تھا خواب میں خیال سے تجھ کو معاملہ
جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

اس طلسم فریب سے اخلاقی ضابطوں کے زور اور منطقی دلیلوں کے توڑ سے نکلنا

۱؎ یونس، ۱۰: ۶۲ ۔ ۲؎ الرعد، ۱۳: ۲۸

مشکل ہوتا ہے۔صرف اس وہم کے وہم اور اس طلسم کے طلسم ہونے کا اذعان ہی اس طلسم فریب کے حلقوں کو توڑ سکتا ہے۔ پھر خود بخود حرص ...... فریب ...... اور لالچ کا دفعیہ ہو جاتا ہے۔ معرفت کے بعد شیخ چلی کا یہ سب فرضی حساب و کتاب اور وہمی جمع و خرچ کا حساب بے باک ہو جاتا ہے اور انسان صور واشکال اور تعین وتحدید کے چکر سے آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ حقیقی آزادی صرف عارف کامل کو ہی حاصل ہو سکتی ہے اور وہ دنیائے نور وسرور میں پہنچ جاتا ہے۔ پھر اس کا دیدۂ حق بیں ...... ہر سو مشاہدۂ حق کرتا ہے اور اس پر فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡهُ اللّٰهِ [۱] کی حقیقت ...... کیفیت بن کر چھا جاتی ہے۔

اسے اغیار میں بھی یار ہی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ عرفانِ وحدت کے بعد کثرت اور غیریت کا احساس مٹ جاتا ہے اور عارف سب کو اپنا عین پاتا ہے۔ اس لئے وہ سب کا ہی خواہ ...... محب اور مربی بن جاتا ہے۔ اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچتا ...... وہ کسی کی بد خواہی نہیں کرتا ...... وہ سب کا یار اور سب کا غمگسار بن جاتا ہے۔ کیونکہ وہ حق کی رحمت اور ربوبیت عامہ کا مظہر ہوتا ہے۔ وہ سب میں خود کو پاتا ہے اور خود میں خدا کو پاتا ہے وہ

ع خودی میں گم ہے خدائی تلاش کر غافل

کا مصداق بن جاتا ہے۔ عقل جزئی اور چشم احول جہاں مرض دیکھتی ہے، عارف کی عقل کلی وہاں شفا کا ملاحظہ کرتی ہے۔ عقل نفسانی اور شعور برہانی جہاں عیب اور ریب دیکھتے ہیں ...... عارف کی عقل نورانی اور روحانی وہاں تعمیر وتحسین دیکھتی ہے۔ حق کی ہمہ دانی ...... ہمہ توانائی ...... اور ہمہ رسی کے عرفان کے بعد وہ ہر طرف اور ہر دل میں نور وسرور ملاحظہ کرتا ہے اور حضرت رومی کی کیفیت معرفت کا مظہر بن جاتا ہے۔

---

۱ البقرہ، ۲:۱۱۵

گر تو میدانی کہ در ہر دل خدا ست
پس ترا تعظیم ہر دل مدعا ست
گر تو میدانی کہ ظل کیستی
فارغی گر مردی و گر زیستی
قطرہ نوری سراپا نور باش
بگذر از غم سر بسر مسرور باش

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً
فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ا؎

ا؎ الفجر، ۸۹: ۲۷۔۳۰

Marfat.com

بُطلانِ مادیّت اور عرفانِ حقیقت

پچھلی صدی میں عام سائنسی رجحان یہ تھا کہ مادہ ہی سب سے آخری حقیقت ہے اور مادہ غیر فانی ہے۔ یہ صورت بدلتا ہے، فنا نہیں ہوتا۔ مادہ کے علاوہ جو کچھ بھی ہے، سب وہمی اور غیر حقیقی ہے۔ روح اور شعور مادہ ہی کے مختلف خواص ہیں۔ شعور نے مادہ کو نہیں بلکہ مادہ نے شعور کو پیدا کیا ہے۔ مادہ کو آخری حقیقت ماننے کا نتیجہ یہ ہوا کہ حیات و کائنات کے تمام مسائل کی توجیہ اور تشریح مادی اور مشینی نقطہ نظر ہی سے کی جانے لگی۔ بقا اور ارتقاء کے تمام مسائل اسی مادی اور بے مقصدی زاویہ نگاہ ہی سے طے کئے جانے لگے۔ احساسِ حسن...... ذوقِ صداقت...... اور ارتقائی مقصدیت کو غیر علمی مسائل قرار دیا گیا۔ اس لئے ان پر غور و فکر کو بھی فعلِ عبث ہی سمجھا جانے لگا۔ انسان نے مشین بنائی لیکن خود بھی ایک مشین بن کر رہ گیا۔ زندگی کی بے مقصدیت نے اخلاقی اور انسانی اقدار کو سخت نقصان پہنچایا۔

مذہب ایک فرسودہ فکر اور اخلاق ایک بے ضرورت ضابطہ سمجھا جانے لگا۔ خدا اور آخرت کے تصور کو جہالت کی دلیل قرار دیا گیا۔ اس اندازِ فکر سے زندگی کا تار و پود ہی بکھر گیا۔ سفرِ حیات بے منزل اور وجودِ کائنات بے مقصد بن کر رہ گیا۔ اس قسم کے بے مقصد ڈھانچے میں انسان کا شخصی وجود ایک حقیر سا نقطہ نظر آنے لگا۔ انسان اپنی عظمت اور قدر و قیمت کھو بیٹھا اور اپنے اضطرابِ قلبی کا علاج لہو و لعب...... جنسی بے راہ روی...... اور منشیات میں ڈھونڈنے پر مجبور ہو گیا۔

لیکن اس صدی کے آغاز میں ہی سائنس کی دنیا میں ایک انقلاب رونما ہوا۔ ڈارون کے نظریہ ارتقاء پر حکماء سائنس نے ہی شدید اعتراض کرنے شروع کر دیئے اور یوں مشینی ارتقا کا نظریہ جو ایک مسلمہ سائنسی اصول بن چکا تھا۔ حکماء سائنس کی تنقید کے زیر اثر اپنی قطعیت کھو بیٹھا اور اس کے بجائے مقصدی ارتقاء کا نظریہ فروغ پانے لگا۔

برگسان نے ڈارون کے نظریہ ارتقاء پر فلسفیانہ انداز میں تنقید کی اور حق تو یہ ہے اس تنقید نے نظریہ ارتقا کی چولیں ڈھیلی کر دیں اور یہ نظریہ جو سائنس کی دنیا میں ایک قانون کی حیثیت سے مانا جا چکا تھا...... اپنی علمی عظمت اور قطعیت کو کھو بیٹھا۔ مشہور سائنس دان لارڈ مارگن نے ڈارون کے عضوی ارتقاء کی بجائے فجائی ارتقاء (Emagent Evolution) کا جو سائنسی نظریہ پیش کیا وہ ڈاروینی نظریہ سے زیادہ مؤثر اور مدلل ہے۔ اس نظریہ کی رو سے ایک خاص نقطہ ارتقاء پر پہنچ کر اچانک اعضائے حیات میں نئی قوتیں اور نئی صفات رونما ہو جاتی ہیں اور یہ عمل پہلے دور کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ یکسر نیا ہوتا ہے۔ مارگن اس کو یوں بیان کرتا ہے۔ ''کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سطح سے دوسری سطح تک جست کا عمل ہوتا ہے اور ہر جست میں نئے خواص ایک مرتب اور متعین ترقی کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں''۔[۱]

مادہ یا مادی ایٹموں کی سالمیت اور ان کے ٹھوس اور نا قابل فنا ہونے کا سائنسی نظریہ اب مردہ ہو چکا ہے اور اب مادہ اور اس کے مادی سالمات (ایٹم) مثبت...... اور منفی برق پاروں میں تقسیم ہو کر قطعاً غیر مادی اور روحانی بن کر رہ گئے ہیں خود ایڈنگٹن کی زبان ہی سے سن لیجئے۔

مادی دنیا انتہائی تحلیل کے بعد غیر مادی ثابت ہو چکی ہے۔ مادہ کی جوہریت کا

۱۔ ماڈرن بیلیف حصہ سوم ص: ۱۲۹ تا ۱۳۱

Marfat.com

خاتمہ ہو چکا ہے۔ یہ کوئی نظریہ نہیں بلکہ سائنس کا ایک مسلمہ اصول ہے۔ معمولی عقل و فہم نے مادہ اور زمان و مکاں کی ترکیب سے کائنات کا جو مادی نقشہ بنایا تھا۔ اسے خود سائنس نے ہی غلط اور ناقابل اعتبار قرار دے دیا ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ظواہر کی تحلیل نے زیادہ عمیق حقائق کو بے نقاب کر دیا ہے۔

مقدمہ نمبر ۱۶ Eddingtan: Nature of the World

فجائی ارتقاء کے نظریہ کے مطالعہ سے برگسان اور مارگن دونوں کے نظریات کا ماحصل یہ نکلتا ہے کہ بے جان اور بے شعور مادہ میں جان اور شعور کا خود بخود پیدا ہو جانا، نہ سائنس کی رو سے سمجھ میں آتا ہے اور نہ ہی فلسفہ کی رو سے جب تک کہ مادہ کے ماوراء کوئی ذی حیات اور ذی شعور روحانی مبدا نہ مانا جائے۔

اب بات یہاں تک آ پہنچی ہے کہ مادی کائنات ایک فریب نظر یا سراب بن کر رہ گئی ہے، جو نہ خود حقیقی ہے اور نہ ہی جس کا سلسلہ علت و معلول ہی قطعی ہے۔ بقول اقبال...... زمان و مکاں اب صرف ایک انداز بیاں بن کر رہ گئے ہیں۔ یہ ٹیلی گراف کے وہ نقطے اور خط ہیں جو اشارے یا کنائے کے رنگ میں پیغام رسانی تو کرتے ہیں لیکن حقیقت شناسی کے کام نہیں آتے۔ یا بقول غالب...... یہ صور و اشکال ساز کے پردے ہیں اور یہ حجاب کسی حقیقتِ مستور کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اس لئے پردہ ہی پردہ دری اور حجاب ہی بے حجابی کا کام بھی دیتا ہے۔

اقبال کے نزدیک!

وہی اصل مکان و لا مکاں ہے
مکاں کیا شے ہے، اندازِ بیاں ہے

اور غالب کے نزدیک!

Marfat.com

محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

یہ عالم کثرت اس کی شان **ھُوَالظَّاھِر** کی نمود ہے۔ لیکن یہ شان **ھُو البَاطن** کے لئے حجاب بھی ہے۔ بہر حال اب سائنس کے نزدیک بھی مادہ غیر حقیقی بھی ہے اور تغیر پذیر بھی...... اصل شئے قوت ہے...... مادہ شہود ہے لیکن غیب کے وجود کی دلیل ہے...... تو اصل حقیقت غیب ہے۔ اس لئے حقیقت خارج میں نہیں...... داخل میں ہے۔ اس کی تلاش اپنے سے باہر نہیں بلکہ اپنے ہی دل یا اپنے ہی شعور میں کرنی چاہئے۔ عجیب بات ہے کہ مادہ اور کثرت میں اسیر سائنس اب تصوف اور معرفت کی ''خود آ گاہی'' کی منزل کے قریب آ رہی ہے۔

سرِ خدا کہ عارف سالک بہ کس نہ گفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

اب جستجوئے حقیقت کیلئے سیر آفاقی سے زیادہ سیر انفسی کرنی ہوگی اور خارج سے زیادہ داخل پر زور دینا ہوگا اور کثرت کے بجائے وحدت کی طرف رجوع کرنا ہو گا۔ ایڈنگٹن کی زبان سے سن لیجئے:

''کوانٹم نظریہ تک پہنچ کر اگر میں غلطی نہیں کرتا تو ہم نے خارجی یا ذہن سے باہر صداقت وحقیقت کی جستجو کے مقصد کو سرے سے ترک ہی کر دیا ہے اور محسوس کائنات کو ایسے عناصر میں تحلیل کرنا پڑا ہے۔ جو صراحتہً ذہنی ہی ہیں۔[۱]

اب نتیجہ یہ نکلا کہ مادہ میں قوت کی نمود ہے اور ظاہر میں غیب کا شعور ہے اور کثرت آخر تحلیل ہو کر وحدت میں گم ہو جاتی ہے۔ سائنس کے نزدیک یہ غیبی حقیقت یا وحدت...... ایک ناگزیر کلیہ کے طور پر ماننی پڑتی ہے۔ ورنہ بقاء اور ارتقاء اور تحسین

۱۔ ماڈرن بیلیف کتاب اول ص:۸

وتکمیل کی کوئی توجیہہ ہو نہیں سکتی۔ غیب...... ظاہر کا مبدا......اور وحدت...... کثرت کا منبع ہے اور یہ غیب اور وحدت ایک داخلی شعور کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہے۔ لہٰذا اس کی معرفت اور اس تک رسائی خارجی مطالعہ سے نہیں بلکہ داخلی مراقبہ ہی سے ممکن ہے۔ اور یہ عقل جزئی کے بس کی بات نہیں کہ وہ تو تجزیہ اور تفہیم کے بغیر کچھ سمجھ ہی نہیں پاتی...... وہ تو کمیت کی ترازو ہی پر ہر شے کو تول سکتی ہے...... کیفیت کے ماپنے کا پیمانہ اس کے پاس ہے ہی نہیں۔ اس لئے عرفانی حقیقت میں عقل جزئی نا کام ہے۔ صوفیاء اور عرفاء کا یہ دینی اذعان بھی ہے اور تجرباتی ایقان بھی۔

ان مذکورہ بالا حقائق سے ہم پر یہ بات واضح ہوتی ہے۔

o...... کہ مادہ تحلیل ہو کر قوت بن جاتا ہے اور قوت کا عرفان ہمیں خودشعوری کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔

o...... دوم یہ کہ غیب...... شہود کا مبدء ہے۔ اس لئے محسوس سے غیر محسوس کی موجودگی زیادہ حقیقی ہے، یا غیب...... شہود سے زیادہ حقیقی ہے۔

o...... سوم یہ کہ ایٹم کا ہر ذرہ قوت کا خزانہ ہے اور وہ قوت تعمیری ہے۔ کائنات کے بقا...... ارتقاء اور تزئین وتحسین کے مشاہدہ سے ہم پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کائنات میں تعمیر وتحسین کا ایک ہمہ گیر قانون کارفرما ہے۔

قرآن حکیم کی زبان میں اس کو قانون ربوبیت اور رحمت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ پھر کائنات کی بقا اور اس کا ارتقاء ہمیں بتاتا ہے کہ یہاں تخریب پر تعمیر اور شر پر خیر غالب ہے۔ ورنہ اب تک اجزائے کائنات منتشر ہو کر رہ جاتے۔ اس مقام پر رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ اور رَحْمَتِيْ سَبَقَتْ عَلٰى غَضَبِيْ کی حقیقت آشکار ہو جاتی ہے۔ جب اس حقیقت کا عرفان ہو جائے کہ رحمت...... زحمت پر اور تعمیر...... تخریب پر غالب ہے۔ تو کائنات کے متعلق ایک قنوطی نہیں بلکہ رجائی تصور

قائم ہوجاتا ہے۔زندگی...... عذاب کے بجائے ثواب اور سزا کے بجائے جزا کا روپ دھار لیتی ہے اور جب ذات کی ہمہ گیر اور ہمہ رس ربوبیت کا عرفان ہوجاتا ہے۔ تو ہر سمت ارتقائی اور تعمیری قوت کارفرما نظر آتی ہے۔انفس اور آفاق اور کائنات اور اپنی ذات میں صرف تعمیر اور تحسین کا شہود ہوتا ہے۔اس مثبت انداز فکر کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذہن میں مستقل تعمیری فکر جاگزیں ہوجاتا ہے۔ اس تعمیری خیال سے انسان کی تمام شخصیت ہی تعمیری ارتقاء کی مظہر بن جاتی ہے۔اندر اور باہر صرف خیر کا ظہور نظر آتا ہے۔اس سے یاس وحرمان...... غم والم...... دکھ اور درد کا مستقل مداوا ہو جاتا ہے اور ان کے بجائے امید و یقین...... ایقان اور اطمینان...... راحت اور مسرت کی دولت سرمدی حاصل ہوجاتی ہے۔کائنات مخالف نہیں...... موافق اور ماحول غیر نہیں بلکہ یار نظر آتا ہے۔نگاہ...... نکتہ چین نہیں بلکہ حسن بین...... فکر تنقیدی نہیں بلکہ تعمیری اور دل...... مضطرب نہیں بلکہ مطمئن ہوجاتا ہے۔اطمینان کی یہ کیفیت مرض شکن اور محبت افروز ہوتی ہے۔نفرت کی جگہ جب محبت لے لیتی ہے تو یہ ہر طرف حسن وخوبی ہی کا شہود ہوتا ہے۔اس سے غم مفقود ہوتا ہے اور راحت ومسرت کا ورود ہوتا ہے۔اس سے سیرت میں ایسی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے کہ بیگانے اپنے اور اغیار یار بن جاتے ہیں۔طبیعت کی یہ کیفیت ہر قسم کی جذباتی...... ذہنی اور جسمانی مرض کا مداوا بن جاتی ہے اور مادی دوا کے بغیر ذہنی اور روحانی...... تعمیری تاثرات ہی ہر مرض کا شافی علاج بن جاتے ہیں۔پس علم صحیح ہی ہر قسم کی ظاہری اور باطنی امراض کا علاج بن جاتا ہے۔اور ذات وکائنات کے متعلق غلط اندیشی ہی ہر مرض کی علت ہے۔خود شناسی...... خود آگاہی...... اور خودداری سے ہی ذات اور کائنات میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے اور آہنگ ہی حسن ہے۔آہنگ ہی تعمیر ہے۔آہنگ ہی تحسین ہے اور آہنگ سے ہی بقا اور ارتقاء کا وجود قائم ہے اور جذبات واحساسات اور تخیلات میں داخلی طور

پر اور ماحول میں خارجی طور پر آہنگ...... صرف معرفت ذات اور علم صحیح سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ پس دیدارِ ذات سے ہی تکمیل حیات ہے اور خود آ گاہی سے ہی ابدیت...... آفاقیت...... وحدت...... اور طمانیت کی دولت حاصل ہوتی ہے اور اسی دولت کے حصول سے ہی حقیقی قوت اور ابدی مسرت نصیب ہوتی ہے۔ درج ذیل اشعار الٰہی حقائق کے عکاس ہیں۔

بیا بر خویش پیچیدن بیاموز
بناخن سینہ کاویدن بیاموز
اگر خواہی خدا را فاش بینی
خودی را فاش تر دیدن بیاموز
کمال زندگی دیدار ذات است
طریقش رُستن از بند جہات است
بہر مقام خود رسیدن زندگیست
ذات را بے پردہ دیدن زندگیست

o

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا

Marfat.com

شعورِ ذات اور شفائے امراض

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَاِذَا مَرِضۡتُ فَهُوَ یَشۡفِیۡنِ ۱؎

مادہ پر رُوح اور شعور کی فوقیت اور مادہ سے روح کی اوّلیت کا نظریہ اب صرف عارفوں اور صوفیوں یا فلسفیوں تک ہی محدود نہیں بلکہ اس صدی میں سائنس بھی اسی نظریہ کی مؤید ہوتی چلی جارہی ہے۔ نظریۂ اضافیت اور کوانٹم تھیوری نے نہ صرف مادہ کی قطعیت اور ابدیت کو ہی مجروح کیا ہے بلکہ خود مادہ کے وجود کو ہی محل نظر بنا کر رکھ دیا ہے۔ انجام کار مادہ تحلیل ہو کر برقی ہیجان یا موج نور کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اسی نور کا ظہور کائنات میں بہ شکل شعور ہوتا ہے۔ اگر مخلوق کو دلیل بنا کر ہم خالق کو پہچانیں اور کائنات کے آئینہ میں ذات مطلق کی تجلی کو دیکھ پائیں تو ہمارے عرفان کی حد آخر یہ ہوگی کہ کائنات کے ذرہ ذرہ میں علم وقدرت یا شعور مطلق کی کارفرمائی اور حکمرانی ہے۔ ہر جگہ نظم وضبط اور ترتیب وتحسین کی جلوہ گری ہے اور یہ سب کچھ ایک اٹل قانون کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اسی شعور ذات کے ایقان یا خالق کے علم وقدرت کے عرفان سے (بہ شکل قانون ربوبیت وقانون رحمت) روحانی اور جسمانی امراض سے نجات کا ایک بلا دوا موثر ذریعہ حاصل ہوجاتا ہے۔

۱؎ الشعرآء، ۲۶:۸۰

Marfat.com

روحانی شفاء بخشی

بندگانِ خدا میں روحانی ذریعہ سے شفا بخشی کا طریقہ ہمیشہ رائج رہا ہے اور جہاں انہوں نے طالبانِ حقیقی کو خدا رسی کا طریقہ بتایا وہیں انہوں نے جسمانی عوارض سے بھی انسانوں کو نجات دلائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عرفانِ ذات اور عرفانِ کائنات کے بعد مزاج انسانی میں ایسا آہنگ اور ایسا توازن پیدا ہو جاتا ہے کہ وہاں مرض کی غیر طبعی اور غیر حقیقی کیفیت کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

اس روحانی شفا بخشی کے سلسلہ میں اہل اللہ نے ہمیشہ کئی ایک ظاہری وسائل بھی استعمال کئے...... کسی کو تعویز لکھ کر دے دیا...... کسی کو پڑھ کر پھونک دیا۔ کسی کو ہاتھ سے مس کر دیا...... اور یہ محض اس لئے کیا گیا کہ انسان طبقاً ظاہر بیں ہے۔ ان ذرائع سے اس کی توجہ کو مرکوز اور اس کے اعتماد کو مضبوط کیا جا سکتا ہے کہ کسی محسوس اور معین چیز کی طرف توجہ سے مریض کا ذہن حصولِ شفا کی طرف متوجہ ہو کر...... مرض اور علامات مرض سے عارضی طور پر توجہ ہٹا لیتا ہے...... جس سے ازالۂ مرض کی قوت کی تائید ہوتی ہے۔ ورنہ یقیناً شفا تو خالق کے قانون ربوبیت اور رحمت کے اثر سے ہی حاصل ہوتی ہے اور اسی عالمگیر اور ہمہ رس قانون کے عرفان اور اس سے تعاون سے ہی مستقل اور پائیدار صحت و شفا حاصل کی جا سکتی ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے روحانی برکت و توجہ سے ہی اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو تندرست اور مردوں کو زندہ فرمایا۔

اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ [۱]

حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتے کی برکت سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی

۱۔ آل عمران، ۳:۴۹

آنکھوں کا بینا ہو جانا بھی اسی شفا بخشی کا اثر ہے۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۱؎

خود سرور کائنات علیہ السلام نے بھی جسمانی امراض کے دفعیہ کے لئے دعا اور مس بالید کا طریقہ استعمال فرمایا اور بعض مردوں کو بھی زندہ فرمایا۔ صحابہ کرام اور ان کے اہل وعیال نے بھی اس فیضان سے فائدہ اٹھایا۔

اولیاء کرام ہمیشہ مخلوق خدا کی ظاہری اور باطنی شفا کا اہتمام فرماتے رہے۔ اور اپنی توجہ کی برکت سے امراض جسمانی کا بھی ازالہ فرماتے رہے۔ گوانہوں نے ہمیشہ باطنی شفا ہی کو اپنا مقصد بنایا اور اسی پر اپنی تمام تر توجہ صرف کی۔ لیکن ''وَلِجِسْمِكَ عَلَيْكَ حَقًّا'' کے اصول کے مطابق جسمانی صحت پر بھی ضمنی طور پر توجہ دی تاکہ عارف روحانی ارتقا کی منازل طے کرتے وقت جسمانی عوارض کی مداخلت سے محفوظ رہ سکے۔ ہمارے آلومہار شریف کے اپنے خاندان کے بزرگوں میں خنازیر...... جنون...... اٹھرا وغیرہ جیسے موذی امراض کے روحانی علاج کا دیرینہ معمول چلا آتا ہے اور اس سے ہزاروں افراد نے فائدہ اٹھایا ہے۔

اچھے اور برے خیالات کے اثرات

ترغیب...... عمل تنویم اور نفسیاتی تجزیہ کے ذریعے عصبی اور ذہنی امراض کا علاج تو اب ایک مسلمہ سائنسی اصول بن چکا ہے۔ اور تمام معالج اب اس حقیقت کو مانتے ہیں کہ خیال کا جسم پر غیر معمولی اثر ہوتا ہے۔ صحیح اور اچھے خیالات سے جسم پر خوشگوار اور غلط خیالات سے ناگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جس وقت خیال کی قوت کا صحیح اندازہ لگا لیا گیا اور خیال کو قانونِ ربوبیت اور رحمت سے ہم آہنگ کر لیا گیا اس وقت

۱؎ یوسف، ۱۲: ۹۳

Marfat.com

انسانیت کے لئے صحت اور قوت کے ایک نئے دور کا آغاز ہو جائے گا۔ اور انسان روز افزوں امراض کے چنگل سے نجات پالے گا۔

صحت و قوت کے اس نئے دور کا معالج...... جسمانی علامات کے بجائے ذہنی خیالات کی اصلاح پر زیادہ زور دے گا۔ اسے علم ہو گا کہ مرض کی نمود جسمانی عوارض کے رنگ میں ہوتی ہے لیکن اس کا وجود ''خیال اور تصور'' کی بے راہ روی سے شروع ہوتا ہے...... نتیجہ جسم پر مرتب ہوتا ہے لیکن علت خیال میں موجود ہوتی ہے۔ ظاہر میں جو کچھ نمودار ہوتا ہے...... وہ باطنی خیالات کا عکس ہوتا ہے۔ باطنی خیالات اصل ہیں اور جسمانی علامات ظل ہیں۔ ظاہر ہے کہ اصل میں ترمیم ہوگی تو سایہ میں بھی تغیر پیدا ہوگا۔ اگر کوئی اصل میں تبدیل کے بغیر عکس میں ترمیم شروع کر دے تو سعی لاحاصل ہوگی۔ اسی طرح جب تک مرض کی صحیح علت کو نہ مٹایا جائے اس وقت تک مستقل مکمل شفا کے لئے ذہنی اصلاح کرنی ہوگی۔ اس حقیقت کو اپنانے سے ہی صحت اور شفا کے نئے دور کا آغاز ہو سکتا ہے۔

حکمائے مغرب بھی اب اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اچھے یا برے خیالات کا اثر پہلے جسم لطیف پر ہوتا ہے پھر جسم خاکی پر...... اکثر امراض و مصائب ہمارے گناہوں یا برے خیالات کا نتیجہ ہیں۔ ان سے شفا گناہ چھوڑنے اور اچھے خیالات پر منحصر ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مریضوں کو فرمایا کرتے تھے Go and Sin no more ''جاؤ اور آئندہ گناہ نہ کرنا''۔

خیالات کی صحت...... مریض کی صحت کی ضامن ہے اور خیالات کی خرابی...... مریض کی خرابی کا سبب ہے...... اپنے خیالات اور ذہنی وسواس پر کنٹرول حاصل کر لینے سے انسان ایک زبردست روحانی قوت کا حامل بن سکتا ہے، فکر و نظر کی طہارت انسان کو پیکر نور و سرور بنا دیتی ہے اور فکر و نظر کی گراوٹ انسان کو قعر مذلت میں گرا دیتی

Marfat.com

ہے۔

صوفیائے اسلام نے انسانی روح کو قوت خیالیہ سے تعبیر کیا ہے۔ اولیاء کرام اسی قوت خیالیہ کو قابو میں لا کر اظہار کرامات کیا کرتے ہیں...... دراصل قوت خیال ہی بحر نور اور موج شعور ہے...... یہی حیات کا خزینہ اور نجات کا زینہ ہے۔ آیت کریمہ ''مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ''[۱] میں اسی حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ اور ایمان و اعمال صالحہ ہی حیات طیبہ کی ضمانت ہیں۔

قانون تعمیر و تحسین

قانون ربوبیت و رحمت یا قانونِ تعمیر و تحسین کی ہمہ گیری سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ساری کائنات ایک ہی خالق کی قدرت اور مشیت کی مظہر ہے اور وہ قدرت اور مشیت...... قانون تعمیر اور تحسین کے رنگ میں ظہور پذیر ہے۔

اور یہ قانون ذرّے ذرّے اور قطرے قطرے میں کارفرما ہے۔ خالق کی ربوبیت ہمہ گیر اور اس کی رحمت ہمہ رس اور محیط کل ہے۔ خالق کامل ہے تو مخلوق بھی کامل ہونی چاہئے۔ صانع بے عیب ہے تو مصنوع بھی نقص سے پاک ہونی چاہئے۔ اگر ہم چشم بصیرت سے دیکھیں تو معلوم بھی یہی ہوتا ہے کہ ہر طرف خیر اور تعمیر کی قوت کارفرما ہے۔ ہر طرف حسن و جمال اور خوبیٔ کمال کا دور دورہ ہے۔ بننا اور سنورنا...... ابھرنا اور نکھرنا فطرت کا اصول ہے اور اسی قانون اور اصول پر ہی کائنات کی بقا اور ارتقا کا دارومدار ہے۔ اور اسی قانونِ تعمیر و تحسین کی معرفت اور اس سے ہم آہنگی میں وہ اصولِ شفا ہے جس کو اپنانے سے کبھی ناکامی نہیں ہوتی اور جو ہر مرض پر غالب ہے

۱۔ النحل، ۱۶: ۹۷

اور ہر دکھ کی دوا ہے۔

ساری کائنات ایک بے عیب اور کاملِ خالق کے علمِ وارادہ کی مظہر ہونے کی وجہ سے تکمیل اور تحسین کی مظہر ہے۔رب وہی ہے جو ہر چیز کو پیدا فرما کر بتدریج کمال تک پہنچاتا ہے۔اور اسے مقام تکمیل تک پہنچانے کے لئے زندگی کو داخلی صلاحیت کے ساتھ ساتھ خارجی طور پر بھی سازگار ماحول مہیا فرماتا ہے۔ذات اور کائنات...... انفس وآفاق دونوں ایک ہی قوتِ تخلیق وتعمیر کے مظہر ہیں۔اور زندگی کے تمام قوانین بھی دراصل ایک ہی ہمہ گیر قانونِ مشیت کے مظہر ہیں۔گوناگوں مخلوق میں ایک ہی خالق کی ربوبیت اور کثرت میں ایک ہی وحدت کی رحمت کارفرما ہے۔قانون تعمیر و تحسین محیط کل ہے۔رحمت وشفقت ہر چیز پر حاوی ہے۔

رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ [1] خالق کا اعلان ہے اور رَحْمَتِيْ سَبَقَتْ غَضَبِيْ [2] خالق کا فرمان ہے۔سب کچھ اس کی حفاظت اور پناہ میں ہے......اور وہ ہر چیز کا حافظ وناصر ہے۔اس کی پیدا کردہ کائنات میں تعمیر تخریب پر...... رحمت زحمت پر اور شفا مرض پر غالب ہے۔زندگی اور ماحول میں عناد نہیں...... بلکہ اتحاد ہے۔تخالف نہیں...... بلکہ تعاون ہے۔مخالفت نہیں...... بلکہ یگانگت ہے۔تعمیر کی ہمہ گیری اور خیر کی بالادستی کے اس ایقان سے جسمانی صحت اور باطنی مسرت نصیب ہوتی ہے اور خیر کی ہمہ گیری کے مراقبہ سے زندگی سراپا سرور ہوجاتی ہے اور ہر مرض خود بخود دور ہوجاتی ہے۔

---

[1] مسند احمد رقم الحدیث:۱۱۳۱۶، جلد ۲۳ ص:۶۱۳ محمد بن حنبل، ابو عبداللہ (۲۴۱ھ)

[2] صحیح بخاری رقم الحدیث:۶۹۹۹ جلد ۲۳، ص:۹۲

Marfat.com

قربِ ذات...... یا...... منزلِ فنا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مَنۡ عَرَفَ نَفۡسَهٗ فَقَدۡ عَرَفَ رَبَّهٗ ؎۱

شخصی شعور...... کائناتی شعور ہی کا ایک جز ہے۔ انسانی ذات کا شعور...... کائناتی شعور سے مربوط ہے۔ حقیقت کے لحاظ سے دونوں ایک ہیں۔ فرد کا شعور ذات ''انا'' شعورکل کا ترجمان ہے۔ اس لحاظ سے انسانی خودشعوری بہت بڑی قوت ہے۔

اگر قطرہ...... بحر بیکراں سے اپنے رابطے کو سمجھ لے...... اور جز...... کل سے اپنے تعلق کو پالے...... اور انسانی ذات...... کائنات سے اپنے صحیح رابطے کو سمجھ لے...... یا طریقت کی اصطلاح میں بندہ...... خدا میں فنا ہوکر مقام بقا کو پالے...... تو یہ بھی بیکراں ہوجاتا ہے اور بقول غالب

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

ذات کے علم وقدرت کے بغیر کوئی شے بھی وجود پذیر نہیں ہوسکتی۔ اس نے اپنے علم کے مطابق اپنی قدرت سے سب کچھ پیدا کیا۔ پیدا ہونے سے پہلے سب کچھ

؎۱ حلیۃ الاولیاء، اصفہانی: ۱۰/ ۲۰۸

Marfat.com

بطور معلوم کے اس کے علم میں موجود تھا اور ہر چیز کی صورت علمی ...... موجود تھی۔ پس خالق نے جب اپنی قدرت سے اس صورت علمی کو خارج میں ظاہر فرمایا تو وہ بطور مخلوق کے موجود ہوگئی۔ اسی کے علم پر اسی کی قدرت نے ...... اسی کے ارادہ سے اثر انداز ہو کر ...... معلوم کو خارجی طور پر موجود کر دیا۔ ہمارا جو خارج ہے وہ اس کے لئے داخل ہی ہے کیونکہ اس کے بغیر تو کچھ موجود ہی نہیں۔

ظاہر بھی وہ ہے اور باطن بھی وہ ...... اول بھی وہ ہے اور آخر بھی وہ ...... یعنی زمان و مکاں اسی میں ہیں اور وہ زمان و مکاں کو محیط ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ [۱]

اور وہی زمین و آسمان کا نور ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [۲]

اسی کا جلوہ چار سو ہے۔

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ [۳]

پس جب معلومات پر نور کی تجلی پڑتی ہے تو اپنی اپنی استعداد کے مطابق وہ موجود خارجی ہو جاتی ہے اور کثرت نمایاں ہو جاتی ہے۔ اور جب تعینات ختم ہوں تو پھر وحدت ہی وحدت ہے ...... اور اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن کی حالت ہے۔

مجنوں نے شہر چھوڑا تو صحرا بھی چھوڑ دے
نظارے کی ہوس ہو تو لیلیٰ بھی چھوڑ دے

وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے کہ ''ہوجا'' وہ ہوجاتی ہے۔

اِنَّمَا اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ [۴]

اسی کی قدرت، اسی کے ارادے سے اس کے علم کے مطابق ظہور پذیر ہوتی

۱۔ الحدید، ۵۷: ۳ ۲۔ النور، ۲۴: ۳۵ ۳۔ البقرہ، ۲: ۱۱۵ ۴۔ یٰسٓ، ۳۶: ۸۲

Marfat.com

ہے۔زمان و مکاں تو عقلِ جز بیں اور شعورِ کثرت بیں کے لئے حجاب ہیں۔ان حجابات کو اٹھا کر کثرت میں وحدت کو دیکھنا کمالِ عرفان ہے۔

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری
زماں ہے نہ مکاں لا الٰہ الّا اللہ

(اقبال)

خالق کامل ہے......تو مخلوق کامل ہونی چاہئے۔صانع بے عیب ہے......تو صنعت بھی بے عیب ہونی چاہئے۔کامل مصور کی تصویر بھی کامل ہونی چاہئے۔پس مخلوقات یعنی کائنات بھی اصل کے لحاظ سے سراپا خیر اور بے عیب ہے۔ربوبیت اور رحمت ہر چیز کی تکمیل اور تحسین کی کفیل ہے۔عقل جزی کی ناتمامی اور غلط اندیشی یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو از آغاز تا انجام......تکمیلی رنگ میں نہیں دیکھتی بلکہ کسی خاص زمانی یا مکانی مرحلہ ہی میں دیکھ سکتی ہے اور یہ دید ناتمام ہوتی ہے۔تمام کو بھی اگر جزی طور پر دیکھا جائے تو دید، ناتمام ہی ہوگی۔پس ناتمامی نقص یا عیب......دراصل عقل جزی کی غلط بینی کی وجہ سے ہے کہ چشمِ اَحول کو اشیاء دو دو نظر آتی ہیں۔اور یرقان کا مریض ہر چیز کو زرد ہی دیکھتا ہے۔پس دید سے پہلے نگاہ کی تطہیر لازم ہے اور تطہیر نگاہ کے بعد ہی کثرت میں وحدت اور جز میں کل کا مشاہدہ ہوتا ہے۔بقول غالب

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل
کھیل بچوں کا ہوا دیدہ بینا نہ ہوا

بقول مرشد رومی

آدمی دید است باقی پوست است
دید آں باشد کہ دید دوست است

بقول مرید ہندی

یہی آدم ہے سلطاں بحر و بر کا
کہوں کیا ماجرا اس بے بصر کا
نہ خود بیں نے خدا بیں نے جہاں بیں
یہی شہ کار ہے تیرے ہنر کا

کامل کا فن...... مظہر کمال ہوگا، اور حکیم کا فعل حکمت سے مملو ہوگا۔ پس خالق کائنات کی تخلیق بھی سراپا خیر و کمال ہوگی۔

ہر چہ بینی عین خیر و حکمت است
گو ترا زو رحمت و گو زحمت است
زانکہ باید فعل باطل از حکیم
فعل حق باطل نہ باشد اے سلیم

ذات حق، سراپا حسن و کمال اور خوبی و جمال ہے اور وہ محیط کل ہے۔ جملہ مخلوقات اور زمان و مکاں سب اس میں ہیں اور وہ سب کو محیط ہے۔ سب کے ساتھ رگ جاں سے بھی قریب ہے۔

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ [۱]

اور بقول شاعر

کہ جز اُو نیست در سرائے وجود
بہ حقیقت کسے دگر موجود

مراقبہ قرب ذات میں اس کی ہمہ گیری کے اس عرفان کے بعد...... کائنات سراپا نور و سرور بن جاتی ہے۔ ہر طرف اس کی ربوبیت اور رحمت کی کارفرمائی نظر آتی

۱۔ سورۃ ق، ۵۰:۱۶

Marfat.com

ہے اور رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ ا؎ کا مفہوم بطور حال کے عارف پر وارد ہو جاتا ہے۔رب العالمین اور رحمت للعالمین کی حقیقت کو پالینے سے نقص اور شر کا وجود مفقود ہو جاتا ہے۔نور کی موجودگی میں ظلمت کا کیا مقام ہے؟ آفتاب عالم تاب کی موجودگی میں شب تار کی کہاں گنجائش ہے؟ اور ذات اور اس کی ربوبیت اور رحمت کی ہمہ گیری کی موجودگی میں دکھ...... درد...... عیب...... اور مرض کی کہاں گنجائش ہے۔

اس عرفان کے بعد کائنات سراپا حیات اور حیات سراپا برکات اور تخلیق کلیتاً تحسین نظر آتی ہے اور جب یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اسی کی قدرت نے...... اسی کے ارادہ سے...... اسی کے علم کے مطابق بہ شکل موجودات ظہور فرمایا ہے اور کثرت میں وحدت...... اور مخلوق میں خالق کی جلوہ نمائی مشہود ہو جاتی ہے تو خیر و برکت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور نور و سرور کی ایک سرمدی فضا میسر آ جاتی ہے۔

گر تو میدانی کہ ظل کیستی
فارغی گر مردی دگر زیستی
قطرہ نوری سراپا نور باش
از غم سر بسر مسرور باش (رومی)

٥...... کبھی سائنس دان مادہ کے علت اولیٰ اور غیر فانی ہونے کے قائل تھے۔ان کا ادّعا تھا کہ مادہ اولین حقیقت ہے اور غیر فانی ہے۔سب کچھ مادہ سے ہی ہے اور مادہ میں ہی ہے اور مادہ وہ ہے جو محسوس و مشہود ہو۔تول...... ناپ...... اور تجزیہ و تقسیم میں آ سکے۔لیکن اب صورت حال بدل گئی ہے۔اب مادہ تحلیل ہو کر برقی قوت میں منتقل ہو چکا ہے اور برقی قوت زمان و مکاں میں ایک موج شعور کی مظہر بن کر رہ گئی ہے۔اب اولین حقیقت ایک موج شعور یا بہر نور قرار پائی ہے۔سب کچھ اسی شعور و

ا؎ الاعراف، ۷:۱۵۶

Marfat.com

نور کا ظہور ہے۔حیات و کائنات اسی کا پر تو صفات ہے۔یہی اول وآخر اور ظاہر و باطن ہے۔یہی محیطِ کل اور ہمہ رس ہے۔سب کچھ اسی میں ہے اور اس سے ماوراء کچھ بھی نہیں اور یہ سراپا خیر و کمال اور حسن و جمال ہے۔پس کائنات بھی اسی کا مظہر ہونے کی وجہ سے سراپا خیر و کمال ہی ہے۔

o...... شر کا احساس ہماری جز بینی اور غلط اندیشی کی وجہ سے ہے۔جب ہم خود کو خدا سے علیحدہ اور دور سمجھیں...... حالانکہ ایسا نہیں...... کہ ہر سو، اسی کی جلوہ نمائی ہے تو پھر دکھ...... الم...... ناتمامی ......اور نارسی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔عقل جزی کی ناتمامی اور کوتاہ بینی غلط تصورات پیش کرتی ہے...... غلط اندازے لگاتی ہے۔اور ہذیان کے مریض کی طرح وہمی خطرات میں مبتلا ہو جاتی ہے۔یا نیند میں ڈراؤنے خواب دیکھنے کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔اس کا علاج یہ ہے کہ حق کی طرف رجوع کیا جائے۔حق کی جلوہ نمائی کا تصور کیا جائے۔فَاَیْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ [۱] کا مراقبہ کیا جائے۔عقل جزی کو خوابِ غفلت سے بیدار کر کے خود آگاہی اور خود شناسی کی طرف لایا جائے۔تطہیر فکر و نظر کی جائے اور ذات حق کے قرب...... معیت...... احاطت یا اصطلاح وجودیہ میں اس کی عینیت کا شعور پیدا کیا جائے۔اس سے ہر دکھ...... درد...... الم...... مرض...... اور ناتمامی کا مداوا ہو جائے گا۔تکمیل...... تحسین اور تزئین...... نتیجتاً تسکین اور تمکین نصیب ہو گی اور عارف جنت بکنار ہو جائے گا۔

کھولی ہیں ذوقِ دید نے آنکھیں تیری اگر
ہر رہ گذر میں نقشِ کفِ پائے یار دیکھ

ہر چیز کا ایک سبب ہوتا ہے اور ہر معلول کی ایک علت ہوتی ہے۔اگر یہ تمام کائنات...... خالق کامل کی قدرت کا ظہور ہے اور ہر سُو اسی کا نور ہے اور ہر چیز اس

۱ـ البقرہ، ۲: ۱۱۵

سے قائم ہے اور اسی میں قائم ہے۔تو پھر کائنات اور حیات کی بنیاد بے عیب ہے اور نقص سے پاک ہے۔درد والم اور شر و نقص کی وجہ ناخود شناسی ہے۔

انسان ہنوز خود آ گاہی سے محروم ہے۔اس جہالت کی بنا پر اس کی نگاہ دیدِ جمال و کمال سے محروم ہے۔ یہ صرف حواس ظاہری ہی سے کام لیتا ہے اور حواس ظاہری...... عقل جزی کے ترجمان ہیں۔ جو غلط اندیش بھی ہے اور غلط بین بھی۔اگر یہ دیدۂ دل سے دیکھ پائے اور عقل کلی سے فیض یاب ہو جائے تو خواب سراب سے بیدار ہو جائے گا اور اس پر واضح ہو جائے گا کہ خیر و کمال ...... حقیقی ہیں اور شر و زوال ...... وہمی، درد والم ...... نقلی ہیں اور سرور و راحت ...... اصلی ...... پس معرفت ہی مسرت اور راحت کی کلید ہے۔

بخشے ہے جلوۂ گل ذوقِ تماشا غالب
چشم کو چاہئے ہر رنگ میں وا ہونا

منزلِ صبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا ...الخ [1]

اے ایمان والو! صبر کرو۔

صبر کا لفظ عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور مصائب کے وقت صبر کی تلقین بھی کی جاتی ہے۔ کسی کے کردار کی تعریف کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ بھئی فلاں آدمی بڑا صابر ہے۔ جہاں لوگوں کے نزدیک صبر کی صفت بڑی مقبول و محبوب ہے...... وہاں اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی یہ عادت محمود و مطلوب ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ [2] کی بشارت دیکھیے...... وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ [3] کا مژدہ سنئے...... یہ ادا کتنی پسندیدہ ہے کہ خالق کائنات بھی اس کی تعریف کر رہا ہے۔ اکثر اوقات بعض مصطلحات کی کثرت استعمال سے ان کا مفہوم گم ہو جاتا ہے اور سطحیت رہ جاتی ہے۔ صبر سے صحیح استفادہ کرنے اور اپنے کردار میں اسے صحیح طور پر شامل کرنے سے قبل اس کے صحیح مفہوم کو سمجھنا لازم ہے۔

حقیقت صبر

صبر کا اصلی معنیٰ اپنے نفس کو روکنا اور اس پر قابو پانا ہے۔ گویا محرکاتِ روحانیہ کا

۱۔ آل عمران، ۳:۲۰۰ ۲۔ البقرہ، ۲:۱۵۳ ۳۔ آل عمران، ۳:۱۴۶

Marfat.com

محرکاتِ نفسانیہ پر غالب کر دینا صبر کہلاتا ہے۔ صبر کے تین شعبے ہیں۔

۱...... اپنے نفس کو حرام سے روکنا۔

۲...... اطاعات کی پابندی پر مجبور کرنا۔

۳...... مصائب کو خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کرنا۔

صبر کا عام مفہوم تو کچھ یوں ہے کہ بے چارگی اور بے بسی کے عالم میں کسی مشکل کو چُپ چاپ برداشت کر لیا جائے یا یہ کہ اپنی باطنی پریشانی اور دِلی اضطراب کو ظاہر نہ ہونے دیا جائے۔ مثلاً اگر ایک آدمی کسی متاعِ گراں مایہ کے گم ہو جانے یا کسی عزیز خاص کے وفات پا جانے پر جزع وفزع نہ کرے اور ہاؤ ہو نہ کر پائے تو کہا جاتا ہے کہ وہ صابر ہے۔ حالانکہ صبر کا مفہوم اس سے بلند ہے۔ صبر ایک حکیمانہ انتظار ہے...... ایک مدبّرانہ اعتبار ہے۔ یہ ایک مؤمنانہ یقین ہے ...... یہ جذبہ...... خودی کا امین ہے۔ یہ ایک مردانہ خود اعتمادی ہے ...... یہ حق کی قوتوں پر بے پناہ یقین کا اعلان ہے۔ یہ ایک شعوری اور ارادی کیفیت کا اذعان ہے۔ اس میں نہ تو فقدانِ احساس ہے...... جسے مزاج کے اکھڑ پن یا ذہنی ناتمامی سے موسوم کیا جائے اور نہ ہی وہ بے چارگی ہے جسے بزدلی اور قنوطیت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بلکہ یہ تو درد کے پورے احساس کے ساتھ اس کو مردانہ وار برداشت کرنا ہے۔

مصیبت کی پوری ہیبتوں کے باوجود ایک خندہ استغناء کے ساتھ ان کا استقبال کرنا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ ایک حکیمانہ بصیرت بھی ہے جو کہ قدرت کے قانونِ امہال پر یقین سے حاصل ہوتی ہے۔

عملی زندگی میں انسان پر طرح طرح کی مصیبتیں آتی ہیں۔ مؤمن کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عزم بالجزم کے ساتھ مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے مسلسل آگے

Marfat.com

بڑھتا ہے اور خواہشاتِ نفس کے سامنے ہمت نہیں ہارتا۔

؎ مصائب سے الجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے
مجھے ناکامیوں پر اشک برسانا نہیں آتا!

اشاراتِ صبر

ایک کاشت کار اپنے خون پسینے سے زمین کی آبیاری کرنے کے بعد کئی ماہ فصل کے پروان چڑھنے کا منتظر رہتا ہے۔ وہ یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ فصل خود ہی اگ جائے بلکہ وہ قانونِ قدرت سے تعاون کرتے ہوئے محنت کا پھل حاصل کرنے کے لئے پورے اعتماد کے ساتھ...... مناسب وقت کا منتظر رہتا ہے۔ اس دوران میں موسمی خرابیوں اور دیگر حادثات کا احتمال ہوتا ہے...... لیکن یہ احتمالات اس کے عزم وثبات اور اس کی معصوم توقعات کو متاثر نہیں کر پاتے۔ پس محنت کے بعد مناسب مدت میں نتائج کے ظہور پر یقین بھی صبر ہی کا ایک پہلو ہے۔

آپ کے مالی حالات خراب ہو گئے...... آپ کی صحت میں فتور پیدا ہو گیا...... ماحول بظاہر آپ کے خلاف کمر بستہ نظر آنے لگا...... بعض احباب کی طرف سے آپ کو مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ بعض ظاہر قطعی توقعات پوری نہ ہو سکیں۔ ان حالات میں آپ کے طرزِ عمل کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

o...... ایک یہ کہ آپ حالات کی تلخیوں سے بھاگ کھڑے ہوں...... بالکل ہتھیار ڈال دیں...... اپنی شکست کو کلیۃً مان لیں حالات سے نبرد آزما نہ ہوں۔

o...... دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آپ بہر حال ان تمام تلخیوں کو باکراہِ مزاج سہ لیں لیکن غم واندوہ سے زندگی دراصل تلخ ہو کر رہ جائے۔ آپ بے بسی کے عالم میں بے ارادہ طور پر زندگی گزارتے چلے جائیں لیکن آپ کے قویٰ اور عزائم مضمحل

Marfat.com

ہو جائیں۔ آپ کو اچھے وقت کی امید نہ ہو۔ حالات کی ظلمتوں میں آپ کی آنکھیں امید کی شمعوں کو جھلملاتے ہوئے نہ دیکھ سکیں۔ کانٹوں کی کثرت...... پھولوں کی دید کی راہ میں حائل ہو جائے۔ خزاں کی اداسیوں اور بربادیوں کو آپ سہ تو جائیں لیکن بہار کی شادابیوں اور آبادیوں کی راہ نہ دیکھیں۔

٥...... ایک تیسری صورت حال بھی ممکن ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ خزاں کی اداسیوں کو حکیمانہ بصیرت سے دیکھتے ہوئے بہار کی رعنایوں کا انتظار کرتے چلے جائیں۔ پھولوں کی راہ میں جو کانٹے حائل ہوں ان کو عزم و ثبات کے ساتھ چنتے بھی جائیں اور بڑھتے بھی جائیں اور جب نوکِ خار کی جراحتیں آپ کو زخمی کریں تو آپ اسے گل چینی کی شرطِ لازم سمجھتے ہوئے مسکراتے جائیں۔ اور شب دیجور کی ظلمتوں کے باوجود طلوع سحر کے انتظار میں ہنس کھیل کر ظلمتوں سے نباہ کرتے جائیں تو اس افتادِ مزاج اور طرزِ کردار کو ہم صبر کے نام سے موسوم کریں گے۔ اور یہی وہ مردانہ صفت ہے جس پر ارتقائے کائنات کا مدار ہے۔

صبر کا ایک مفہوم یہ ہے کہ جو چیز انسان کے قبضہ واختیار سے نکل جائے اس کا غم نہ کرے اور جو قبضہ وقدرت میں آ جائے اس پر خوشی نہ کرے۔

صبر کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ امکان بھر محنت کے نتائج کا مؤمنانہ یقین کے ساتھ انتظار کیا جائے۔ بعض بے سمجھ انسان ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی کوشش کرتے ہیں وہ قدرت کے قوانین کو اپنی امنگوں کا ہمنوا بنانا چاہتے ہیں لیکن یہاں عالم ناسوت میں قدرت کا اٹل ضابطۂ قوانین کارفرما ہے۔ بیج سے لے کر ثمر تک...... اور آہ سے لے کر اثر تک...... ایک معین قانونِ تربیت کارفرما ہوتا ہے۔ وہ اپنی مقررہ رفتار سے چلتا ہے...... اپنی رفتار کو بدلنا اس کے مزاج کے خلاف ہے۔ جو لوگ نتائج کے معاملہ

Marfat.com

میں عجلت سے کام لیتے ہیں وہ بے وقوف ہوتے ہیں۔ایک دہقان بیج بونے کے بعد ایک معین عرصہ تک صبر وثبات سے آبیاری کرتا چلا جاتا ہے۔وہ جانتا ہے کہ ایک خاص موسم میں ہی جاکر بیج پودے کے رنگ میں نمودار ہوگا اور پھر ایک خاص وقت کے بعد ہی شگوفہ ثمر کا روپ دھارے گا...... نتائج کے متعلق یہ حکیمانہ بصیرت بھی صبر کا ہی ایک پہلو ہے۔

اس کے علاوہ قناعت...... شجاعت...... امانت...... حلم وتحمل ......اور عفوو ایثار بھی صبر کے ہی مختلف پہلو ہیں۔جو مختلف مواقع کے اعتبار سے مختلف ناموں سے موسوم کیے جاتے ہیں۔

اس کائنات میں زندگی گزارنے کیلئے قدم قدم پر صبر کا دامن تھامنا ہوگا...... دانا کہتے ہیں کہ صبر خود تلخ ہے لیکن اس کا ثمر بہت میٹھا ہوتا ہے۔پھر یہ بھی دیکھئے کہ ایک اعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے آپ کو ہزارہا چھوٹی چھوٹی خواہشات کو قربان کرنا پڑے گا۔کئی قسم کے آرام ہیں جن کو خیر باد کہنا پڑتا ہے...... تب کہیں جاکر لیلائے کامرانی کا جلوہ نظر آتا ہے...... بڑے مقصد کے لئے چھوٹی خواہشات کی قربانی بھی صبر ہی کا شیوہ ہے۔

توضیحاتِ صبر

صبر والوں سے قدرت بھی بھرپور تعاون کرتی ہے بلکہ تائید ایزدی کے بغیر صبر کرنا بھی محال ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ [1]

صبر کیجئے، اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر تم صبر بھی نہیں کر سکتے۔

---

[1] النحل، ۱۶: ۱۲۷

Marfat.com

صبر والوں کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰابِرِیْنَ...... بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

o...... صبر جمیل یہ ہے کہ مصیبت کے وقت قوم کے درمیان کسی کو پتہ ہی نہ چلے کہ کون مصیبت میں مبتلا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِیْلًا [1] کا یہی مفہوم ہے۔

o...... رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ایمان صبر وتحمل کا نام ہے۔

o...... حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اگر صبر وشکر دو اونٹ ہوتے تو مجھے قطعاً اس بات کی پروا نہ ہوتی کہ میں ان میں سے کس پر سوار ہوں۔

o...... حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

صبر ایسی سواری ہے جو کبھی ٹھوکر نہیں کھاتی۔

o...... حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اللہ کے احکام کی مخالفت سے دور رہنے کا اور مصائب کے گھونٹ پینے پر سکون واطمینان اور زندگی کے میدان میں باوجود محتاجی کے اپنے آپ کو مالدار ظاہر کرنے کا نام صبر ہے۔

o...... حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے صبر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

ناک بھوں چڑھائے بغیر کڑوی چیز کا گھونٹ پی جانا ہی صبر ہے۔

---

[1] المعارج، ۷۰:۵

Marfat.com

o...... حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

کتاب وسنت کے احکام پر ثابت قدم رہنا صبر ہے۔

o...... حضرت ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

صبر کی تعریف یہ ہے کہ تو تقدیر پر اعتراض نہ کرے اور اپنی مصیبت کا اظہار اس طریقہ پر کرے کہ اس میں شکایت کا پہلو نہ پایا جاتا ہو۔

o...... محمد بن عبداللہ بن شاذان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

صبر یہ ہے کہ بندہ کے لئے راحت و مصیبت کی حالتیں دونوں یکساں ہوں اور دونوں حالتوں میں سکونِ قلب حاصل ہو۔

صبر کی دو قسمیں

صبر کی قسمیں بتائی گئی ہیں ......ایک صبر عابدین اور دوسرے صبر عاشقین ...... صبرِ عابدین دائمی صبر کو کہتے ہیں......اور صبرِ عاشقین ترک صبر کا نام ہے۔

ہمارا مشورہ

پس آپ بھی صبر کو شیوہ بنائیے۔ جب حالات ناساز گار ہوں...... جب مسلسل جدوجہد سے آپ بالکل شل ہو چکے ہوں ...... جب کوششیں نتیجہ خیز ثابت نہ ہوں تو اس وقت صبر کے مقوی نسخہ کو استعمال کیجئے ......تقدیر کے ہر فیصلے کو خوش دلی سے قبول کیجئے ......زندگی کی تلخیوں کے باوجود صبر ورضا کی حلاوت کے مزے لیجئے اور زندگی کے کھیل کو فتح وشکست سمیت اچھے کھلاڑی کی طرح مردانہ وار کھیلئے۔ فتح کی مسرتوں میں دوسروں کو بھی شریک کیجئے اور شکست کی تلخیوں پر خود ہی مسکرا کر اسے گوارا بنا لیجئے۔

Marfat.com

فلسفہ ٔ دُعا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ ا؎

قرآنِ حکیم میں خداوند کریم ہمیں دعا مانگنے کی دعوت دیتا ہے...... وہ چاہتا ہے کہ انسان مانگتا رہے اور میں دیتا رہوں۔

دعا کیا ہے؟

دعا بے چاروں کا چارا اور بے سہاروں کا سہارا ہے...... یہ دل کے زخموں کا مرہم اور بے چینیوں کا مداوا ہے۔ اس پر قیمت نہیں لگتی لیکن ہر مصیبت میں کام آتی ہے۔ آپ اسے برتیں نہ برتیں...... لیکن یہ ہر وقت آپ کے ساتھ ہے اور آپ کی اخلاقی امداد کو تیار رہے۔ وہ کتنا نادان ہے جو اپنی جیب میں درِ شہوار رکھتے ہوئے بھی اپنے افلاس کا شاکی ہو۔ نادانی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے...... دعا کی بے پناہ قوت جس کے پاس ہو وہ پریشان کیوں رہے۔ جو خالق سے رابطہ قائم کر سکتا ہو وہ مخلوق سے کیوں ڈرے۔ جو اپنی فریاد رب العالمین کے سامنے پیش کر سکتا ہو...... وہ عالمین سے کیوں گھبرائے۔ رحیم اور قدیر خالق جس کی فریاد رسی کرے...... وہ اپنی بے بسی کا کیوں قائل ہو۔ افسوس ہے اس پر جس کے گھر میں خزانے دبے ہوں اور وہ بھیک

ا؎ پ ۲۴ ع ۱۱

Marfat.com

مانگتا پھرے۔ جس کے دل کے تاروں میں نغمے بھرے پڑے ہوں...... وہ غیر سے ساز شکستہ مستعار لیتا پھرے۔ جو سمندر بکنار ہو...... وہ پانی کے گھونٹ کو ترستا پھرے۔ یہ میں نے جو کچھ کہا ہے کچھ مبالغہ نہیں...... صرف شاعری یا قلم کی جولانی ہی نہیں بلکہ ایک امر واقعی ہے...... ایک آزمودہ حقیقت ہے۔ اس کے پیچھے انبیاء اور اولیاء کی تائید اور حکماء اور علماء کی تحقیق شامل ہے۔ مذہب والے دعا کی قوتوں پر یقین رکھتے ہیں اور نفسیات والے تجرباتی طور پر اس حقیقت کی تائید کرتے ہیں۔ عشرت کی خود فریبیاں اور حکمت کی دانائیاں...... جب کارفرمائی سے رہ جاتی ہیں تو دعا کی مسیحائیاں ہی کام آتی ہیں۔ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ [۱]

- دعا...... قلب کی دمساز بھی ہے اور ہمراز بھی
- دعا...... شکستہ دلوں کا سوز بھی ہے اور ساز بھی
- دعا...... اپنے خالق اور مالک کے سامنے ایک دکھے ہوئے دل کی پکار بھی ہے اور بے یار و مددگار کا ہتھیار بھی۔
- یہ...... ایک مسیحا کے سامنے مریضِ ناتواں کا عرض حال بھی ہے اور مریض عشق کی آرزوئے جمال بھی۔
- یہ...... ایک اظہار دردِ دل بھی ہے اور قرار جانِ بسمل بھی
- یہ...... دوائے دردِ ہجراں بھی ہے اور لقائے روئے جاناں بھی

دعا نفسیاتی علاج ہے

آپ اپنے دل کا جائزہ لیجئے اور اپنی کتاب زندگی کے اوراق الٹ کر دیکھئے اور یاد کیجئے کہ جب کبھی بھی حالاتِ زمانہ کی تلخیوں نے آپ کو پریشان کیا...... جب

۱۔ النمل، ۲۷: ۶۲

بھی ماحول کی ناسازگاریوں سے آپ گھبرائے۔ کسی مونس دیرینہ یا غمگسار کے ایک ہمدردانہ فقرے نے آپ کو کتنا سہارا دیا۔ اس عالم یا اس میں کسی دوست کے محبت بھرے ہاتھ کے لمس نے آپ کو کس طرح تھام لیا۔ کسی مخلص دوست کی ہمت افزائی نے کس طرح مسیحائی کی اور کسی غمگسار کو داستان دل سنا کر...... کس طرح آپ نے اپنے دل کو ہلکا محسوس کیا۔ یقیناً کوئی نہ کوئی واقعہ تو آپ پر بھی ایسا گزرا ہوگا۔ اس لئے یہ آپ کا ذاتی تجربہ بھی ہوگا اور ایک نفسیاتی حقیقت بھی۔

ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ اظہارِ غم سے غم بہت کچھ ہلکا ہوتا ہے۔ اپنے جذباتی ہیجان کو کسی خارجی دباؤ سے تکلفاً دبا دینے سے سینکڑوں نفسیاتی عوارض پیدا ہوتے ہیں۔ جذباتی الجھنیں اسی دباؤ سے پیدا ہوتی ہیں اور الجھنیں...... اظہار جذبات سے سلجھ بھی جاتی ہیں۔ چنانچہ پرانے جذباتی تجربات کو جب پھر سطح شعور پر لاکر اظہار کا موقعہ دیا جاتا ہے تو مرض کا ازالہ ہوجاتا ہے۔ دعا میں یہ نفسیاتی علاج موجود ہے۔ آپ جو بھی جذباتی یا ذہنی کیفیت کسی عزیز سے عزیز انسان کے سامنے ظاہر کرتے ہوئے بھی شرماتے ہیں وہ اپنے خالق کے سامنے بے تکلف و بے حجاب بیان کرسکتے ہیں۔ اس سے آپ کو افشائے راز کا ڈر نہیں رہتا اور نہ ہی آپ کی خودداری کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ پس اپنی ہر تکلیف کا بلا تاخیر اور بلا تکلف...... اپنے خالق کے سامنے وضاحت سے بیان کیجئے۔ یہ دعا کا پہلا جزو ہے۔ آپ کو دعا کے لئے کسی اہتمام کی ضرورت نہیں۔ اس نسخۂ اکسیر سے ہر وقت فائدہ اٹھایئے۔ آپ کی ساٹھ فی صد پریشانیاں تو اظہار کے ساتھ ہی جاتی رہیں گی۔ لوگ کہا کرتے ہیں کہ بھئی میں نے جب اپنی مشکل بیان کر دی تو میرے دل کا بوجھ اتر گیا...... یا میرے دل کا بخار کم ہوگیا۔ ان فقروں میں بڑی جان ہے۔ یہ ایک مسلمہ نفسیاتی اصول ہے کہ اظہار سے دل کا بوجھ کم ہوتا ہے اور واقعی باطنی بخار کو جب نکاس کا موقعہ ملتا ہے تو اس کی شدت کم

Marfat.com

ہو جاتی ہے۔

شعوری تجزیہ

دعا کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ایک قوی غمگسار کی حمایت وسرپرستی پر یقین ہوتا ہے۔ دعا کرنے والا اپنے خالق کو علیم وخبیر جان کر دعا کرتا ہے۔ پھر اسے یہ بھی یقین ہوتا ہے کہ وہ میری مشکلات کے حل کرنے اور میرے درد کو دور کرنے پر قادر ہے اور دعا کرنے والا یہ بھی مان کر ہی دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحیم وکریم بھی ہے۔ وہ اپنے ماننے والوں پر خاص طور پر رحیم ہے۔ وہ دعائیں سنتا ہے...... وہ دردمندوں کی فریاد پر توجہ دیتا ہے۔ وہ غم زدوں کے دل کی دھڑکنوں کی زبان جانتا ہے۔ وہ ہر مخلوق کے دکھ اور درد کو محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ وہ رب ہے...... رحیم ہے...... کریم ہے...... رحمن ہے۔ یہ سب صفات اسی بات کی مقتضی ہیں کہ اس کے عواطف رحم وکرم بے پناہ ہوں...... اس کی محبت وشفقت ہمہ گیر ہو...... اس کا دست کرم ہر دامنِ طلب کو محیط ہو۔

اگر ان صفات پر پورا پورا یقین رکھتے ہوئے...... کامل توجہ اور عجز ونیاز کے ساتھ دعا کی جائے اور دعا...... زبان سے نکلے ہوئے چند سطحی الفاظ ہی پر مشتمل نہ ہو بلکہ اس میں دلی طلب کا عنصر غالب ہو تو دعا تیر بہدف ہوتی ہے۔ یہ تدبیر اور تقدیر کو بھی بدل کر رکھ دیتی ہے۔ اجابت وپذیرائی ایسی دعا کے استقبال کو آتی ہے اور اس کی فوری قبولیت اور افادیت یہ ہے کہ دعا مانگتے ہی مانگنے والے کو ایک قلبی سکون حاصل ہوتا ہے۔ غم اور مایوسی کے اندھیروں میں اطمینان اور امید کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلنے لگتی ہے۔ بجھے ہوئے دل میں پھر سے امیدوں کی چنگاریاں سلگنے لگتی ہیں۔ دل ودماغ خود اعتمادی سی محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اس داخلی انقلاب کے ساتھ ہی خارجی تبدیلی

Marfat.com

شروع ہو جاتی ہے۔ ماحول میں سازگاری کے آثار پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ بے گانوں سے یگانگت کی بُو آنے لگتی ہے۔ مخالف...... معاونانہ ادائیں دکھانے لگتے ہیں۔ آپ کہیں گے کہ بھئی یہ تو خود فریبی سی معلوم ہوتی ہے، مبالغہ ہی مبالغہ ہے۔ دعا کیا ہوئی...... جادو کا کھیل ہو گیا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ جادو کے کھیل سے بھی بہت ہی زیادہ مؤثر، زود اثر اور تیر بے خطا ہے۔ یہ قطعی نسخۂ شفا ہے۔ اس بے بہا نسخہ کو اپنائیے اور عزم و یقین کے ساتھ مناسب وقتوں پر آزمائیے۔ لیکن یاد رہے اس سے استفادہ کی شرط یہ ہے کہ اپنے خالق پر پورا پورا بھروسا ہو۔ اس کی ہمہ دانی...... ہمہ توانی اور عالمگیر محبت پر پورا یقین ہو...... پھر دیکھیے! دعا لبوں پر آتے ہی اجابت آپ کا دامن تھامتی ہے یا نہیں؟

اجابتِ دعا کی صورتیں

لیکن ایک بات یاد رکھیے۔ اجابت اسی کا نام نہیں کہ آپ جو کچھ جس طرح مانگیں وہ من وعن اسی طرح مل جائے۔ یہ خالق کائنات کی حکمت بالغہ کے خلاف ہے کہ آپ کی عقل نا تمام کی پیروی کرے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ جو کچھ مانگ رہے ہوں یا جن نتائج کی طلب کر رہے ہوں وہ انجام کار آپ کی موجودہ صورت حال سے بھی زیادہ مضر ہوں۔ آپ کی عقل نا تمام سراب کو آب سمجھ رہی ہو اور زہر کو تریاق سمجھ کر اسی کا مطالبہ کر رہی ہو۔ ان حالات میں دعا کی پذیرائی یہ ہے کہ نتائج آپ کے مفید طلب ہوں۔ آپ کے لئے حقیقتاً فائدہ مند ہوں۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔ آپ کے زاویہ نگاہ کو درست کر دینا کہ وہ مضر اور مفید میں امتیاز کر سکے اور غلط فہمی کے چکر سے نکل جائے۔ یہ بھی اجابتِ دعا ہی ہے۔ پھر یہ کہ آپ کا عزم بڑھ جائے اور آپ کی فکر درست ہو جائے تاکہ موجودہ پریشان کن صورت حال کی تلخیاں کم ہو جائیں اور بظاہر

Marfat.com

ناقابل برداشت حادثہ...... حکیمانہ تجزیہ کی زد میں آکر اپنی ہولناکی کھودے...... یہ بھی اجابت دعا ہی ہے۔ یا متوقع نتیجہ کے برخلاف کوئی اور ایسی صورت حال پیدا ہوجائے جو اپنی دوررس حکمتوں میں متوقع نتیجہ سے بہتر نتائج پر مبنی ہو، یہ بھی اجابت دعا ہی ہے۔ الغرض دعا ضرور اثر دکھاتی ہے...... دعا میں صَرف کی ہوئی محنت ضرور رنگ لاتی ہے۔ دعا کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ یہ صدیوں کا مجرّب اور کروڑہا انسانوں کا آزمودہ نسخہ ہے۔ حکمتِ جدید وقدیم اس کی تعریف میں رطب اللسان ہے اور تجربہ اس کی قطعی تائید کرتا ہے۔ پس آپ بھی اس کو آزمایئے اور فائدہ اٹھایئے۔

دعا کے اثرات

ایک ہی صورت حال کی موجودگی میں مختلف افراد کا ردِّعمل مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً بستی میں خبر اُڑی کہ ایک باؤلا کتا گلیوں میں گھوم رہا ہے۔ اس خبر کو سُن کر ایک آدمی اپنے گھر کی زنجیر اندر سے بند کرلیتا ہے اور فوراً اپنے بچوں کو اپنے پاس محفوظ کرلیتا ہے۔ دوسرا آدمی اپنے ہمسایہ کو بھی مطلع کردیتا ہے تاکہ وہ بھی اپنے گھر کی اور اہل و عیال کی مناسب حفاظت کرسکے...... تیسرا آدمی اپنے دروازے کے سامنے بندوق لے کر بیٹھ جاتا ہے کہ اگر کتا اس طرف سے گزرے تو وہ اسے ہلاک کرسکے۔ چوتھا آدمی بندوق لے کر کتے کی تلاش میں نکل پڑتا ہے تاکہ وہ جہاں بھی ملے اسے ہلاک کردے۔ اب دیکھئے ایک ہی واقعہ کے متعلق حسبِ مزاج...... مختلف انسانوں کا طرزِ عمل مختلف ہوتا ہے۔ ماحول کا تاثر مختلف مزاجوں پر مختلف اثر ڈالتا ہے۔ کوئی آدمی مصیبت پر رودیتا ہے۔ دوسرا عالم اضطراب میں دیوانہ وار بھاگ دوڑ کرتا ہے...... تیسرا صرف کندھے جھٹک کر مسکرادیتا ہے...... چوتھا خوف کے ساتھ اس واقعہ کو فوراً بدل دینا چاہتا ہے اور اس میں وہ بعض اوقات غیر قانونی ذرائع کے استعمال

Marfat.com

سے بھی نہیں چوکتا۔ پانچواں حکیمانہ تجزیہ کر کے مناسب طریقہ پر حل کر لیتا ہے۔

پس مزاج ہی ماحول کا اثر قبول کرتا ہے اور مختلف مزاجوں پر ماحول کا اثر بھی مختلف ہوتا ہے۔ اس لئے اگر داخلی طور پر مزاج میں تبدیلی آ جائے تو ماحول بھی اپنے اثرات کے لحاظ سے بدل جاتا ہے۔ اب دو صورتیں موجود ہیں یا ماحول کو بدلیے...... یا مزاج کو...... اکثر اوقات ماحول کو بدلنا انسان کے بس میں نہیں ہوتا۔ لیکن مزاج کو تو بدلا جاسکتا ہے اور دعا کا کام مزاج کو بدلنا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر یقین...... اس کی عالمگیر محبت وشفقت پر اعتماد اور اس کی ہمہ گیر قوت پر بھروسے سے مزاج میں فوری طور پر ایک صحت مندانہ تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ انسان میں خود اعتمادی...... امید...... یقین...... اور ان کے نتائج کے طور پر سکون واطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔ اس تبدیلی کے ساتھ ہی ماحول بدل جاتا ہے۔ تلخیاں کم ہو جاتی ہیں اور تاریکی کے بادل چھٹنے لگتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اکثر اوقات اجابتِ دعا کی برکت سے ماحول میں مادی تبدیلی بھی ہو جاتی ہے۔ پس مشکلات کی برداشت اور حل کے لئے دعا سے بہتر اور کوئی نسخہ اکسیر موجود نہیں۔ جو اس کو استعمال کر سکتا ہے، وہ زندگی کی بیشتر الجھنوں کو سلجھا سکتا ہے۔

مقبول دعائیں

قرآن حکیم میں انبیاء کرام علیہم السلام کی دعاؤں کا تذکرہ موجود ہے۔ ان کی دعاؤں نے مزاج بھی بدلے اور ماحول کو بھی بدل کر رکھ دیا اور ایسا انقلاب بپا کیا کہ جس کی یادیں قیامت تک رہیں گی۔ قرآنی دعائیں یاد کیجئے...... کہ ان میں نہ افراط ہے نہ تفریط...... ان کے جملے کیف آور بھی ہیں اور ایمان افروز بھی...... ان کے کلمے روح پرور بھی ہیں اور باطل سوز بھی۔ یہ دعائیں مختصر بھی ہیں اور جامع بھی...... ان میں اعجازی شان بھی ہے اور قبولیت کا فیضان بھی۔

Marfat.com

کتب احادیث میں حضور سرکار ابد قرار علیہ التحیۃ والثناء کی دعاؤں کا بے بہا ذخیرہ موجود ہے جو فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بے نظیر بھی ہیں اور استجابت و قبولیت کے اعتبار سے پر تاثیر بھی۔ قرآن و حدیث کی یہ دعائیں مسنون بھی ہیں اور معمول بھی...... ماذون بھی ہیں اور مقبول بھی۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ا؎

ا؎ البقرہ، ۲:۲۰۱

Marfat.com

ذکر سے اطمینان ملتا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ ۱؎

اطمینان کیا ہے؟

زندگی کی جدوجہد اور ہماہمی کے پیچھے دو ہی جذبات کارفرما ہیں اور وہ ہیں دفعِ مضرت اور جلبِ منفعت ...... انسان دکھ کو ہٹانا چاہتا ہے اور سکھ کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ان واقعاتی معاملات کی نفسیاتی تعبیر یوں ہوگی کہ انسان غم واندوہ سے بچنا چاہتا ہے اور مسرت کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ لیکن مسرت کی کیفیت میں کمی بیشی کا امکان ہوتا ہے کبھی تو صرف اتنی سی مسرت ہی نصیب ہوتی ہے جو مزاج کے تقاضے کے مطابق نہیں ہوتی۔ اس سے دل کی تسلی نہیں ہوتی۔ مزاج میں تشنگی اور ناتمامی کا احساس باقی رہ جاتا ہے۔ اور کبھی اتنی زیادہ مسرت حاصل ہوجاتی ہے کہ وہ کچھ فالتو اور گراں ہی معلوم ہونے لگتی ہے۔ نعمت کی غیر معمولی کثرت سے بھی اس کی لذت میں کمی آجاتی ہے۔ پس جب مسرت بھی حد اعتدال سے بڑھ جائے تو اپنی صحیح لذت کو کھودیتی ہے۔ سچی مسرت ہم اسی کو کہہ سکتے ہیں جو افراط وتفریط سے خالی ہو اور پورے مقامِ اعتدال پر فائز ہو۔ جس کے حصول سے نہ تشنگی رہ جائے اور نہ ہی گرانی کا احساس ہو...... پس

۱؎ الرعد، ۱۳:۲۸

Marfat.com

مسرت جب اس کیفیت اعتدال کی حامل ہو اور وہ مزاج کا ایک طبعی سا تقاضا بن جائے تو اسے اطمینان کہتے ہیں۔

جبلت کے ہر ایک تقاضے کی تسکین سے عارضی مسرت حاصل ہوتی ہے اور اگر یہ لذت اور مسرت نہ ملے تو انسان اپنے طبی تقاضوں کی تسکین سے بھی بے پروا ہو جائے، جس سے نوع انسانی کو حیاتیاتی نقطہ نگاہ سے شدید نقصان پہنچ جائے۔ لیکن قدرت نے طبعی وظائف کی ادائیگی کے ساتھ ایسی لذت اور مسرت...... وابستہ کر رکھی ہے کہ ہر انسان اس تقاضا کی تسکین پر مجبور ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات تو یہ تقاضا اتنا شدید ہوتا ہے کہ عقل وخرد کی سب دُور اندیشیاں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں اور انسان جذبات وخواہشات کے تند دھارے کے سامنے تنکے کی طرح بہ جاتا ہے۔

لیکن جب طبعی خواہشات اور جبلی تقاضے کسی بلند نصب العین کی محبت کی زیر سایہ آجاتے ہیں تو ان میں ایک اعتدال وتوازن کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ نصبُ العین کی محبت کا جذبہ بے لگام جبلی جذبات کو قابو میں رکھتا ہے اور تمام داخلی اور خارجی قوتوں کو حصول مقصد اور تکمیل مدعا کے لئے مائلِ عمل کر دیتا ہے۔ جذبات کی اس ہم آہنگی اور ترتیب سے ایک تسکینِ داخلی پیدا ہو جاتی ہے جو نہ صرف حاملِ مسرت ہی ہوتی ہے، بلکہ اس میں بے پناہ قوت بھی ہوتی ہے، محبت سے قوی عاطفہ ہے، اس سے ممکنات انسانی میں بے پناہ ارتقاء پیدا ہوتا ہے۔ انسان کی قوتیں غیر معمولی طور پر بڑھ جاتی ہیں محبت کے جذباتی اثر کے ماتحت انسان سے جو غیر معمولی اعمال سرزد ہوتے ہیں۔ ان کی عقلی توجیہہ ہو ہی نہیں سکتی۔ پس سچے نصب العین کی محبت (جو حقیقتاً خدا کی محبت ہے) سے ہی جذباتی قوت اور روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے جو اطمینان قلبی کا باعث بنتی ہے۔

Marfat.com

قوتِ ذکر

ذکر کی عام ظاہری صورت تو یہ ہے کہ مسلسل اللہ تعالیٰ کے نام کا ورد کیا جائے۔ جس چیز کا آپ تکرار کریں گے اور جس شے کے تصور کو مسلسل ذہن میں قائم کریں گے۔آپ اس چیز کے معنوی اثرات سے ضرور متاثر ہوں گے۔ پھول کا تصور مسلسل کیجئے اور اس تسلسل کو طویل کرتے جایئے......تو آپ اپنے آپ کو رنگ و بو کی آغوش میں پائیں گے۔ مسرت کے لفظ کی تکرار سے ہی آپ مسرور ہو جائیں گے۔ کسی دشمن کو یاد کیجئے ،فوراً ہی نفرت وحسد کے معاندانہ جذبات پیدا ہونے لگیں گے۔ حضرت جامی نے کیا خوب کہا ہے۔

؎ گر در دل تو گل گذرد گل باشی
در بلبل بیقرار بلبل باشی
تو جزوی و حق کل است اگر روزے چند
اندیشۂ کل پیشہ کنی کل باشی

الفاظ علاماتی تصاویر ہوتے ہیں۔ ہر لفظ سے کچھ تصورات وابستہ ہوتے ہیں جن کا وہ ترجمان ہوتا ہے اور یہ بھی یاد رکھیے آپ کا ذہن ایک سیکنڈ کے لئے بھی فارغ نہیں رہتا...... یہ کسی نہ کسی سوچ میں مصروف رہتا ہے۔ خیالات ہوتے ہیں کہ سینما کی فلم کی طرح اس میں آتے جاتے ہیں۔ ہندو یوگ والوں نے ذہن انسانی کی اس عادت کو بندر سے تشبیہ دی ہے۔ بندر ایک ثانیہ کے لئے بھی نچلا نہیں بیٹھ سکتا اور انسانی ذہن بھی ایک ساعت کے لئے......خیالات کے آمد وشد سے فارغ نہیں رہ سکتا۔ اور جس طرح ایک بندر کی حرکات میں ربط اور مقصد نہیں ہوتا اسی طرح خیالات بھی غیر مربوط اور بے مقصد ہی ہوتے ہیں۔ کبھی آپ اپنی ذہنی حالت کا غیر جانبدرانہ جائزہ

Marfat.com

لیں تو یہ حقیقت آپ پر واضح ہوجائے گی غالب نے کہا

ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

مندرجہ بالا عادت...... ذہن انسانی کی ایک طبعی لیکن تخریبی عادت ہے۔ لیکن جب قوت ارادہ سے اس بے ربطی میں ربط پیدا کرلیا جائے اور بے مقصد خیالات کو کسی مقصدِ واحد کے ماتحت ترتیب دے لیا جائے تو وہ ایک بہت بڑی قوت بن جاتے ہیں۔ اور قوت خیال کے اسی مقصدی تسلسل کو ذکر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ذکر کا فائدہ آخرت میں تو یقینی ہے مگر دنیا میں بھی ذکر سے انسان میں طہارت وقوت کا سیل رواں موجزن ہوجاتا ہے اور اس کے دل پر معارف عجیبہ اور علوم غریبہ وارد ہونے لگتے ہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں:

بینی اندر دل علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و اُو ستا

اسی ذکر کی قوتیں بندے کو چشم زدن میں فرش سے عرش تک اور مکان سے لامکان تک لے جاتی ہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں:

صورتش بر خاک و جاں در لا مکاں
لا مکانے فوق وہم سالکاں

ذکر یادِ جمال اور تصورِ کمال کا نام ہے۔ جس طرح مسافر کیلئے تصور منزل...... لازم ہے۔ اسی طرح مؤمن کے لئے بھی تصور ذات ضروری ہے۔ کشش منزل نہ ہوتو سفر کیسے کٹے اور تصور منزلِ حیات نہ ہوتو یہ سفرِ طویل کیسے مختصر ہو۔ سفر کی زحمتیں تصور منزل سے ہی گوارا ہوتی ہیں اور زندگی کی صعوبتیں بھی یاد خدا سے ہی قابل برداشت ہوتی ہیں۔ جب منزل قریب ہوتو آبلے نوک خار پر مسکراتے ہیں اور جب محبوب بھی

Marfat.com

قریب ہوتو عاشق ...... موت تک کا مذاق اڑاتے ہیں۔ لیلائے کامیابی کی کشش ...... تھکے ہاروں کو اکساتی ہے اور یادِ خدا بھی بے چاروں کی چارہ ساز بن کر آتی ہے۔ صبح کی یاد میں شب دیجور بھی کٹ ہی جاتی ہے اور یادِ خدا میں ہر زحمت مٹ جاتی ہے۔ اسی لئے فرمایا: وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ [ا]

محبوب چیز کی یاد سے اور اس کے نام سے محب کا دل کبھی نہیں بھرتا۔ بلکہ یاد سے کچھ طلب اور بڑھ جاتی ہے۔ مولانا روم نے مجنوں کا قصہ لکھا ہے کہ وہ اپنی دُھن کا پکا ...... صحرا میں بیٹھا ہوا ...... زمین کو صفحہ قرطاس بنا کر انگلی کے قلم سے کچھ لکھ رہا تھا ...... کوئی فرزانہ قریب سے گذرا اور اس نے دیوانے سے پوچھا کہ یہ نامہ کس کو لکھ رہے ہو، یہ مکتوب تو کہیں پہنچ نہیں سکتا، ابھی ہوا کا جھونکا چلے گا اور یہ سب تحریر مٹ جائے گی۔ اس نے کہا تحریر تو بہانہ ہے مقصود تو یادِ یار سے دل کو بہلانا ہے۔

دید مجنون را کسے صحرا نورد
در بیابان جنوں بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود و انگشتاں قلم
می نویسد نامہ بہر کس رقم
گفت اے مجنوں شیدا چیست ایں
می نویسی نامہ بہر کیست ایں
گفت مشق نام لیلیٰ می کنم
خاطر خود را تسلی می دہم

ذکر کی مشق سے محبت ...... پروان چڑھتی، بڑھتی اور ابھرتی ہے۔ یہاں تک کہ محویت واستغراق کی منزل آجاتی ہے اور بندہ فنا وبقا کی لذتوں سے آشنا ہوجاتا

ا۔ العنکبوت، ۲۹:۴۵

ہے اور اسی مقام پر شہید خنجر تسلیم کہلاتا ہے اور ہر سانس میں کئی بار مرتا ہے۔
مولانا جامی فرماتے ہیں:

ہر کس بہ میرد یک بار
بے چارہ جامی بار ہا

اسی کیفیت کو مُوْتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوا ا؎ کا نام دیتے ہیں۔ کسی عاشق نے کیا خوب کہا ہے

دمے صد بار در یاد تو میرم
باایں بے طاقتی نام تو گیرم

یعنی ایک دم میں تیری یاد میں سو مرتبہ مرتا ہوں اور میں بے طاقتی کے باوجود بھی تیرا ذکر ہی کرتا رہتا ہوں۔

قربِ محبوب کا تصور

یار کے نام کی مدد سے بھی تسلی خاطر ضرور ہوتی ہے۔ لیکن ذکر کا ایک اور مفہوم اس سے بھی بلند تر ہے اور وہ ہے قربِ محبوب کا تصور۔ بچہ خائف ہو، اندھیرا گھپ ہو، لیکن اچانک اسے پتہ چل جائے کہ باپ ساتھ ہی ہے تو سب خوف جاتا رہتا ہے اور معیت وقرب کے اس تصور سے ہی سکون نصیب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب انسان کو ذکر وتصور سے اس بات کا یقین واثق ہو جائے کہ رب، قریب ہے، رگ جاں سے بھی قریب ہے اور یہ قرب ومعیت دائمی ہے۔ ایک ساعت کے لئے بھی اس میں فرق

ا؎ الفوائد الموضوعة فی الاحادیث الموضوعة رقم الحدیث ۱۷۸ (حدیث مرفوع)، قال ابن حجر غیر ثابت. قال القاری ھو من کلام الصوفة کشف الخفاص: ۳۸۴، جلد ۲، تحفة الاحوذی شرح سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۲۵۵، صفحه ۱۱۸، جلد ۶، میں کپوری ابو العلا ۱۳۵۳ھ

Marfat.com

نہیں آتا اور جو قریب ہے وہ حافظ ہے...... ناصر ہے...... رحیم ہے...... کریم ہے...... قدیر ہے......اور خبیر ہے تو پھر لامحالہ اس یقین سے وہ اطمینان نصیب ہوتا ہے جو معرفت کا ثمر ہے۔ وہ لذت نصیب ہوتی ہے جو ایمان کا نتیجہ ہے۔ اس وسیع کائنات میں انسان جب اپنے آپ کو اکیلا محسوس کرتا ہے اور جب حوادثاتِ حیات کی کثرت ہوتی ہے تو وہ گھبرا جاتا ہے۔ کش مکش حیات کی تلخیاں...... اسے پریشان کر دیتی ہیں۔ تنازع للبقا کے چکر میں پھنس کر اس کی ہمتیں جواب دینے لگتی ہیں کہ اچانک قریب ہی سے آواز آتی ہے، گھبراؤ نہیں میں ساتھ ہوں! میری رحمتیں محیطِ کائنات ہیں۔ اس عالم کی تخلیق بالحق ہے اس لئے یہ سراپا خیر ہے۔ سعی و عمل کی تلخیاں سزا کیلئے نہیں بلکہ ارتقاء کے لئے ہیں اور ارتقاء سے بہتر جزا کیا ہے...... تم اپنے آپ کو اکیلا نہ سمجھو...... امید کی شمع کو روشن رکھو۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ [1]

محنت سے نہ گھبراؤ۔ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى [2] تو ایک اٹل قانون ہے محنت کے بعد راحت اور دکھ کے بعد سکھ لازم ہے۔ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا [3]

اس ہمدردانہ صدا اور مشفقانہ ندا کے بعد عزائم جوان ہو جاتے ہیں اور ہمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ تھکا ماندہ کاروان حیات...... پھر سے کمر ہمت باندھ کر چل کھڑا ہوتا ہے اور یہ ذکر ہی کی برکت ہے جس سے قرب محبوب کا یقینی تصور...... تصدیقِ قلبی اور مشاہدۂ عینی کی منزل تک پہنچا دیتا ہے۔

ذکر کا ایک پہلو اور لیجئے۔ دکھ...... احساسِ ناتمام کا نام ہے اور احساس ناتمامی سے بڑی بے سروسامانی اور کیا ہوگی! یا مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی زبان میں یوں کہیے کہ دکھ اور درد فراق ہے اور اطمینان وسکون وصال ہے مولانا بانسری کی زبان سے اس حقیقت کو بیان کرواتے ہیں

---

[1] الزمر، ۳۹: ۵۳ [2] النجم، ۵۳: ۳۹ [3] الانشراح، ۹۴: ۵

Marfat.com

بشنو از نے چوں حکایت می کند
و ز جدائی ہا شکایت می کند

کہ نَے (بانسری) اپنی اصل سے جدائی کی شاکی ہے اور اصل سے وصل کی متلاشی ہے۔

ہر کہ اُو دور ماند از اصل خویش
باز جوید روزگار وصل خویش

قطرہ جب تک اپنی حقیقت کو نہیں پالیتا وہ ناتمام رہتا ہے اور ناتمامی کے دکھ میں مبتلا۔ لیکن جب اپنی حقیقت کو پا کر...... واصلِ بحر ہو جاتا ہے تو سمندر بکنار ہو جاتا ہے۔ اور اس مقام پر جا کر قطرہ اپنی وسعت پر ناز کر سکتا ہے جو ناز کہ حقیقت کی یافت کا ثمرہ ہے۔

دل ہر قطرہ ہے، ساز انا البحر
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

ذکر ایک ارادی اور شعوری فعل ہے۔ الفاظ سے یا تصور سے کسی شے کی طرف ذہن کو منتقل کرنا ذکر ہے۔ لیکن اصطلاحاً اس کے معنی ہیں یادِ الٰہی۔ جب عبد...... معبود کو یاد کرتا ہے۔ جب مخلوق اپنے خالق کو یاد کرتی ہے تو اس فعل ارادی کو ذکر سے موسوم کرتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ذات کے حسن و جمال اور خیر و کمال کے تصور سے انسان پائیدار مسرت اور کامل اطمینان کے حصول کے قابل ہو جائے۔ اس کا نتیجہ ہے معرفت اور معرفت ہی کا ثمرہ ہے ازلی مسرت اور دائمی فرحت۔ پس آپ ذکر کی برکتوں سے استفادہ کیجئے اور تصور جمال سے سراپا جمال اور یاد کمال سے مجسمہ کمال بن جائیے۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ [۱] سے یہی سبق ملتا ہے۔

۱۔ النسآء، ۴:۱۰۳

Marfat.com

احترامِ والدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا [۱]

اسلام نوعِ انسانی کے بقا اور ارتقاء کے لئے مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس میں تکمیل کے اصول بھی ہیں...... اور تزئین و تحسین کے قانون بھی۔ جہاں یہ کمال کی راہیں دکھاتا ہے...... وہاں جمال افروزی بھی سکھاتا ہے۔

زندگی کے مقصد کا تعین اور اس مقصدِ عزیز کے حصول کیلئے ضابطہ کار کا تعین دینِ اسلام کا بنیادی موضوع ہے۔ ہادیٔ اسلام ﷺ کی حیاتِ طیبہ اس کامل ضابطہ حیات کی حسین و جمیل عملی تشریح ہے۔ جو اصول قرآن حکیم میں جامہ لفظی میں آئے ہیں، وہی سیرتِ نبوی میں صورتِ بشری میں نمودار ہوئے۔

یہ بھی واضح ہے کہ انسان اپنے وجود...... بقا اور ارتقاء میں اپنے ماحول سے ناقابلِ انفکاک حد تک وابستہ ہے۔ اس کی اپنی زندگی اور تربیت کا انحصار بھی دوسروں پر ہے اور دوسروں کا بقا اور ارتقاء بھی اسی پر منحصر ہے۔ یوں انفس و آفاق...... ذات اور کائنات...... فرد اور معاشرہ...... انسان اور ماحول کا چولی دامن کا ساتھ بن جاتا ہے کہ ایک کے بغیر دوسرے کی حیات کا کوئی امکان نہیں۔ سب انسان کے لئے ہیں اور انسان سب کے لئے ہے۔ اسی کی ضرورت اور احتیاج کائنات خارجی کو قدر و

۱۔ الاسراء، ۱۷: ۲۳

Marfat.com

قیمت بخشتی ہے۔ اور اسی کی ضرورت کے پیمانے سے اشیاء کی افادیت کو ناپا جاتا ہے۔
اسی حقیقت کی طرف حضرت اقبال نے یوں اشارہ کیا ہے:

؎ گنہ گار ، غریبُ الدیار ہوں لیکن
تیرا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد
مری جفا طلبی کو دعائیں دیتا ہے
یہ دشتِ سادہ یہ تیرا جہانِ بے بنیاد

پس افادیت کے پیش نظر دوسروں کا تحفظ واحترام لازم ہے تاکہ کاروانِ حیات منزلِ ارتقا کیلئے رواں رہ سکے۔ دوسروں کے مناسب تحفظ اور احترام کو ہی اصطلاح میں حقوق اور فرائض کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس پر اسلام نے بے حد زور دیا ہے اور ہادیٔ اسلام علیہ السلام نے اسی پر خصوصی توجہ فرمائی ہے۔ یوں تو حقوق و فرائض کے متعلق دیگر مذاہب نے بھی بہت کچھ بیان کیا ہے۔ لیکن اسلام نے اس کی تکمیل فرمادی ہے اور اس کی حدود و قیود کی وضاحت فرمادی ہے۔ حقوق کی تدریجی اہمیت...... ان کی تفصیلی حکمت اور ان کی عملی صورت کو کامل وضاحت سے بیان فرمادیا ہے اور یوں ایک کامل اور واضح ضابطہ اخلاق وجود پذیر ہوگیا ہے۔ جو فرد اور معاشرہ کے باہم دگر حسنِ تعلقات کا ضامن اور دونوں کے مناسب ارتقاء کا کفیل ہے۔

انسان کو معرض وجود میں آتے ہی سب سے پہلا سابقہ ماں کی آغوش سے پڑتا ہے۔ اس کی سطح شعور پر تاثراتِ حیات کے اولین نقوش ماں کی صورت اور سیرت سے ہی مرتب ہوتے ہیں اور جدید نفسیات کی تحقیق کے مطابق یہ تاثرات اولین کالنقش فی الحجر ہوتے ہیں، کہ ان کا مٹانا آسان نہیں ہوتا۔ محبت اور شفقت ...... حفاظت اور خدمت کے جذبات عالیہ سے بچے کا تعارف ماں کے مامتا بھرے طرز عمل سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیجئے کہ انسانی کردار

Marfat.com

کے تمام خدو خال اور نقش و نگار ماں اور بچے کے اولین تعلق سے ہی صورت پذیر ہوتے ہیں۔ ماں کی آغوش ہی انسان کیلئے تعلیم و تربیت کا اولین گھوارہ ہوتی ہے جہاں کردار کی اولین بنیاد بھی رکھی جاتی ہے۔ یہی وہ خشتِ اول ہے جس کی کجی...... کردار کی تمام عمارت کو کج کر دیتی ہے اور جس کی درستگی پر تمام عمارت کی عمدگی کا مدار ہوتا ہے۔ امومت کی اسی اہمیت کے متعلق حضرت اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

نیک اگر بینی امومت رحمت است
زانکہ اُو را با نبوت نسبت است
شفقت اُو شفقت پیغمبر است
سیرتِ اقوام را صورت گر است
از امومت پختہ تر تعمیر ما
در خط سیمای اُو تقدیر ما
گفت آن مقصود حرفِ "کُن فکان"
زیر پای اُمہات آمد جنان
ملت از تکریم ارحام است و بس
ورنہ کارِ زندگی خام است و بس
از امومت گرم رفتار حیات
از امومت کشفِ اسرار حیات
از امومت پیچ و تاب جوی ما
موج و گرداب و حباب جوی ما [1]

چونکہ حقوق و فرائض کی ادائیگی کی اولین تربیت گاہ مادر ہی ہوتی ہے۔ اس لئے

[1] رموز بیخودی اقبال، علامہ ۱۸۳۸

Marfat.com

اسلام نے سب سے پہلے ماں کے حقوق کی پاسداری پر ہی زور دیا ہے۔ قرآن میں توحید کے بعد والدین کے حقوق کی ادائیگی کا یہی حکم دیا گیا ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۱؎

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا ۲؎

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو جتا دیا کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کی مغفرت کی دعا مانگی۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ ۳؎

حضرت نوح علیہ السلام نے بھی یہی دعا مانگی:

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ ۴؎

پس والدین کے حسنِ خاتمہ اور مغفرت کی دعا مانگنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔

o...... کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ میرے حسن معاشرت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ فرمایا تیری ماں...... دریافت کیا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں...... عرض کی پھر کون؟ فرمایا تیری ماں...... گزارش کی پھر کون؟ چوتھی مرتبہ فرمایا تیرا باپ۔ ۵؎

o...... ایک مرتبہ حضور علیہ السلام مجلس اقدس میں تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرام کا مقدس گروہ حاضر خدمت تھا سب ہمہ تن متوجہ تھے۔ کہ ترجمانِ کلام خدا...... زبانِ مصطفیٰ علیہ السلام سے تین مرتبہ اعلان ہوا۔ وہ خوار ہوا...... وہ خوار ہوا...... وہ خوار ہوا...... نیاز مندوں نے پوچھا کون یا رسول اللہ؟ فرمایا کہ وہ جس نے اپنے والدین کو یا ان میں سے ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور پھر ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ

۱؎ النسآء، ۳۶:۴ ۲؎ الاحقاف، ۱۵:۴۶ ۳؎ ابراہیم، ۴۱:۱۴ ۴؎ نوح، ۲۸:۷۱

۵؎ صحیح بخاری، رقم ۵۵۱۴ جلد ۱۸، صفحہ ۳۶۳، البخاری، ابو عبد اللہ (۲۵۶ھ) دار طوق النجاۃ

Marfat.com

کی۔ ا۔

o...... ایک اور مجلس میں صحابہ کرام نے دریافت کیا۔ کہ ہمارے تمام اعمال صالحہ میں سے اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل زیادہ پسند ہے۔ تو فرمایا وقت پر نماز پڑھنا...... انہوں نے دوبارہ عرض کی کہ پھر کون؟ ارشاد ہوا والدین کے ساتھ نیکی کرنا۔ ۲۔

o...... ایک مرتبہ والدین کی حسنِ اطاعت کی برکت کو ایک دلنشین حکایت کے ذریعے یوں بیان فرمایا۔

تین مسافر جنگل میں جا رہے تھے کہ اچانک موسلا دھار بارش شروع ہوگئی انہوں نے بھاگ کر ایک غار میں پناہ لی۔ ناگہاں طوفانی برق و باد کے زور سے ایک چٹان لڑھک کر غار کے منہ کے سامنے آ گئی۔ جس سے غار سے باہر آنے کا راستہ مسدود ہو گیا۔ ان تینوں نے بارگاہ رب العزت میں اپنے اپنے منتخب اعمال صالحہ پیش کر کے رُستگاری کی دعا کی۔

ان میں سے ایک نے عرض کی کہ اے الہ العالمین! تو جانتا ہے کہ میرے ماں باپ بوڑھے تھے اور میں دن بھر بکریاں چرانے کے بعد جب تھکا ماندہ گھر کو لوٹتا تو سب سے پہلے اپنے والدین کو بکریوں کا دودھ دھو کر پلاتا اور پھر اپنے بال بچوں کو کھلاتا پلاتا۔ ایک دن میں ذرا دیر سے لوٹا، تو میرے بوڑھے والدین سو چکے تھے۔ میں رات بھر دودھ لے کر ان کے سرہانے کھڑا رہا۔ میرے بچے بھوک سے بلکتے رہے لیکن والدین کے احترام کے پیش نظر، میں نے والدین سے پہلے بچوں کو دودھ پلانا مناسب نہ جانا اور اسی حالت میں کھڑے کھڑے رات گذر گئی۔ اے الہ العالمین! اگر میرا یہ عمل تیری بارگاہ میں مقبول اور پسندیدہ ہے تو ہمیں اس مصیبت سے نجات عطا

ا۔ مسند احمد رقم ۸۲۰۱ جلد ۱۷ صفحہ ۲۴۳، احمد بن حنبل ۲۴۱ھ

۲۔ صحیح بخاری، رقم ۴۹۶ جلد ۲ صفحہ ۳۵۲

Marfat.com

فرما...... اس دعا کے بعد وہ چٹان غار کے منہ سے تھوڑی سی سرک گئی۔ اسی طرح باقی دو آدمیوں نے بھی اپنے اپنے مقبول اور پسندیدہ اعمال بارگاہ خداوندی میں پیش کر کے دعا مانگی اور چٹان غار کے منہ سے ہٹتی چلی گئی اور تینوں بخیر وخوبی غار سے باہر آ گئے۔ ا

اسلام میں جہاد کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کائنات کے فساد کا علاج جہاد سے ہی ممکن ہے۔ جہاد سے خیر کا ثبات اور شر کا انسداد ہوتا ہے؟ باغبان کا شاخ تراشی کرنا ظلم نہیں...... کرم ہے کہ اس سے شجر جلدی بار آور ہوتا ہے۔ مضرت گھٹتی ہے اور منفعت بڑھتی ہے۔ لیکن جہاد جیسے اہم فریضہ کی اہمیت بھی والدین کی خدمت کے سامنے ثانوی حیثیت حاصل کر لیتی ہے۔ جہاد میں جسم وجان کو ایمان کیلئے قربان کرنا ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہی جسم وجان والدین کے پاسبان ہوں اور ان کے بغیر کوئی اور ان کا نگران نہ ہو، تو اس جسم وجان کو والدین کی خدمت کے لئے بچانا اور ان کی خدمت کا ذریعہ بنانا، زیادہ ضروری ہو جاتا ہے۔

○...... چنانچہ ایک صحابی نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر، شرف جہاد کی اجازت چاہی تو ارشاد ہوا کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟۔ اس نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا...... جاؤ خدمت والدین کے جہاد میں مصروف رہو۔ ۲

○...... ایک آدمی نے حاضر ہو کر، خدمت اقدس میں عرض کی، کہ یارسول اللہ ﷺ مجھ سے ایک بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے۔ میری مغفرت اور توبہ کا موثر طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟ فرمایا کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ عرض کی حضور وہ تو وفات پا چکی ہے۔ فرمایا کیا تمہاری خالہ زندہ ہے؟ عرض کی کہ زندہ ہے۔ فرمایا جاؤ اسی کی خدمت کرو۔ یعنی ماں کی بہن کی خدمت کو سعادت اور مغفرت کا ذریعہ قرار دیا۔

○...... حضرت ابو طفیل رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک مجلس میں ایک عورت بارگاہ نبوی میں

ا۔ صحیح بخاری، رقم ۲۰۶۳ جلد ۷ صفحہ: ۴۵۱ ۲۔ مسند احمد، رقم ۴۴ ۲۰۴ جلد: ۷ ۴ صفحہ: ۹۷

Marfat.com

حاضر ہوئی۔ سرور کائنات ﷺ نے اس کے لئے اپنی چادر مبارک بچھا دی اور وہ خاتون ردائے نبوت پر تشریف فرما ہوگئیں۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ خاتون کون ہے؟ تو لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ حضور اکرم ﷺ کی رضاعی ماں ہیں۔

اللہ! اللہ! رضاعی ماں کا بارگاہِ خیر الانام میں یہ احترام ہے تو حقیقی ماں کا کیا مقام ہوگا؟

قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

"اللہ کریم چاہے تو تمام گناہ بخش دے، لیکن وہ والدین کی نافرمانی کے گناہ کو نہ بخشے گا"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے بارگاہ رب العزت جل وعلا میں عرض کی کہ مجھے میرے رفیقِ جنت سے دنیا میں ہی متعارف کرا دیا جائے کہ یہیں مودّت اور محبت کی طرح ڈالی جائے۔ ارشاد ہوا کہ فلاں شہر کا فلاں دوکاندار حیات اُخروی میں آپ کا رفیق ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس شہر میں پہنچے اس دکاندار کی دکان کو تلاش فرما کر اس کے معمولات کو بغور ملاحظہ فرمانا شروع کیا تاکہ اس کے اس پسندیدہ عمل کا پتہ چل سکے، جس کی بدولت اسے جنت میں رفاقت نبوت کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ لیکن تجارت میں اس کا کوئی ایسا نمایاں عمل نظر نہ آیا۔ خیال آیا کہ اس کی گھریلو زندگی کا مطالعہ کرنا چاہئے، ممکن ہے وہاں حسن عمل کا کوئی نادر نمونہ نظر آجائے۔

چنانچہ آپ ایک اجنبی مسافر کی حیثیت سے اس کے ہاں مقیم ہوئے اس کے گھر میں دیکھا کہ اس کی ماں بہت ہی عمر رسیدہ اور ضعیفہ ہے۔ مدت سے صاحب فراش اور چلنے پھرنے سے معذور ہے۔ تاجر شام کو گھر لوٹا تو سب سے پہلے گرم پانی

Marfat.com

سے ماں کے ہاتھ پاؤں دھوئے پھر گرم دودھ میں نرم روٹی بھگو کر بڑی محبت اور عقیدت سے ماں کے منہ میں نوالے ڈالے، بعداز فراغت اس کا منہ صاف کر کے اس کے پاؤں دبانے شروع کیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ اس کی ضعیفہ ماں کے ہونٹ ہل رہے ہیں آپ نے کان اس کے منہ کے قریب کر کے سنا! ...... بڑھیا دعا کر رہی تھی کہ بارالہا! میں اپنے بیٹے کی خدمت سے بہت خوش ہوں تو اسے جوار رحمت میں، جنت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت نصیب فرما۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تاجر کو بشارت دی کہ تجھے ماں کی دعا کی برکت سے جنت میں میری معیت کی سعادت مل چکی ہے۔

Marfat.com

احترامِ اُستاد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۱؎

انسان کا پہلا استاد (معلم) اللہ رب العزت ہے۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۲؎

دوسرے درجے پر رسول اکرم ﷺ انسانیت کے استاد (معلم) ہیں۔ حدیث مبارکہ إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا ۳؎ میں بھی اسی حقیقت کا اظہار ہے اس کے بعد تمام معلمین واساتذہ کو اللہ رب العزت اور نبی برحق ﷺ کی نیابت کا درجہ حاصل ہے۔

o...... اللہ تعالیٰ کی عالم گیر ربوبیت کے بعد خود انسان بھی انسان کی تربیت اور پرورش کرتا ہے۔ ربوبیت اور پرورش کی کئی قسمیں ہیں۔ جسمانی ربوبیت، ذہنی ربوبیت اور روحانی ربوبیت۔ ان تمام پہلوؤں کی متناسب ربوبیت سے ہی انسانی شخصیت کی تعمیر اور تکمیل ہو سکتی ہے۔ اگر ان میں ایک پہلو بھی تشنہ اور نامکمل رہ جائے تو شخصیت کے تناسب اور تکمیل میں فرق آ جاتا ہے۔

o...... جسمانی تربیت کی بنیادی ذمہ داری والدین پر عائد ہوتی ہے۔ خصوصاً والدہ پر کہ پیدائش سے پہلے اور بعد وہی جسمانی پرورش کا فریضہ ادا کرتی ہے اور اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر بچے کی ننھی منی جان کی پرورش کرتی ہے۔ پرورش کا یہ فعل بڑا

۱؎ البقرہ، ۲:۳۲ ۲؎ ایضاً، ۲:۱۲۹ ۳؎ سنن ابن ماجہ، رقم ۲۲۹

Marfat.com

مشکل اور صبر آزما ہوتا ہے۔ لیکن ماں کی مامتا سب کچھ برداشت کر لیتی ہے اور حیرت انگیز ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے معذور اور کمزور بچے کو بتدریج، مضبوط اور صحت مند انسان کے روپ میں ڈھال دیتی ہے۔ اسی سلسلہ میں باپ بھی اپنی ذمہ داری کو بدرجہ احسن پورا کرتا ہے۔ حتیٰ کہ بچہ اپنے بل بوتے پر کش مکشِ حیات میں حصہ لینے کے قابل ہو جاتا ہے۔

o...... ماں باپ کے احسانِ پرورش کے جواب میں انسان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے والدین کے ادب واحترام، خدمت اور حفاظت کے فرائض عائد کر دیئے گئے ہیں کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان سے حسنِ سلوک کیا جائے۔ کلام کی درشتی اور آواز کی بلندی سے بھی اجتناب کیا جائے۔ ان کی ضروریات کی کفالت اور ان کی دل جوئی کی جائے...... والدین کے ادب واحترام کا یہ ضابطہ...... اور والدین اور اولاد میں حسن سلوک کا یہ رابطہ...... تربیت و تعلیم اور بقا و ارتقاء کے لئے بے حد ضروری ہے۔

o...... جسمانی تربیت کی کفالت کے جواب میں جس ادب واحسان کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اس سے آپ ذہنی اور عقلی تربیت کی کفالت کی محبت اور اہمیت کا اندازہ کر سکتے ہیں...... جسمانی تربیت کی ذمہ داری والدین پر اور ذہنی تربیت کی ذمہ داری اساتذہ پر عائد ہوتی ہے۔ اس لئے یہ دونوں گروہ مربی اور معلّم ہونے کی حیثیت سے ادب واحترام کے مستحق ہیں۔ ذہنی اور عقلی تربیت کے سلسلہ میں تو خصوصاً ادب و اطاعت کی اہمیت بڑھ جاتی ہے کہ استاد پر اعتبار اور اس کے وقار کے بغیر طالب علم، حصول علم سے کماحقہٗ فیضیاب نہیں ہو سکتا۔ حصول علم کے لئے ذہنی اطاعت ضروری ہوتی ہے کہ طالب علم کی طرف سے بے جا تنقید اور خودسری استاد اور شاگرد کے درمیان حجاب بن جاتی ہے اور دونوں میں وہ ذہنی رابطہ پیدا نہیں ہو پاتا جو انتقالِ علم کیلئے ضروری ہوتا ہے۔

Marfat.com

o...... استاد کی قابلیت اور شخصیت نہ صرف ذہن کو متاثر کرتی ہے بلکہ اخلاق و کردار پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ بشرطیکہ شاگرد کی طرف سے رعونت اور نخوت کا حجاب حائل نہ ہو اور وہ کھلے دل سے استاد کی تربیت سے اطاعت شعاری اور فرمانبرداری کے ساتھ فیض یاب ہو۔

o...... شاگرد نادان ہوتا ہے اور استاد دانا...... ایک بے خبر ہوتا ہے دوسرا باخبر۔ لہٰذا تعلیم و تربیت کے لئے لازم ہے کہ شاگرد کو اپنی ناتمامی اور ضرورت مندی اور استاد کی دانائی، عقل مندی کا اعتراف ہو اور یہ اعتراف ہی استاد کے ادب و احترام کے رنگ میں نمودار ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے اس رابطہ کو بڑے دل کش انداز میں داستان حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے رنگ میں بیان فرمایا ہے۔ کہ جب ایک خاص انداز کا علم سیکھنے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام بحکم خداوندی حضرت خضر علیہ السلام کے پاس پہنچے تو حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے سب سے پہلے غیر مشروط اطاعت کا مطالبہ کیا اور اعتراض اور تنقید سے روک دیا اور فرمایا کہ میرے فعل پر اعتراض نہ کرنا اور تنقید و تعریض کو باہمی رابطہ میں حائل نہ ہونے دینا۔ ورنہ انتقالِ علم کے فعل میں حرج ہوگا اور آپ کو میری بیعت چھوڑنی پڑے گی کہ معلّم اور متعلّم میں ادب و احترام اور تسلیم و رضا کے بغیر معیت بے کار اور بے مقصد ہوتی ہے۔

o...... طبیب اور مریض میں بھی ادب و تسلیم کا رابطہ شفا بخشی کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ کہ یہ رابطہ بھی معلم اور متعلم کی طرح کا ہی ہوتا ہے جو خود سر مریض، طبیب کی ہدایت پر عمل نہ کرے اور اپنی رائے کو معالج کی رائے پر ترجیح دے اور طبیب کی تجویز کردہ کڑوی اور کسیلی دواؤں پر اپنی پسند کی چٹخارے دار اور مزے دار غذاؤں کو ترجیح دے۔ وہ طبیب کی قابلیت اور شفا بخشی کی قوت سے فیض یاب نہیں ہوسکتا۔ نفسیاتی طریقہ علاج میں تو طبیب کی شخصیت کے وقار اور اس کی رائے پر اعتبار کو بے

حد اہمیت دی جاتی ہے کہ یہی دو امر باہم رابطہ کیلئے لازم ہیں اور باہمی رابطہ کے بغیر شفا بخشی کا عمل موثر نہیں ہوتا۔

○...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے...... علم سیکھو اور اسے لوگوں کو سکھاؤ۔ اور جس سے تم علم سیکھو اس کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔ تم علماء کے لئے سرکش نہ بنو تا کہ تمہاری جہالت تمہارے علم کے مقابل نہ آجائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے جس سے علم سیکھو اس کی ذلت کے طالب نہ بنو، اس کے بھید کو ظاہر نہ کرو، اس کے پاس کسی کی غیبت نہ کرو...... سامنے اور پس پشت اس کی حفاظت کرو...... ساری قوم کو سلام کرو۔ لیکن اسے خاص طور پر سلام کرو۔ اس کے سامنے ادب سے بیٹھو...... اگر اسے کوئی حاجت پیش آئے تو سب سے پہلے اس کی حاجت روائی کرو...... اس کی خدمت کیلئے مستعد رہو۔ وہ کھجور کا پھل دار درخت ہے اگر منتظر رہو گے تو تمہیں ضرور نفع حاصل ہوگا۔

استاد اور شاگرد میں طلب وعطا کا صحیح رابطہ اسی وقت پیدا ہوسکتا ہے۔ جب شاگرد کو اپنی علمی کمتری اور استاد کی علمی برتری کا اعتراف ہو اور اسی اعتراف کے عملی اظہار کو ادب واحترام کا نام دیا جاتا ہے۔ چونکہ استاد کا ادب واحترام اس کی علمی برتری کی بنا پر ہی کیا جاتا ہے اس لئے استاد کے ادب میں علم کا احترام بھی آجاتا ہے اور علم کا احترام ایک انسانی اور دینی فریضہ ہے۔ جب ملائکہ کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سرنگوں ہونے کا حکم ملا تو حضرت آدم علیہ السلام کی علمی برتری کو ہی اس خصوصی احترام کی علت کے طور پر بیان کیا گیا۔ گو عبادت کے لحاظ سے فرشتوں کا پلہ بھاری تھا لیکن علم کے لحاظ سے حضرت آدم علیہ السلام کو برتری حاصل تھی۔ چنانچہ رب العالمین نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام سکھائے اور فرشتوں کے سامنے حضرت آدم علیہ السلام کی علمی برتری کا مظاہرہ بھی کروا دیا۔ فرشتوں نے اپنی لاعلمی کا برملا اعتراف کیا اور

حضرت آدم علیہ السلام نے اشیاء کے نام بیان فرما کر اپنی علمی برتری کا اظہار فرما دیا اور فرشتوں نے ادب واحترام کے طور پر ان کے سامنے سر نیاز جھکا دیا۔ اور جس نے اس عالم کا اور اس کے مقام علمی کا احترام نہ کیا وہ مردود قرار پایا اور ابلیس کے نام سے موسوم ہوا۔ اس واقعہ سے بھی علم اور عالم کے احترام کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہونے لگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی رکاب تھام لی۔ حضرت زید نے کہا اے حضور علیہ السلام کے ابن عم آپ ایسا نہ کریں۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہمیں اپنے معلمین اور بزرگوں کے ساتھ ایسے ہی سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ [۱]

o...... متعلم پر واجب ہے کہ وہ معلم سے ادب واحترام سے پیش آئے اور خدمت و اطاعت سے اعتراف احسان کرے اور معلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ شاگرد سے شفقت اور محبت کا سلوک کرے۔ استاد کی شفقت اور شاگرد کی اطاعت سے ہی وہ رابطہ پیدا ہوگا جو تعلیم و تربیت کی بنیاد ہے۔ استاد کی مربیانہ شفقت سے شاگرد کا ذوقِ علمی بیدار ہوگا اور اسے استاد سے لگاؤ کی بنا پر علم سے انس پیدا ہوگا۔ استاد کی مشفقانہ توجہ شاگرد کیلئے اکسیر ہوتی ہے اور اسکی قابلیت اور صلاحیت کیلئے مہمیز کا کام دیتی ہے۔

o...... سوئے اتفاق سے آج کل طلبہ میں اساتذہ کے ادب واحترام کا فقدان ہے۔ اساتذہ میں بھی وہ مربیانہ شفقت موجود نہیں جو ایک استاد کے منصب و مقام کیلئے لازم ہے۔ جس کا نتیجہ علمی صلاحیت میں کمی اور تعلیم و تربیت میں انحطاط کی شکل میں رونما ہو رہا ہے۔ ارباب بست و کشاد اور ماہرینِ تعلیم کو اس مسئلہ پر خصوصی توجہ دینی چاہئے کہ یہ تعلیم و تربیت کی کامیابی کیلئے بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

۱۔ المستدرک، حاکم نیشاپوری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ط۔۱، ۱۹۹۰ء، رقم ۵۷۸۵

Marfat.com

جادۂ اعتدال...... باعثِ نجات ہے

انسانی عقل وشعور نے جہاں انسان کو حیوانات پر تسلط اور برتری عطا کی ہے وہاں اس نے زندگی کے فرائض کی ادائیگی جبلی تقاضوں کی تسکین اور بقائے نوع کے فریضہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں انسان کو بہت سی غلط کاریوں اور لذت پرستیوں میں بھی مبتلا کر دیا ہے۔ تنوع پسندی اور ارتقاد رستی، عقلِ انسانی کا خاصہ تو ہے لیکن یہ اگر مقصدِ صحیح کی بجائے غلط مقصد سے وابستہ ہو جائے تو الم آفریں بھی ہے۔ مثلاً بقائے نوع کے لئے نر اور مادہ کا اختلاط انتہائی اہم حیاتیاتی فعل ہے۔ اور اس فعل کو جاری رکھنے کے لئے قدرت نے اس فعل کے ساتھ شدید لذت بھی وابستہ کر دی ہے تاکہ یہ اہم حیاتیاتی فعل ہزار رکاوٹوں کے باوجود بھی جاری رہے...... حیوانات میں ایک طبعی کنٹرول کا اہتمام کر دیا گیا ہے۔ مثلاً مادہ ایک خاص وقت پر جب کہ اس میں بارآور ہونے کی خاصیت موجود ہوتی ہے، اس فعل پر آمادہ ہوتی ہے ورنہ وہ کبھی بھی محض لذت کے لئے اس فعل پر آمادہ نہیں ہو سکتی۔ یہی حال ایک نر حیوان کا ہے کہ مادہ کی آمادگی کے خاص موقعہ پر ہی نر میں بھی اس فعل کے لئے آمادگی پیدا ہوتی ہے، ورنہ اس کا یہ شہوانی جذبہ مکمل طور پر خفتہ رہتا ہے۔ لیکن انسان میں یہ جذبہ بے لگام ہو کر ضرورت اور عدمِ ضرورت سے بے نیاز ہو کر نفع ونقصان کی حدود وقیود کو پھاند کر، اس فعل میں مقصد تولید کے لئے نہیں، بلکہ محض تسکینِ شہوت اور حصولِ لذت کے لئے ہی مصروف رہتا ہے۔ اس کے مفاسد اور نقصانات کا جو اثر، انسان کی اپنی ذات اور

Marfat.com

معاشرہ کے نظام پر ہوتا ہے، وہ واضح ہے۔ یہاں انسانی عقل وارادہ کی آزادروی ہی اس کو لے ڈوبتی ہے۔ حیوانات میں یہ مسئلہ کوئی معاشرتی یا سماجی اہمیت نہیں رکھتا کہ یہاں یہ ایک طبعی وظیفہ کے طور پر خود بخود، مناسب اوقات پر ادا ہوتا رہتا ہے اور اس میں افراط وتفریط واقع نہیں ہوتی۔ لیکن انسان نے کہیں تو اس کی مضرتوں سے ڈر کر بالکل ہی اس جذبہ کی فنا کا اصول اپنالیا، اور تجرّد اور ترکِ شہوت کو ہی انسانی اخلاق کی ایک اعلیٰ قدر قرار دے دیا۔ کہیں اسی جذبہ کی ارتقائی صورت کو ہی آرٹ اور تہذیب کا نام دے دیا۔ اس کی تسکین کو ہی تہذیب کی بنیاد قرار دے لیا۔ ان دونوں صورتوں میں ہی جادۂ اعتدال سے انحراف ہوگیا کہ حیاتیاتی مقصد کے لئے یہ ضروری بھی ہے۔ لیکن اخلاقی اور ارتقائی نکتہ نظر سے اس کی مناسبت تہذیب اور تحدید بھی ضروری ہے۔

Marfat.com

ارض پاک

جو ترے قدموں کے صدقے میں ملی
تنگ ہے اسلام پر وہ سر زمیں

(حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

کر نظر مہر درخشانِ عرب
ہے میرا ماحول ظلمت آفریں

ہو سکے گی کفر کے در پر نہ خم
حشر تک تیرے غلاموں کی جبیں

مٹ گئے تیرے فیض سے رنگ و نسب کے تفرقے
دونوں جہاں ہیں ایک سے بہرہ ور نوازشات

(حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ)

پاکستان میں نفاذِ اسلام کیسے ممکن ہے؟

(حضرت خطیب الاسلام کا ایک اہم خطاب)

مشائخ کانفرنس

منعقدہ ۱۰ ذی قعد ۱۴۰۰ھ، ۲۲ ستمبر ۱۹۸۰ء

زیر صدارت: صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم

سابق صدر ضیاء الحق مرحوم نے اسلام آباد میں پانچ سو سے زائد علماء و مشائخ کو ''مشائخ کانفرنس'' کے نام پر مدعو کیا اور پاکستان میں نفاذِ اسلام کے عمل کو تیز کرنے کیلئے تجاویز اور سفارشات طلب کیں، متعدد علماء و مشائخ کے بیانات ہوئے۔ اس کانفرنس میں خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن رحمۃ اللہ علیہ (سابق صدر جمعیت العلماء پاکستان) کے فرمودات حرفِ آخر ثابت ہوئے۔ کانفرنس دو دن کے لئے بلائی گئی تھی مگر آپ کے بعد مزید کسی بیان کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوئے صدر مرحوم نے پہلے روز ہی کانفرنس کے اختتام کا اعلان کر دیا۔

صدر مرحوم، وزیر داخلہ محمود اے ہارون، مسٹر اے کے بروہی کے تأثرات کے مطابق حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے وقیع اور نتیجہ خیز ارشادات ہی پوری کانفرنس کا حاصل تھے۔ قارئین کی علمی و فکری ضیافت کے لئے پیش خدمت ہے۔

Marfat.com

نحمدہٗ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم
اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب صدر محترم! مملکت خداداد پاکستان!
جناب وزیر مذہبی امور! جناب وزیر داخلہ!
حضرات مشائخ عظام، علماء کرام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

یہ امر انتہائی قابل مسرت ہے کہ آج ملتِ اسلامیہ کے نمائندہ اجتماع کی موجودگی میں اظہار مافی الضمیر کا موقع مل رہا ہے۔ میں آپ کے سامنے تجاویز پیش کرنے نہیں آیا بلکہ میں تو آپ سے سننے آیا ہوں اور آپ سے سیکھنے آیا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اب اتنا کچھ کہا جا چکا ہے کہ میں سوچ رہا تھا کہ بائیس نکات تھے پندرہ (۱۵) وہ نکات تھے۔ وہ بائیس اور پندرہ سینتیس (۳۷) ہو گئے۔ اب میں اڑ تالیس یا انچاس یا پچاس نکات کہاں سے لاؤں۔ بات اب یہ نہیں کہ تجویز کیا ہے۔ ہم چونتیس (۳۴) سال سے تجویزوں کو سنتے آ رہے ہیں۔ تجویزوں کے انبار لگ گئے ہیں۔ قال والوں نے بہت کچھ کہا، شعر میں کہا، نظم میں کہا، خطابت میں کہا، سیاست میں کہا، سب کچھ کہا، آپ نے بھی کہا، ہم نے بھی کہا۔ سوال یہ ہے کہ اس کہنے کا نتیجہ کیا ہوا؟ اب صدر محترم نے اتنی اختصار و جامعیت کے ساتھ بات کر دی کہ جو بہت کچھ ہماری طرف سے کہنے کے لائق تھا وہ بھی آپ نے کہہ دیا پھر جو علماء کا کنونشن ہوا وہ بہت کامیاب ہوا۔ اس میں پندرہ نکات جو مرتب کیے گئے وہ بہت

Marfat.com

جامع تھے، مانع تھے، حاوی تھے۔ان میں بہت کچھ آ گیا ہے۔بائیس نکات جو تینتیس علماء نے بیٹھ کر کئی دنوں میں تیار کئے تھے وہ نظام اسلامی کو چلانے کے لئے ایک اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ایک قرطاسِ ابیض کی حیثیت رکھتے ہیں، بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔اب میں سوچ رہا تھا کہ کون سا نکتہ باقی رہ گیا ہے جو ہم آپ کی خدمت میں پیش کریں۔سوائے اس کے کہ صاحب! اب قال ہو چکا......اب حال کی ضرورت ہے۔باتیں ہو چکیں اب کام کی ضرورت ہے۔

جناب والا! اصل بات ہے اب عمل کی۔چونتیس (۳۴) سال کا عرصہ گزر گیا۔باتیں کیں، باتیں سنیں، شعر میں، نغمے میں، تقریر میں، تحریر میں، انبار لگ گئے اور سچی بات تو یہ ہے کہ جب مشائخ کی یہ محفل کی گئی تو ہم عالم قنوطیت میں تھے۔اسلام کے نام پر ہم نے الیکشن ہوتے دیکھے۔اسلام کے نام پہ ہم نے حکومتیں بنتی دیکھیں، بگڑتی دیکھیں۔اسلام کے نعرے گلی کوچوں میں دیکھے لیکن اس کا انجام جو تھا وہ تسلی بخش نہ تھا، تو آپ کے متعلق بھی ہم تنقیدی نگاہ سے خاموش بیٹھے ہوئے اپنے مقام پہ دیکھتے رہے کہ کیا ہوگا؟ جب ہم نے دیکھا کہ پیش رفت ہوئی۔جب ہم نے دیکھا کہ مشکلات کے باوجود کام کرنے کیلئے کچھ اقدام کیا گیا تو ہمارا جی چاہا کہ اس کام میں جو ہمارا اپنا کام ہے، ہم بھی تعاون کریں۔

تو جناب والا! اگر آپ نے ہمیں بلایا ہے تو یہ آپ کا ہم پر احسان نہیں۔اور اگر ہم حاضر ہوئے تو ہمارا احسان نہیں ہے۔ہماری منزل ایک ہے، منشور ایک ہے، ہمارا مقصد ایک ہے، ہمارا دستور ایک ہے، ہماری زندگی ایک ہے، موت ایک ہے، ہماری قوم ایک ہے، تصور قومیت ایک ہے، ہمارا آقا ایک ہے، ہمارا نبی ایک ہے، ہمارا ماخذ تعلیم ایک ہے، نصاب تعلیم ایک ہے تو مسافر مل کر چلتے ہیں تو انہیں باہم تعاون کرنا پڑتا ہے۔جو گرتا ہے، اس کو اٹھانا پڑتا ہے۔جو تھکتا ہے اس کو سنبھالنا پڑتا

ہے اور جس کے پاؤں میں کانٹا چبھ جاتا ہے یہ کانٹا نکالنا پڑتا ہے۔

جناب والا! مجھے اس سلسلے میں آپ کی مشکلات کا علم ہے۔ سٹیج پر کھڑے ہو کر بات کرنی بڑی آسان ہے لیکن نظام حکومت چلانا بڑا مشکل ہے۔ ہم نے الیکشن میں نعرے لگتے دیکھے کہ ہم چوبیس گھنٹوں میں اسلام لے آئیں گے مجھے پتہ ہے کہ اس میں کئی مشکلات پیش آتی ہیں۔ ٹیکنیکل مشکلات اور ذہنی مشکلات پیش آتی ہیں کیونکہ جب اسلام کا نظام آ بھی جائے گا تو بھی حق و باطل کی کشمکش تو قیامت تک نہیں رکے گی۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرار بولہبی
اسی کشاکش پیہم سے زندہ ہیں اقوام
یہی ہے رازِ تب و تابِ ملتِ عربی
موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید
ایں دو قوت از حیات آید پدید

خیر و شر کی کشمکش نہ ہو تو ارتقاء کیسے ہو سکتا ہے۔ اب بھی خیر و شر کی کشمکش کا زمانہ ہے، دقتیں آئیں گی۔ آپ کے سامنے بے شمار وہ لوگ جو اسلام کے نظریوں کو قبول نہیں کرتے کسی اور نظریئے کے علمبردار ہیں، وہ فاجر لوگ جو اپنی طبعی خباثت کی بنا پر اسلام کی ذمہ داری کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، آ کر دیوار بنیں گے۔ عجیب بات ہے، اسلام کے نام پر ملک بھی لیتے ہیں، اسلام کے نام پر شادی بھی کرتے ہیں، اسلام کے نام پر وراثت بھی لیتے ہیں لیکن اسلام کی ذمہ داری سے گریز کرتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی اسی گروہ میں شامل ہیں جن کے پیشے پر اسلامی نظام کی زد پڑتی ہے۔

مجھے آپ کی مشکلات کا علم ہے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان مقدس لوگوں (علماء و مشائخ) میں سے ایک ایک فرد ایک ایک انجمن ہے۔ یہ اکیلے نہیں ہیں،

Marfat.com

ایک ایک آدمی کے ساتھ لاکھوں افراد وابستہ ہیں ان کی حرکت سے لاکھوں دل ہل جایا کرتے ہیں۔ ان کی بات سے دماغ بدل جایا کرتے ہیں۔ میں ان کی طرف سے یقین دلاتا ہوں کہ نظام مصطفیٰ کے لئے، اسلام کے لئے، دین کے لئے، جتنا آپ کام کریں گے جتنی مشکلات آئیں گی آپ اس میں اکیلے نہیں ہوں گے، ہم آپ کے ساتھ ہوں گے اور میں یہ بھی یقین دلاتا ہوں کہ اس راستے میں چلنا سعادت ہے، تھک کے گر جانا شہادت ہے اور منزل پر پہنچ جانا معراج ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں، یہ سارا پاکستان آپ کے سامنے بیٹھا ہے۔ ہم تجویزیں پیش کرنے کے لئے نہیں آئے تجویزیں بڑی آئی ہیں۔ جو تجویزیں ہو چکی ہیں ہم ان کی تائید کرتے ہیں۔ بڑی اچھی تجویزیں ہیں مگر ہم یہ یقین دلانے آئے ہیں صدر محترم کو، کہ ہماری وفاداری آپ کی ذات سے غیر مشروط نہیں ہے، ہماری وفاداری مشروط ہے، جب تک نبی ﷺ کی غلامی، سرورِ کائنات کے نظام کی نقابت اور علمبرداری آپ کرتے رہیں گے ہم آپ کے صرف ساتھی نہیں بلکہ آپ کے خادم ہیں اور اگر خدانخواستہ یہ بات نہ ہوئی تو ہم کسی کے وفادار نہیں ہیں، ہم صرف زلفِ مصطفیٰ ﷺ کے وفادار ہیں۔

دل بہ محبوب حجازی بستہ ایم
زیں سبب با یک دگر پیوستہ ایم

مصطفیٰ ﷺ کی وفاداری کا انعام یہ بھی ہے کہ صرف ہماری نہیں ان کی محبت بھی آپ کے ساتھ ہوگی۔ آپ اس کو سیاسی نکتہ نگاہ سے نہ سوچیں، آپ نبی کریم ﷺ کا کام کرتے ہیں، نبی کریم کی دعائیں آپ کے ساتھ ہوں گی اور پھر یہ جو، ان کے خدام ہیں، یہ سارے آپ کے ساتھ ہوں گے۔ آپ کے پاس بڑی قوت ہے، آپ اکیلے نہیں ہیں، نہ آپ افراد کو دیکھیں، نہ آپ اسلحہ کو دیکھیں، آپ گرمئ ایمان کو دیکھیں، حسن یقین کو دیکھیں، قوموں میں افرادی قوت بعد میں آتی ہے، پہلے ان

Marfat.com

میں قلبی قوت آتی ہے، دماغی قوت آتی ہے، باطنی قوت آتی ہے، روحانی قوت آتی ہے۔

تاریخ گواہ ہے جب کسی قوم میں قوتِ عشق آجاتی ہے، قوت محبت آجاتی ہے تو وہ کامیاب منزل ہو جاتی ہے۔

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پہ اسرارِ شہنشاہی

صدر محترم! میں نے چڑیا کو دیکھا کہ جب چیل نے اس کے بچوں پر حملہ کیا تو بچے کی محبت نے چڑیا کو چیل پر غالب کر دیا۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ جب بلی نے چوزے پر حملہ کیا تو مرغی نے بلی پر حملہ کر دیا۔ تو بچے کی محبت بھی ایک قوت ہے جس سے مرغی بلی سے لڑ جاتی ہے۔ مصطفیٰ کی محبت اور خدا کی محبت تو بڑی قوت ہے، بے پناہ قوت ہے اور مجھے علم ہے کہ وہ قوت آپ میں ہے اگر نہ ہوتی تو ہم نہ آتے، ہم بڑے نقاد لوگ ہیں، ہم نے بڑی دقت نظر سے آپ کو پرکھا ہے، اس کے بعد ہم آئے ہیں، عزم کر کے آئے ہیں، تعین مقصد لے کر آئے ہیں مگر جہاں تعریف کرتے ہیں، وہاں

چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر
کہ زہر بھی کرتا ہے کبھی کارِ تریاقی

تاہم ہماری جو تنقید ہو گی، وہ سیاسی نہیں ہو گی، وہ تنقید تعمیری ہو گی، محبت والی ہو گی، برادرانہ ہو گی، ملک کے لئے ہو گی، اسلام کے لئے ہو گی، آپ کی قوت کے لئے ہو گی اس لئے کہ آپ کی قوت، ہماری قوت ہے، ہم آپ کی قوت کو بڑھانا چاہتے ہیں میں ایک چھوٹی سی غلط فہمی رفع کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ توحید اسلام میں ہے لیکن توحید ہی اسلام نہیں ہے، اخلاق بھی ایمان ہے لیکن اخلاق ہی ایمان نہیں ہے۔

Marfat.com

کروڑوں لوگ ایسے ہیں جو خدا کو ایک کہتے ہیں لیکن ہیں کافر، کروڑوں لوگ ہیں جو کبھی شراب نہیں پیتے...... کبھی زنا نہیں کرتے لیکن ہم کہتے ہیں وہ کافر ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے یہ کہ وہ خدا کو تو مانتے ہیں اخلاقیات کو بھی مانتے ہیں لیکن مصطفیٰ ﷺ کو نہیں مانتے۔ تو یہی وہ نکتہ تھا جو قائداعظم نے اسلام کا تصور قومیت پیش کیا جس کے لئے ہم آئے ہیں کہ قومیں ایسے بنتی ہیں۔ جب یہ فتنہ پہلے اٹھا اکبر کے زمانے میں تو ایک وقت کا قلندر اٹھا بخت کا سکندر اٹھا...... جس کے متعلق اقبال نے کہا۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمئ احرار

حضرت امام ربانی نے کہا، مجدد الف ثانی نے کہا، قومیں نسب سے نہیں بنتیں، قومیں وطن سے نہیں بنتیں، قومیں تو تصورِ نبوت سے بنتی ہیں۔ یہ وہ آواز تھی جس نے اکبری ایوان کو پاش پاش کر دیا۔ یہی بات اس دور میں پھر سامنے آتی ہے، قائداعظم کو گاندھی نے کہا بھائی نسل ایک ہے، قوم ایک ہے، ''پٹیل'' نے کہا بھائی وطن ایک ہے، قوم ایک ہے، ''جواہر لال نہرو'' نے کہا بھائی بولی ایک ہے، قوم ایک ہے۔ فرمایا تم غلط کہتے ہو ہر چیز ایک ہے، لیکن چونکہ نبی ایک نہیں اس لیے قوم ایک نہیں یہی وہ تصور تھا جو صوفیاء نے پیش کیا اسی تصور کی اطاعت کے لیے ہم یہاں آئے ہیں، اسی تصور پر پاکستان معرض وجود میں آیا۔

Marfat.com

در دلِ مسلم مقام مصطفیٰ
آبروئے ما ز نام مصطفیٰ

تو مرکزی نقطہ مصطفیٰ ﷺ کی ذات ہے۔سوئے اتفاق یہ ہوا کہ علماء کی محفل میں جو قرارداد منظور ہوئی اس میں یہ تھا کہ خدا، مصطفیٰ ﷺ،صحابہ کرام،اہل بیت اطہار کے ناموس کا تحفظ کیا جائے گا لیکن ہمیں جو مسوّدہ اخبار کے ذریعے پہنچا اس میں مصطفیٰ ﷺ کی ذات کا نام نہیں۔اس سے شدید غلط فہمی پیدا ہوئی کیونکہ مقام مصطفیٰ ﷺ کا تحفظ نہ ہو تو ملک،قوم،مذہب کسی چیز کا تحفظ ممکن نہیں۔اگر یہ غلط ہے تو اسے درست ہونا چاہیے۔باقی اگر کوئی یہ کہے کہ بھائی نبی کی توہین کون کرتا ہے تو میں کسی کو نامزد نہیں کرتا۔لیکن میں مثال پیش کرسکتا ہوں کہ اس ملک میں بدقسمتی سے نبی کریم ﷺ کی توہین ہوتی ہے۔یہاں تحفظ ناموس رسالت کا قانون ہونا چاہیے اور گستاخ رسول کو قتل کر دینا چاہیے۔ہم اصولی طور پر یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نبی کریم کی ذات گرامی کا اتنا مقدس مقام ہے کہ ہر گناہ کی توبہ قبول ہوسکتی ہے لیکن جو مصطفیٰ ﷺ کی بارگاہ میں گستاخی یا بے ادبی کرتا ہے اس کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی۔

اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ [۱]

یعنی اگر نبی کی آواز سے آواز بھی اونچی ہوگی تو تمام اچھے اعمال کا اجر بھی جاتا رہے گا۔یہ وہ تقدس ہے ذاتِ مصطفیٰ کا،جو قرآن نے پیش کیا ہے۔اس کی پاسداری ہمارے اور آپ کے ذمے ہے۔ہمیں بھی پرسش ہوگی لیکن سب سے پہلے آپ سے ہوگی کیونکہ آپ صاحبِ اقتدار ہیں۔

صدرِ محترم!مشکلات کے باوجود آپ نے اسلامی نظام کے سلسلے میں جو معمولی سی پیش رفت کی ہے وہ قابل داد ہے۔لیکن اس رفتار پر ہم زیادہ مطمئن نہیں ہیں۔

---

۱ الحجرات،۴۹:۲

Marfat.com

اس رفتار کو آپ تیز تر کر دیں۔ زندگی میں ایسا کام کر جائیں، ایسی بنیاد رکھ جائیں کہ قیامت تک یہ کام باقی رہے۔ ہم بھی یہ چاہتے ہیں کہ اپنی زندگی میں ہم اسلامی نظام کو رائج ہوتا دیکھیں۔

آخر میں یہ پھر عرض کروں گا کہ تجاویز تو بہت آ چکی ہیں لیکن چند گذارشات میری بھی ہیں انہیں سماعت فرمائیں۔

○...... پہلی یہ کہ اس ٹوٹل وار کے زمانے میں اگر کم از کم شہری دفاع کی تعلیم و تربیت سب کیلئے لازمی کر دی جائے تو اس سے ڈسپلن پیدا ہوگا، نظم و ضبط پیدا ہوگا اور اطاعت کا جذبہ پیدا ہوگا اور خود اعتمادی پیدا ہوگی۔ ایسی تربیت سکولوں، کالجوں میں لازمی طور پر ہونی چاہئے۔

○...... دوسری چیز یہ ہے کہ ہمیں دوسری قوموں سے مانگنا پڑتا ہے جسے ہماری غیرت گوارا نہیں کرتی، اس مسئلہ پر زیادہ توجہ دینا چاہیے کہ ہم خورد و نوش او ر بنیادی ضروریات زندگی میں خود کفیل ہو جائیں۔ علاوہ ازیں آرام پرستی اور تعیش کی چیزوں پر پابندی لگائی جائے۔ جب تک ہم تعیش کو نہ چھوڑیں گے ہماری بنیادی ضرورتیں پوری نہیں ہوں گی۔ اس کیلئے ہمیں سادگی اختیار کرنی چاہئے۔ لیکن ضروری ہے کہ سادگی اُوپر سے شروع ہو اور اس کے لئے جس چیز کی صورت ہے وہ امر و نہی بالقوۃ ہے۔ اکبر الہ آبادی نے مزاح کے انداز میں کہا تھا کہ

ہنس کے قیصر نے یہ فرمایا جنابِ پوپ سے
وعظ ہم بھی کہتے ہیں لیکن دہانِ توپ سے

کہ جناب پوپ صاحب آپ وعظ کرتے ہیں زبانی، مانتا کوئی نہیں۔ ہم توپ سے کہتے ہیں سارے مانتے ہیں۔ قرآن مجید کے ارشاد تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ

تَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ [۱] میں یہی نکتہ ہے حکومت کا فریضہ ہے کہ بالقوہ بُرے کام کو روکا جائے اور بالجبر جو، اوامر ہیں ان کو رائج کیا جائے۔

صدر محترم! میں یہ عرض بھی کروں گا کہ آپ بحیثیت صدر اگر کبھی کبھی کسی بڑی مسجد میں جمعہ کے موقع پر خطاب بھی کریں جس میں دینی اور قومی مسائل پر بھی گفتگو ہو اور یہ خطاب اسلام آباد سے نشر ہو۔ ساری قوم سنے کہ ہمارے صدر محترم خطبہ دے رہے ہیں تو قوم سے آپ کا رابطہ بھی ہوگا اور اسلام کی نشر واشاعت بھی ہوگی اسی طرح آپ کے نائبین صوبوں اور ضلعوں اور مرکزی شہروں میں خطبے دیں جس کا پوری قوم پر خوشگوار اثر پڑے گا۔

o...... تیسری چیز تعلیمی اصلاحات ہیں۔ اس سلسلے میں میری گذارش یہ ہے کہ اسلام واحد مذہب ہے جس کے آقا اور رہبر نے یہ تعلیم دی کہ تعلیم اس وقت شروع کرو جب بچہ پیدا ہو۔ کسی مذہب نے یہ نہیں کہا اور میں حیران تھا کہ جب بچہ زبان نہیں جانتا، نہ ماں کو پہچانتا ہے، نہ باپ کو پہچانتا ہے اس وقت اس کے کان میں پہلا کلمہ یہ کہا جاتا ہے اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشھد ان لا الہ الا اللہ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تعلیم کا مقصد کیا ہے۔ تعلیم کا مقصد ہے نظریہ زندگی سے آشنا کرنا...... تعلیم کا مقصد ہے مسافر کیلئے منزل کا تعین کرنا...... تعلیم کا مقصد ہے کہ انسان کو بتایا جائے کہ تیری علت تخلیق کیا ہے۔ تو حکم یہ ہوا کہ جب بچہ پیدا ہو تو سب سے پہلا کام یہ کیا جائے کہ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہی جائے۔ تو جب میں نے سوچا کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ تو ویانا یونیورسٹی کی نفسیات کی ماہر ڈاکٹر بوہلڈ کڑی کی ایک تھیوری میرے سامنے آئی جس نے پچیس سال کی تحقیق کے بعد یہ تھیوری پیش کی تھی اور اس کو خاصا انعام ملا تھا۔ اس نے کہا کہ جب بچہ پیدا ہو تو تعین کے ساتھ

---

[۱] آل عمران، ۳:۱۱۰

مقصدی آواز جو پہلی مرتبہ اس کے کان مین پڑے گی، اس کا اس کے نظام عصبی اور دماغی پر مدت تک اثر رہے گا۔ اس سے میرا ایمان تازہ ہوا کہ صدیوں کے بعد نفسیات کے ماہروں کو یہ پتہ چلا کہ پہلی آواز کا کیا اثر ہوتا ہے؟

پہلی نظر بھی آپ کی کیسی بلا کی تھی
ہم آج تک وہ چوٹ ہیں دل پہ لیے ہوئے

لیکن کملی والے مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا کہ جب تیرے ہاں بچہ پیدا ہو تو پہلا کام یہ ہو کہ اس کے کان میں اذان کہی جائے۔ اس سے زیادہ اذان کی اہمیت، دعوت اسلام کی حقانیت اور تعلیم کی جامعیت اور کیا ہوگی؟

حضور ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا [۱] ...... میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

o ...... اور ہم بڑے شوق سے کہتے ہیں کہ گریٹ وار کے زمانے میں انگریزوں نے کچھ بچے کشمیر میں بھیج دیئے۔ انہوں نے کہا کہ ساری نسل مٹ جائے لیکن ہمارے یہ بچے جو بچ گئے اور اگر انہیں صحیح تعلیم مل گئی تو ہماری نئی نسل پھر وہی ہوگی جو ہم ہیں۔

o ...... لیکن میرے کملی والے مصطفیٰ ﷺ کا جنگ بدر میں اور جنگ احد میں اسوہ حسنہ یہ تھا کہ جو قیدی دس بچوں کو پڑھا، لکھا دے وہ آزاد ہے، یہ فدیہ تھا۔ تعلیم پر میرے کملی والے نے اتنا زور دیا ہے۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ ذہن اور دل بدلنے کے لئے ابتدائی تعلیم بڑی چیز ہے ہمیں اس پہ خاص زور دینا چاہئے اس سلسلے میں ہم نے یہ قرارداد مرتب کی ہے کہ مشائخ عظام کا یہ کنونشن نصاب تعلیم میں بنیادی اسلامی تعلیمات کو شامل کرنے کا مطالبہ کرے۔

o ...... اب رہا اساتذہ کا کردار تو صدر گرامی! مجھے اب تک یاد ہے جن استادوں سے

۱۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۲۲۹

Marfat.com

میں پڑھتا رہا ہوں، ان کا کردار میرے لاشعور میں اب تک موجود ہے۔ تعلیم میں صرف کتاب کام نہیں کرتی بلکہ استاد کی سیرت بڑا کام کرتی ہے۔ اساتذہ کے انتخاب میں سیرت، کردار اور اسلام سے ان کے شغف کو تقرر اور ترقی کے لئے زینہ قرار دیا جائے اور سکولوں اور کالجوں میں باجماعت نماز کا اہتمام کیا جائے۔

o...... ایک اور مسئلہ مزدور اور کسان کا ہے جسے اسلام دشمن اور وطن دشمن لوگ ایکسپلائٹ کرتے ہیں۔ میری درخواست ہے کہ اسلام نے مزدور کو جو تحفظ دیا ہے جو مرتبہ دیا ہے، وہ کسی مذہب میں نہیں ہے۔ میرے کملی والے آقا نے مٹی کی ٹوکری اٹھائی ہے...... صدیق اکبر نے کدال لے کر مٹی کھودی ہے...... جناب فاروق اعظم نے گارا تیار کیا ہے...... جناب عثمان غنی نے دیوار کو لیپا ہے...... سیدنا علی پاک نے پتھر اٹھائے ہیں۔ آج کوئی امیر کار میں بیٹھ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ میں چرچل کا ساتھی ہوں، کوئی کہہ سکتا ہے کہ میں امریکہ کے پریذیڈنٹ کا ساتھی ہوں، لیکن ہمارا مزدور مٹی کی ٹوکری اٹھا کر کہہ سکتا ہے کہ میں مصطفیٰ ﷺ کا ساتھی ہوں۔ تو جناب مزدورں کے متعلق آپ خاص توجہ فرمائیں کیونکہ انہیں ایکسپلائٹ کیا جاتا ہے۔ ان کے لئے بہتر تعلیم، بہتر معاوضے، ان کے لئے بہتر طبی سہولتیں مہیا کی جائیں۔ علاوہ ازیں کسان اور زمیندار کا مسئلہ بھی طے کیا جائے کیونکہ اسلام میں طبقاتی جنگ کوئی نہیں ہے۔

o...... صدر ذی وقار!...... آخر میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ یہ دور بلاشبہ مسلم قوم کی نشاۃ ثانیہ کا دور ہے۔ لیکن زندگی کے مراحل طے کرنے میں وہ سخت قسم کی ذہنی کشمکش سے دوچار ہے۔ نفاذ اسلام کے عمل میں معاشی اور معاشرتی اصلاحات خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔ حدود و تعزیرات اپنی جگہ پر حق ہیں مگر یہ سزا تو ہیں...... دوا...... نہیں...... پرہیز تو ہیں...... غذا نہیں۔ مریض جاں بلب ہے، معاشرہ ظلم و

استحصال کی چکی میں پس رہا ہے، غریب نان جویں کیلئے ترس رہے ہیں۔ ہمارے حکمران وسیاستدان ہنگامی وسیاسی مصلحتوں میں مبتلا ہیں۔ میں کہتا ہوں جب مزاج میں تلخی کے سبب مریض دوا پینے سے انکار کردے اور ضد میں آکر طبیب کی ہدایت کے برعکس خود ہی مرضی کی غذا استعمال کرنے لگے تو جو اس کا حشر ہوگا وہ کسی بھی اہل نظر سے مخفی نہیں۔ جب شاخ ہی پر دوسروں کا قبضہ ہو جائے گا تو اس پر آشیانہ کیسے برقرار رہ سکے گا۔

تجھے اے بلبل رنگین نوا سوجھی ہے گانے کی
مجھے ہے فکر دامن گیر تیرے آشیانے کی

دو امر خاص طور پر فوری توجہ کے متقاضی ہیں اور انہی پر نفاذ اسلام کی گاڑی تیز رفتاری سے منزل کی طرف بڑھ سکتی ہے۔ پہلا امر یہ ہے کہ

ا...... معاشرتی جرائم (سوشل کرائمز) کا فوری طور پر قلع قمع کیا جائے۔

دوسرا امر یہ ہے کہ

۲...... عدالتوں میں انصاف مفت اور فوری مہیا کیا جائے۔

اس کے بعد قوم از خود اسلامی اصلاحات پر عمل پیرا ہونے کے جذبے سے سرشار ہو جائے گی (انشاء اللہ) اور یہ حکیمانہ آپریشن ہی معاشرتی انارکی اور معاشی ناہمواری کا واحد علاج ہے۔ آج کاروان امت کو جس جام حیات کی تلاش ہے وہ آپ کے پاس موجود ہے۔ جرأت رندانہ کی ضرورت ہے۔ ہمت کیجئے خود بھی پیجئے اور اہل پاکستان کو بھی پلایئے۔ حکومت کی پروانہ کیجئے ...... یہ آنی جانی چیز ہے، اللہ جلّ وعلا اور اس کے رسول برحق کو راضی کر لیجئے کہ یہ دو جہان کی حکمرانی ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اسلامی طرز انتخاب

آخر میں ایک فیصلہ کن اصلاح کی نشاندہی بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ:

ہمارے ملک میں مغربی طرز انتخاب کے بجائے اسلامی طرز انتخاب رائج ہونا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ موجودہ طریقہ انتخاب مغربی جمہوریت کا شجرہ خبیثہ ہے جو انتہائی غلط اور بوگس ہونے کے ساتھ ساتھ سرمایہ دار طبقے کا کھیل ہے۔ جس میں ضمیر خریدے جاتے ہیں، آراء فروخت ہوتی ہیں، غریبوں کا استحصال ہوتا ہے۔ اس طریق انتخاب میں اچھے اور برے، شریف اور رزیل، عالم اور جاہل، دانشور اور بے دانش میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔

جمہوریت ایک طرز حکومت ہے جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

ضرورت دراصل کسی ایک شعبے میں اصلاح کی نہیں بلکہ پورے معاشرے کو یکسر بدل دینے کی ضرورت ہے۔ یہ معمولی اور جزوی اصلاحات قابل قدر تو ہیں، کافی نہیں، کنویں سے پانی تو نکالا جا رہا ہے مگر کتا ابھی اندر ہی ہے۔

ہم بدلنا چاہتے ہیں نظم میخانہ تمام
آپ نے بدلا ہے لیکن صرف میخانے کا نام

صدر محترم!

آپ کے پاس نشر و اشاعت کے میڈیا افسر ہیں وہ بہت اہم ہیں ان کی طرف بھی آپ توجہ فرمائیں تاکہ ٹیلی ویژن پر جو پروگرام آئیں وہ تعمیری ہوں۔ اس پر ایک پروگرام چل رہا تھا آخری چٹان، جو اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل تھا۔

Marfat.com

ایسے پروگراموں سے لطف بھی حاصل ہوتا ہے اورنئی نسلوں کی تربیت بھی ہے۔

اپنی تقریر کے اختتام سے پہلے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں، ان اکابر کی طرف سے جو صاحب نظر بھی ہیں اور اہل دعا بھی اور جن کے ساتھ دین مصطفیٰ ﷺ کا کام کرتے وقت لاکھوں افراد بھی ہیں کہ ہماراتن من دھن آپ کے ساتھ ہوگا۔ ہم آپ کے رفیق نہیں ہوں گے بلکہ آپ کے رضا کار ہوں گے۔ آپ نظام مصطفیٰ ﷺ کا کام کریں گے تو جہاں آپ کا پسینہ گرے گا وہاں ہمارا خون گرے گا۔

Marfat.com

اِسلامی آئین کے پیشِ نظر

امیر کا مقام

امیر کے مرکزی کردار کے تصور کے بغیر اسلامی سوسائٹی کا تصور ہی ممکن نہیں۔ سوسائٹی معاشرہ یا قوم منتشر اور غیر مربوط افراد کے مجموعے کا نام نہیں بلکہ ایسے افراد کے مجموعے کا نام ہے جو کسی مقصد مشترک کے پیش نظر باہم دیگر پیوست ہوں اور ایک قدر مشترک کے پیش نظر جن میں فکری اور عملی ہم آہنگی پائی جائے۔ یہ مقصد وحید اور قدر مشترک رنگ، نسل، زبان، وطن اور مذہب میں سے کسی ایک کو بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن بہر حال اس مفروضہ کی اہمیت اپنے مقام پر قائم رہتی ہے کہ ایک قوم کے پیش نظر مقصدِ مشترک کا شعوری تصور لازم ہے۔

اسلامی نقطہ نگاہ سے مسلم قوم وہی ہوگی جس کے افراد دین اسلام کے مقصد مشترک کے پیش نظر باہم مجتمع ہوں یہ اجتماع ضروری نہیں کہ کسی جغرافیائی حد بندی کے اندر ہی ہو یا کسی خاص زبان یا نسل کے ذریعہ کی وجہ سے ہو۔ اسلام کے ماننے والے کسی بھی ملک میں مقیم ہوں کوئی سی زبان میں بولیں اور کسی بھی نسل سے متعلق ہوں۔ وحدتِ فکری اور عقیدے کی ہم آہنگی کے پیش نظر اسلامی قوم کے فرد قرار پائیں گے۔ ملت اسلامیہ ایک نظریاتی ملت ہے اور اس لحاظ سے یہ رنگ کی حد

Marfat.com

بندیوں سے ماوراہے۔ یہ حد بندیاں نوع انسانی کے ارتقاء کے دور طفولیت کی یادگار ہیں اور شعور، پختگی کے ایک خاص بلند مقام پر اس وقت پہنچے گا جب ان غیر معقول حد بندیوں کی گرفت سے کامل طور پر آزاد ہو کر فکری اور اصولی حد بندیوں کے دائرہ میں داخل ہو جائے گا۔ اسلام شروع سے ہی ایک اصولی اور نظریاتی رابطے کی دعوت دیتا ہے۔ چنانچہ اسلام کی دعوت کے نتیجے میں جو نظریاتی قوم وجود میں آئی، اس میں ہر طبقے اور ہر نسل کے لوگ یکساں اہمیت کے حامل تھے اور ان میں رنگ نسل یا اقتصادی اختلاف کی بنا پر کوئی بھی مغائرت موجود نہ تھی۔

چنانچہ وہاں صہیب رومی بھی تھے اور سلمان فارسی بھی، بلال حبشی بھی تھے اور ابوبکر قریشی بھی۔ وہاں ابوہریرہ جیسے مفلس بھی تھے اور عثمان جیسے غنی بھی، وہاں سادہ لوح بدوی بھی تھے اور فصیح وبلیغ شاعر بھی۔ لیکن اسلام کی قدر مشترک نے ان کو تسبیح کے دانوں کی طرح ایک ہی رشتہ اخوت میں پرو رکھا تھا۔ وحدتِ منزل نے ان کے فکر وعمل میں ایک ہم آہنگی پیدا کر رکھی تھی۔ ان میں فکری واسطہ تھا اور قلبی رابطہ۔ جب نصب العین ایک ہو تو یہ رابطہ پیدا ہو ہی جاتا ہے۔ اور منزل ایک ہو تو مسافروں میں ہمسفری کا رشتہ خود بخود استوار ہو جاتا ہے۔ وحدتِ عمل سے مساوات وجود میں آتی ہے اور باہمی تعاون سے اخوت ابھرتی ہے۔

اب اس اصولی سوسائٹی کے افراد میں باہمی ربط وضبط قائم رکھنے، ان کی نظریاتی ہم آہنگی کو پوری طرح بروئے کار لانے، حصول مقصد کے راستے کے موانعات کو ہٹانے کیلئے ایک ہیئتِ حاکمہ کی بھی خاصی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کے بغیر نہ تو حصول مقصد کی آسانیاں حاصل ہوتی ہیں۔ اور نہ ہی حصول کے لئے پوری جدوجہد کے وسائل مہیا ہو سکتے ہیں۔ خارجی تخریب سے بچنے کیلئے داخلی تنظیم ضروری ہوتی ہے۔ حصول مقصد کے لئے بھرپور اور منظم کوشش کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ سبھی

Marfat.com

کچھ ایک مضبوط ہیئتِ حاکمہ کو چاہتا ہے۔ یہ موجود نہ ہو تو قوم نہ تو باوقار طریق پر زندہ رہ سکتی ہے اور نہ کامیابِ منزل ہو سکتی ہے۔

اس ہیئت حاکمہ کا وجود ایک خاص مقصد کے حصول اور ایک خاص مدعا کی تکمیل کیلئے ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے اس ہیئت حاکمہ کی افادیت کی سب سے پہلی شرط یہ ہوگی کہ کیا وہ اس مقصد اور مدعا کی تکمیل کی کما حقہ اہل ہے؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہو تو پھر معاملہ صاف ہے اور اگر نفی میں ہو تو پھر یہ ہیئت حاکمہ بھی سب سے مضر چیز قرار پاتی ہے۔ یہ ایک قطعی معیار ہے اور یہی حتمی کسوٹی ہے، جس پر اسلامی حکومت کی موزوں حیثیت یا غیر موزوں حیثیت کو پرکھا جا سکتا ہے۔

اسلامی نقطہ نگاہ سے حکومتِ اسلامی کی تشکیل کا مسئلہ جب بھی زیر بحث آتا ہے تو سب سے پہلے طریق انتخاب پر ہی بحث ہوتی ہے۔ حالانکہ طریق انتخاب تو حصول مقصد کے مختلف ذرائع سے ایک ذریعہ ہے۔ انتخاب کے مختلف طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے بھی صحیح مقصد کا حصول ممکن ہو سکتا ہے۔ اگر رائے دہندگان خود نیک اور باشعور ہوں تو یہ مدعا کسی بھی طریق انتخاب کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ باشعور سے میری مراد یہ ہے کہ وہ اپنے نصب العین سے نہ صرف واقف ہوں بلکہ مخلصانہ طریقہ پر اس کے حصول کے خواہش مند بھی ہوں۔ اگر یہ ذہن وفکر موجود ہو تو ایک ناقص طریقہ انتخاب بھی رائج کر دیجئے۔ اس کے باوجود بھی حصول مقصد کامیابی کے ساتھ ممکن ہوگا۔

لیکن اگر نصب العین کا ہی علم نہ ہو اور اگر ہو بھی لیکن اس کے حصول کی تڑپ نہ ہو یا اپنے محدود و مخصوص مفاد نصب العین سے زیادہ عزیز ہوں تو پھر ایک معیاری اور مکمل طریق انتخاب کے باوجود حاصل انتخاب بے مدعا، غیر موزوں اور غیر مفید ہی ہوگا۔ اگر نیتیں نیک ہوں اور عزائم درست ہوں تو وسائل کی ناتمامی سے بھی کچھ نہیں

Marfat.com

بگڑ پاتا۔لیکن اگر شروع سے زاویہ نگاہ غلط ہوتو وسائل کی افادیت بھی ختم ہوکر رہ جاتی ہے۔ایک نظریاتی قوم میں اصلی مقصد تو یہی ہوتا ہے کہ ایسا حاکم برسر اقتدار لایا جائے جواس قوم کے مخصوص نصب العین کے حصول اور تکمیل کیلئے سب سے زیادہ موزوں ہو۔وہ اپنے اخلاص،تقویٰ،ایثار اور عدل میں مثالی کردار کا مالک ہو۔یعنی جن مقاصد عالیہ کو بروئے کار لانے کیلئے اس کو اقتدار سونپا گیا ہے،ان کا سب سے زیادہ عملی طور پر علمبردار ہو۔اس کے کردار میں کوئی بھی خامی ایسی نہ ہو جوان کے مقاصد اعلیٰ کے حصول میں رکاوٹ بن سکے اور وہ خوبی موجود ہو جو خصوصی نصب العین کی یافت میں مفید ثابت ہوسکتی ہو۔اسلامی اصطلاح میں یہ تقویٰ کا مقام ہوتا ہے اور مجسم عزت وتکریم کا حقدار بھی ہوتا ہے جواس مقام تقویٰ پر فائز ہو۔اور سب سے مکرم وہی ہوگا جو سب سے زیادہ متقی ہوگا،اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللهِ اَتْقَاکُمْ

پس ایسے ہی متقی کو برسر اقتدار لانا صحیح اسلامی انتخاب ہے اور یہی دستور اسلامی کی اساس ہے۔اگر بنیادی اور اصولی نکتہ ہی نظر انداز ہوجائے،تو پھر دستور کی تمام کڑیاں درہم وبرہم ہوکر رہ جاتی ہیں۔اسلامی دستور کوئی معین لفظوں کی ایک معین ترتیب کا نام تو نہیں،بلکہ وہ صرف قطعی نصب العین کی وضاحت کے پیش نظر اس کے حصول کیلئے ایک منظم سعی اور اس سعی میں مصروف افراد کی ذمہ داریوں کے تعین کا نام ہے۔اور چونکہ امیر یا حاکم اعلیٰ ہی اس تنظیم کی جان ہوتا ہے،اس لئے اس کی خصوصیات اور فرائض کا تعین اور تشریح ہی اسلامی دستور کی جان ہے۔

ایسا حاکم خواہ نامزدگی سے مہیا ہوسکے یا انتخاب عام سے،یہ شورائی نظام کا نتیجہ ہو یا کسی اور طریقہ کار کا۔بہرحال اگر یہ مقصد حاصل ہوجاتا ہے اور صحیح فرد صحیح مقام پر پہنچ جاتا ہے تو انتخاب اسلامی ہے۔کہیں اگر بظاہر بہتر سے بہتر طریقہ انتخاب کے نتیجہ کے طور پر بھی یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا اور غلط آدمی برسر اقتدار آجائے تو انتخاب غلط

Marfat.com

ہے اور غیر اسلامی۔ اسلامی اور غیر اسلامی کا فتویٰ صرف وسیلہ کے پیش نظر ہی نہیں لگتا بلکہ نتیجہ کے پیش نظر لگتا ہے۔ کیونکہ وسیلہ بھی صرف صحیح نتیجہ کے حصول کے لئے ہی مقصود ہوتا ہے اور جو بھی موزوں وسیلہ مقصد صحیح تک پہنچادے وہ درست ہے۔

پس جب ایسا فرد برسر اقتدار آجائے، جو ان سب خصائص کا حامل ہو، جو اسلامی ضابطہ حیات رائج کرنے کیلئے لازم ہیں تو پھر اس کو زیادہ سے زیادہ با اختیار بنانا ہوگا تاکہ وہ بسہولت تمام پوری قوت سے اپنے نظریات کو بروئے کار لا سکے۔ اس کی راہ میں سے دفتری اور رسمی رکاوٹیں حتی الامکان کم کردی جائیں۔ انتظامی ہیئت پر اس کا پورا پورا اختیار ہو اور کوئی بھی ایسا معاملہ موجود نہ ہو جو خواہ مخواہ اس کے اختیار کار کو سست کردے اور اس کے کندھوں پر خواہ مخواہ کا بوجھ بن کر رہ جائے۔ رائج الوقت مغربی جمہوریت کا سب سے بڑا نقص یہی ہے کہ وہ بہت سست ہوتی ہے۔ ضابطہ اور اصطلاحی پابندیوں کی اتنی بھرمار ہوتی ہے کہ کام کی تکمیل ہی مشکل ہو جاتی ہے۔ پھر جمہوری نظام برپا کرنے والوں کے سامنے کوئی قطعی اور مستقل نظریہ انتخاب بھی نہیں ہوتا۔ ان کے ہاں تو کثرت رائے کا نام ہی سچائی ہے۔ کثرت رائے سے طے شدہ عوامی فیصلہ ہی قطعی ہوتا ہے۔ پس اسی کو رائج کرنا ہی جمہوری ہیئت حاکمہ کا فریضہ ہوتا ہے۔ پھر انتخابی حلقوں کا تعین اور انتخابی نتائج کے بعد بات بات پر منتخب اراکین کے اجتماعات کا انعقاد، پھر ان اجتماعات میں بات بات پر طویل اور غیر ضروری بحثیں، یہ ایک ایسا طریق کار ہے جس کی موجودگی میں نہ تو حق کا حصول ممکن ہے اور نہ ہی مستعدی اور تیزی سے کوئی مسئلہ طے کیا جا سکتا ہے۔ سوسائٹی پر جمہوری اداروں کا اقتصادی بوجھ ایک بے مصرف چیز ہے جو بہرحال مفید نہیں۔ پھر جس رفتار اور جس انداز سے کام ہوتا ہے وہ بھی محلِ نظر ہے۔ غرض یہ کہ اسلامی نقطہ نگاہ سے رائج الوقت جمہوری نظام نہ تو اصولی طور پر اور نہ ہی عملی طور پر مفیدِ مطلب ہو سکتا ہے۔

اسلامی سوسائٹی کے اپنے مخصوص نظریات ہوتے ہیں اوران کے پیش نظراس کا اپنا مزاج بھی ایک خاص انداز کا ہوتا ہے۔ جب منزلیں مختلف ہوں توراستے خود بخود الگ ہوجاتے ہیں ۔ جب مقاصد میں اختلاف ہوتو وسائل میں یکجہتی کیسے ہوسکتی ہے؟۔ ہرفرداور ہرقوم کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔دوسروں کے مزاج کے تقاضوں پرمبنی طرزِ حیات اور ہیئت حاکمہ مختلف المزاج قوم کے لئے کبھی بھی موزوں نہیں ہوسکتی۔طبائع کے اختلاف کے ساتھ نسخے بدل جاتے ہیں۔ پہلے قوم کے نظریہ حیات کاتعین کیجئے۔ پھر خود بخود اس کے مطابق ہیئت حاکمہ کا تصور ذہن میں آنے لگے گا۔ اوروہ ہیئت حاکمہ ہی ہوسکتی ہے جوفکری اور عملی طور پر اس مخصوص نظریہ کو بروئے کارلا سکے،اوراس کے لئے شرط اول یہی ہوگی کہ اس ہیئت کے اجزائے ترکیبی، یاذمے دار افراد (خصوصاًامیر) اس نصب العین کے سب سے بڑے علمبردار ہوں۔اور انہیں اس نصب العین سے شدید لگاؤ ہو۔اوراسی لگاؤ کے ساتھ ان میں ایسی عملی صلاحیتیں بھی موجود ہوں، جوایک مفکراورایک مصلح میں مابہ الامتیاز ہوتی ہیں۔

Marfat.com

اسلامی اتحاد کے وسائل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا [۱]

ہمارا موضوع اسلامی اتحاد کے وسائل پر غور ہے۔ اتحاد انسانی کے کچھ اور ذرائع بھی ہیں لوگ ان کو آزماتے بھی ہیں اور استعمال میں لاتے ہیں اور کچھ وقت کے لئے، ایک عارضی اور مصنوعی اتحاد و یگانگت کو حاصل بھی کر پاتے ہیں۔ لیکن انجام کار یہ اتحاد ہی فساد کا پیش خیمہ اور یہ غیر طبعی طریقۂ علاج ہی ازدیادِ مرض کا باعث بن جاتا ہے۔ اتحاد ایک قوت ہے، اگر یہ کسی غلط مقصد کے لئے استعمال ہوگی تو انتہائی مضر ہوگی، اور اگر صحیح مقصد کے لئے صحیح طریقہ پر استعمال ہوگی تو انتہائی مفید ہوگی۔ آیئے! ذرا غلط مقاصد کے لئے غلط انداز میں اتحاد کی کوششوں اور طریقوں کا تنقیدی جائزہ لیں تاکہ اسلامی اتحاد کے ذرائع کا صحیح حسن و جمال اور صحیح خدوخال واضح ہوسکیں۔

لوگ عموماً وحدتِ لسانی، اشتراک وطنی، تعلق نسلی یا مشابہتِ صوری کی بناء پر متحد ہوتے ہیں اور انہی غیر حقیقی اور مصنوعی تصوراتِ وحدت کی بناء پر، قومیت کی تعمیر کرتے ہیں۔ اور اس تعمیر کی استواری کے لئے ان امور کی عصبیت پر زیادہ سے زیادہ زور دیتے ہیں تاکہ افراد اس نظریے سے زیادہ سے زیادہ محبت کرسکیں اور اس نظریے

۱۔ ال عمران، ۳: ۱۰۳

کو بہر حال اپنائیں اور اس سے انحراف اور بغاوت نہ کر پائیں تا کہ وحدت اور قومیت کا ڈھانچہ قائم رہے اور انسان اس مصنوعی اتحاد کی عارضی قوت سے بہرہ یاب ہوں اور یہ قوت، عمل اور ایثار کے جذبات کے لئے مہمیز کا کام دیتی ہے۔

تاریخ کے عہد قدیم سے لے کر آج تک وحدت انسانی اور تصور قومیت کے عناصر ترکیبی کا اگر آپ جائزہ لیں تو آپ کو یہی وطنی، نسلی، لسانی، لونی اور معاشی اجزائے ترکیبی ہی ملیں گے، جن کے امتزاج سے انسانی اتحاد کی عمارت تعمیر ہوئی۔ اب سے دو تین ہزار سال پہلے یونانیت، رومیت، ایرانیت، اسرائیلیت انہی بنیادوں پر قائم تھیں اور آج بھی انگریزیت، جاپانیت، اطالویت، جرمنیت اور فرانسیت کے تصوراتِ قومیت بھی انہیں بنیادوں پر قائم ہیں۔

ان قوتوں نے بے شک انسانی شیرازہ بندی بلکہ گروہ بندی میں بڑا مؤثر کردار ادا کیا اور انسانوں کو بڑی قوت کے ساتھ مختلف حلقوں میں مضبوط زنجیروں سے باندھ کر مرکوز کر دیا ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ غیر طبعی گروہ بندی، عمومی وحدت انسانی کے لئے شدید مصیبت بن گئی ہے اور دائمی شر و فساد کی علت بن گئی ہے۔ انسانی وحدت اور نظریاتی یگانگت کے فطری اور ابدی تصور کو ان متفرق اور غیر حقیقی گروہ بندیوں سے شدید نقصان پہنچا ہے۔ اور ایک دائمی کش مکش اور جنگ وجدال کی صورت حال پیدا ہوگئی ہے۔ جس سے رستگاری بظاہر بہت ہی مشکل نظر آتی ہے۔ اتحاد کے ان غلط اصولوں پر مبنی غلط وسائل نے عالم انسانی کو سینکڑوں ہزاروں حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اور حصے بھی ایسے کہ ایک حصہ فنا کیا جا سکتا ہے لیکن دوسرے حصے میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا، ایک نسل دوسری نسل میں نہیں بدل سکتی ایک وطن دوسرا وطن نہیں بن سکتا، ایک زبان کے بولنے والے دوسری زبان کے بولنے والے نہیں بن سکتے، ایک رنگ دوسرے رنگ کی جگہ نہیں لے سکتا، ایک قوم یا گروہ کے معاشی تقاضے

Marfat.com

دوسرے گروہ کی معاشی اغراض کا بدل نہیں بن سکتے ایک سلطنت کبھی دوسری سلطنت نہیں بن سکتی۔ نتیجہ یہ ہے کہ اتحاد کی جو گروہ بندیاں ان بنیادوں پر تعمیر ہوتی ہیں۔ ان کے درمیان مصالحت کی کوئی سبیل نہیں نکل سکتی، قومی عصبیت کی بناء پر وہ باہم دگر مسابقت، منافقت اور مزاحمت کی ایک دائمی کش مکش میں مبتلا رہی ہیں۔ ایک دوسرے کو پامال کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ آپس میں لڑلڑ کر فنا ہو جاتی ہیں اور پھر دوسری قومیں ایسے ہی ہنگامے برپا کرنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوتی ہیں اور یوں یہ شروفساد دائمی طور پر انسانی امن اور اتحاد کو پارہ پارہ کرتا رہتا ہے اور چند افراد کی اتحاد کے نام پر گروہ بندی مستقل فساد کا پیش خیمہ بن جاتی ہے اور تخریب کا یہ عمل امن وآشتی، اتحاد وسلامتی کی کوششوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتا ہے۔

غلط نظریاتِ اتحاد پر مبنی گروہ بندی کا فطری اقتضا یہ ہے کہ وہ انسان میں جاہلانہ عصبیت پیدا کرے اور وہ ایک قوم کو دوسری قوم اور ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے خلاف بھڑکاتی رہے اور انسانوں میں ہمیشہ کشت وخون اور جنگ وجدال کی صورت حال پیدا کرتی رہے۔ اسے حق وصداقت یا دیانت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ ایک شخص کا کالا ہونا ہی اسے گورے کی نظر میں ذلیل بنا دیتا ہے۔ ایک شخص کا ایشیائی ہونا ہی اس بات کا جواز مہیا کر دیتا ہے کہ وہ فرنگی کی نفرتوں اور چیرہ دستیوں کی آماجگاہ بنا رہے۔ جرمن کا جرمن اور فرانسیسی کا فرانسیسی ہونا ہی اس بات کے لئے کافی ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے نفرت کریں۔ برہمن کا برہمن کے گھر میں پیدا ہو جانا ہی اسے یہ حق دے دیتا ہے کہ وہ تمام اچھوتوں کو ذلیل اور ناپاک سمجھے۔ غرض یہ جنسی اور نسلی امتیاز وہ چیز ہے جو انسان کو حق وصداقت کی طرف سے اندھا بنا دیتی ہے اور اس کی وجہ سے عالمگیر اصول اخلاق بھی، رنگ ونسل کے سانچوں میں ڈھل کر، کہیں ظلم اور کہیں عدل، کہیں سچ اور کہیں جھوٹ، کہیں دنائیت اور کہیں شرافت کے الگ الگ

Marfat.com

روپ دھار لیتے ہیں۔ کیا کوئی صحیح الدماغ انسان یہ تسلیم کرسکتا ہے کہ مشرق میں جو چیز حق ہو وہ مغرب میں باطل بن جائے؟...... کیا کسی قلب سلیم میں اس چیز کی گنجائش ہوسکتی ہے کہ نیکی شرافت اور جوہر انسانیت کی رگوں کے خون کو، زبان کی بولی یا مسکن اور وطن کی خاک کے معیار پر پرکھا جائے؟ یقیناً ان سوالات کا جواب عقل، نفی میں دے گی۔ لیکن نسلیت، وطنیت، رنگ اور نسب کے سحر سے مسحور انسان نہایت بے باکی سے کہتے ہیں کہ ہاں ایسا ہی ہے۔ یہ جتنے نظریات جو بظاہر انسانی اتحاد یا تعمیر قومیت کی اساس بنے ہوئے ہیں۔ خود عقلی اور اخلاقی تنقید کی روشنی میں دھواں بن کر اڑ جاتے ہیں۔ پہلے اشتراک نسل کو دیکھئے۔ اس کا نقطۂ آغاز ماں باپ کے مادۂ تولید سے ہوتا ہے۔ جس سے چند انسانوں میں خونی رشتہ پیدا ہوتا ہے جو بتدریج پھیل کر خاندان، قبیلہ اور پھر نسل پر منتج ہوتا ہے۔ اس مقام تک پہنچتے پہنچتے انسان اپنے نسلی مورث سے اتنا دور ہوجاتا ہے کہ اس کی موروثیت محض ایک تعلی اور خیالی مفروضہ بن کر رہ جاتی ہے۔ نام نہاد نسل کے اس موروثی دریا میں بیرونی خون کے ندی نالے بھی شامل ہوتے رہتے ہیں۔ کون یقین سے کہہ سکتا ہے کہ کسی مورث کا خالص خون وارث کی رگوں میں من وعن موجود ہے تو پھر کیوں نہ اس خون کو بنائے وحدت قرار دیا جائے جو درحقیقت نوع انسانی کا نقطہ آغاز ہے اور کیوں نہ آدم وحوا کے رشتہ سے تمام نوع انسان کی وحدت نسلی کو تسلیم کر کے تمام انسانوں کو ایک ہی خاندان کے افراد قرار دیا جائے۔ پھر آریت اور سامیت کی خانہ ساز تفریق سے کیوں اتحاد انسانی کو پارہ پارہ کیا جائے۔ رنگ کا امتیاز انسانی جماعتوں میں سب سے زیادہ لغو اور مہمل چیز ہے۔ رنگ صرف جلد کی صفت ہے اور انسان جلد یا کھال نہیں بلکہ روح ہے۔ اور روح کا کوئی رنگ نہیں پھر انسانوں میں، اسود واحمر، زرد اور سفید کا امتیاز کیسا؟ ہم گائے اور بکری کو ان کے مختلف رنگوں کی بناء پر باہم دگر فوقیت نہیں دیتے'' کیونکہ

Marfat.com

مقصود ان کا دودھ ہے، رنگ نہیں۔ تو پھر انسانوں میں درجہ بندی رنگ ونسل کے بجائے عقل وخرد اور حسنِ اخلاق کی بناء پر کیوں نہ ہو؟ کیونکہ یہ انسان کی جسمانی نہیں عقلی اور روحانی صفات ہیں۔ وطن کے اشتراک کی حقیقت اس سے بھی زیادہ موہوم ہے۔ انسان کی جائے پیدائش کا رقبہ تو گز بھر زمین سے زیادہ نہیں ہوتا، اگر وہ اس رقبہ کو وطن قرار دے لے تو وہ کسی بھی ملک کو اپنا وطن نہیں قرار دے سکتا۔ لیکن وہ اس چھوٹے سے رقبہ کے گرد سینکڑوں اور ہزاروں میلوں تک ایک فرضی اور وہمی سرحدی خط کھینچ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ وہاں تک میرا وطن ہے اور اس سے ماوراء جو کچھ بھی ہے اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ یہ محض انسان کی تنگی نظر ہے، ورنہ کوئی چیز اسے تمام دنیا کو اپنا وطن قرار دینے سے روک نہیں سکتی۔ جس دلیل کی بناء پر ایک مربع گز رقبہ پھیل کر ہزاروں مربع گز رقبہ بن سکتا ہے۔ اسی دلیل کی بناء پر وہ پھیل کر پورا کرۂ ارضی بھی بن سکتا ہے۔ یہ کوہ ودریا اور بحر وبر، حد فاصل نہیں، بلکہ ایک ہی زمین کے اجزا ہیں۔ اگر انہیں حد فاصل کے بجائے رابطۂ وصل سمجھ لیا جائے تو جغرافیائی بُعد سمٹ کر قرب بن سکتا ہے اور ایک وسیع النظر انسان تمام کائنات کو اپنا وطن اور تمام انسانوں کو اپنا ہم وطن سمجھ سکتا ہے۔

ع ہر ملک ملکِ ماست کہ مِلک خدائے ماست

نہ رومی و عربی ، نہ چینی و شامی
سما سکا نہ دو عالم میں مردِ آفاقی

اب رہا لسانی اشتراک کا معاملہ تو اشتراکِ زبان کا فائدہ صرف اس قدر ہے کہ جو لوگ ایک زبان بولتے ہیں۔ انہیں افہام وتفہیم کے زیادہ مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ مگر ادائے خیال کا مشترک ہونا خود خیال کے اشتراک کو مستلزم نہیں۔ ایک ہی خیال دس مختلف زبانوں میں ادا ہو سکتا ہے اور مختلف زبانیں بولنے والوں کا اس ایک

Marfat.com

خیال پر متحد ہو جانا ممکن ہے۔ اس کے برعکس دس مختلف خیال ایک ہی زبان میں ادا کیے جا سکتے ہیں اور اختلافِ خیال کی بناء پر ایک ہی زبان بولنے والے دس مختلف گروہوں میں بٹ کر باہم دگر دست و گریباں ہو سکتے ہیں تو زبان وسیلۂ اظہار تو ہے، وسیلۂ اتحاد نہیں۔ لہٰذا وحدتِ خیال جو حقیقی اتحاد کی جان ہے، اشتراکِ زبان کی محتاج نہیں۔ اسلامی اتحاد اور نظریۂ قومیت کے پیش نظر حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ وحدت خیال کی بناء پر ابولہب اور ابوجہل جیسے ہاشمیوں اور قریشیوں کی نسبت (جن میں اشتراکِ رنگ و نسب اور زبان و وطن موجود تھا) اسلامی اتحاد اور اسلامی قومیت کے دائرے میں ایک وقیع مقام کے حامل تھے۔ لیکن اشتراکِ رنگ و نسب کے حامل اسلامی قومیت کے دائرے میں شامل نہ ہو سکے۔

حسن ز بصرہ، بلال از حبش، صہیب از روم
ز خاکِ مکہ بوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

اسلام نے تمام خود ساختہ، امتیازات اور تفریقات کو مٹا دیا۔ تمام وہمی اور مصنوعی گروہ بندیوں کے ناقص اور کمزور ڈھانچوں کو ملیامیٹ کر دیا۔ زبان، اوطان، سیاست اور معیشت کے بتوں کو توحید کی ضرب سے چکنا چور کر دیا۔ تمام غیر عقلی اور غیر فطری حد بندیوں کو مٹا کر انسان کو وحدتِ انسانیت کے آفاقی، اخلاقی اور عقلی رشتہ میں منسلک کر دیا اور عصبیتِ جاہلیہ کے جو پردے، حرص و ہوس نے انسان کے دیدۂ دل پر لٹکا رکھے تھے، انہیں اٹھا کر انسان کو صحیح بصارت و بصیرت سے نوازا اور وحدتِ خالقیت کی بنیانِ مرصوص پر وحدت انسانیت کی عظیم اور وقیع عمارت کو استوار کیا۔

باطل تصورات اتحاد و قومیت کی تخریب کے ساتھ ہی اسلام نے خالص عقلی اور فطری بنیادوں پر ایک نئی قومیت کی تعمیر کی جس کی بناء مادی اور عرضی امتیاز پر نہیں بلکہ روحانی اور جوہری امتیاز پر رکھی گئی۔ اس نے انسان کے سامنے اسلام کے نام سے

Marfat.com

ایک فطری، ازلی اور ابدی صداقت پیش کی ۔ یہ نظام اور یہ پروگرام، علاقائی یا نسلی گروہوں کے لئے نہیں بلکہ زمان ومکاں کی عارضی حدود وقیود سے گذر کر تمام انسانیت کے لئے ہے۔ اس صداقت کو مان لینا، ایمان ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔ یہ ایک نظریاتی، اعتقادی اور فکری وحدت میں مربوط ہونا ہے۔ یہ ایک اصولی صداقت کو مان کر ایک اصولی قوم میں شامل ہونا ہے۔ اس نظریاتی جماعت میں شمولیت سے ادنیٰ اور اعلیٰ، شاہ وگدا، اسود واحمر، ابیض واصفر، محمود وایاز کا امتیاز خود بخود اٹھ جاتا ہے اور ہر انسان ہر عظمت، ہر شرافت اور ہر حرمت کا حقدار بن جاتا ہے۔

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

اس نظریۂ قومیت میں بنائے اشتراک، نسب اور نسل نہیں، اعتقاد اور عمل ہے اس نظریاتی وحدت میں دو قطعاً اجنبی انسان اشتراک نظریہ کی بناء پر نظریاتی اخوت میں منسلک ہو جاتے ہیں اور دو سگے بھائی، نسلی اشتراک کے باوجود ایک دوسرے سے کٹ جاتے ہیں۔ یہ نظریاتی رشتہ تمام رشتوں کو توڑ بھی دیتا ہے اور پھر ایک نئے فکری رابطہ سے جوڑ بھی دیتا ہے۔ یہاں عظمت کا معیار دولت یا حکومت نہیں، بلکہ حسنِ عمل اور حسن نیت ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ [1] یہاں حبشی غلام، عربی سرداروں کی موجودگی میں کعبے کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان کہنے اور توحید و رسالت کی ابدی صداقت کا اعلان کرنے کا اعزاز حاصل کر لیتا ہے۔

o عقل نے انسان کے جسم کو بلند کر کے چاند تک پہنچا دیا۔ لیکن انسان، انسانی روحانی عظمتوں سے محروم ہی رہا۔ اسلام نے غلام کو قعرِ مذلت سے اٹھا کر سقفِ بیت اللہ پر کھڑا کر کے انسانی عظمت و شرافت کی بلندیوں تک پہنچایا اور کائنات میں نیابتِ

[1] الحجرات، ۴۹: ۱۳

Marfat.com

الٰہی کا عظیم مقام عطا فرمایا اور یوں انسان کی دائمی عظمت و شرافت کا پھریرا کائنات میں لہرایا۔ عربوں نے ایک حبشی کے مقابلہ میں اپنی فصاحتِ لسانی کا علو پیش کیا، تو حضور رسالت مآب ﷺ نے عملی طور پر ہی فرمایا کہ یہاں معیار عظمتِ زبان نہیں، ایمان ہے......قال نہیں حال ہے......جسم کا رنگ نہیں بلکہ اعتقاد و عمل کا رنگ ہے...... دولت مادی نہیں بلکہ صداقتِ قلبی ہے۔

معاشی اور سیاسی نظاموں کا اختلاف بھی، ایک نظریاتی اور ایمانی جماعت میں بے حقیقت ہے۔ یہاں جھگڑا دولتِ زر کا نہیں دولتِ ایمان کا ہے......انسانی سلطنت کا نہیں، خدا کی بادشاہت کا ہے۔ اس طرح اسلام نے یگانگت اور قومیت کا جو دائرہ کھینچا ہے وہ کوئی حسی اور مادی دائرہ نہیں بلکہ اقتصادی اور عقلی دائرہ ہے۔ ایک گھر کے دو آدمی اختلافِ فکر کی بناء پر، اس دائرے سے خارج ہو جاتے ہیں اور مشرق و مغرب کا بُعد رکھنے والے دو مختلف النسل، فکری اتحاد کی بناء پر اس دائرہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔

سِرّ عشق از عالمِ ارحام نیست
او ز سام و حام و روم و شام نیست
کوکب بے شرق و غرب و بے غروب
در مدارش نے شمال و نے جنوب

○ یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اسلام نے تمام مادی نسلی، لسانی اور وطنی رشتوں کو بالکل منقطع کر دیا ہے، ہرگز یہ معاملہ نہیں۔ انسانی تعلقات کی پائیداری میں ان علائق کی پاسداری سے بھی کام لیا ہے۔ نسب اور وطن کی ایک حد تک محبت والدین کی خدمت اور عزت، ہمسایوں سے محبت و شفقت اپنے جائز حقوق اور اپنی ذاتی جائیداد کی حفاظت، سیاست میں بصیرت و دیانیت اور تعمیری امور میں حکومت کی اعانت، ان تمام امور کو نہ صرف جائز بلکہ ضروری قرار دیا ہے۔ لیکن اگر اپنے نظریۂ حیات یا دینی

Marfat.com

امور میں تصادم ہو جائے تو ان سب تعلقات کو دین کی خاطر توڑ دینا لازم ہو جاتا ہے۔ اگر سیاسی اور معاشی مفاد، نظریاتی مقاصد سے ٹکرائے تو اس کو دین کی خاطر نظر انداز کر دینا پڑتا ہے۔

○ اسلامی اتحاد کے رابطے اور اسلامی جماعت کی شیرازہ بندی، رنگ، نسل اور زبان یا وطن کے امتیازات کی بناء پر نہیں۔ اس میں حضرت سلمان ایرانی تھے۔ جب ان سے ان کا نسب پوچھا جاتا تو فرماتے۔ ''سلمان بن اسلام'' جن کے متعلق سیدنا امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ''سلمان ہم اہل بیت میں سے ہے۔'' یہ بھی حق ہے کہ باذان بن ساسان اور ان کے بیٹے شیریں باذان تھے۔ جن کا نسب بہرام گود سے ملتا تھا۔ حضور علیہ السلام نے باذان کو یمن کا اور ان کے صاحبزادے کو صفا کا والی مقرر کیا تھا۔ اسی نظریاتی جماعت کے ایک ممتاز رکن حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جن کے متعلق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ بلال ہمارے آقا کا غلام اور ہمارا آقا ہے۔ اسی اسلامی حلقہ مؤاخات میں حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے جنہیں حضرت عمر نے اپنی جگہ نماز کی امامت کے لئے کھڑا کیا تھا۔ اسی دائرہ میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایک غلام بھی تھے۔ جن کی عقد میں حضور علیہ السلام نے اپنی پھوپھی زاد ہمشیرہ، سیدہ زینب کو دے دیا تھا۔ اسی اسلامی گروہ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جنہیں حضور علیہ السلام نے ایک ایسے لشکر کا سردار بنا دیا تھا جس میں حضرت صدیق، حضرت فاروق اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح (رضی اللہ عنہم) جیسے جلیل القدر صحابہ کرام شریک تھے۔ انہی اسامہ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ سے فرمایا کرتے تھے کہ اسامہ کا باپ تیرے باپ سے اور خود اسامہ تجھ سے افضل ہے۔

دیکھئے! اس معاشرے میں نہ رنگ ونسب کا امتیاز ہے نہ زبان واوطان کا فرق،

Marfat.com

صرف تقویٰ اور شرافت پر فضیلت کا انحصار ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ کا قرآنی اصول اس معاشرہ میں عزت کا معیار ہے۔

○ اگر ہم اسلامی اتحاد کی فکری اور جذباتی اساس کا تعین کرنا چاہیں تو اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور علیہ السلام کی نبوت کے دو اصول سامنے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور حضور علیہ السلام کی اطاعت کی مضبوط بنیادوں پر ہی قومیتِ اسلام کا قصر رفیع استوار ہوتا ہے۔ وحدتِ خالقیت کے عقیدہ سے وحدت ربوبیت اور وحدتِ حاکمیت کا تصور خود بخود اجاگر ہو جاتا ہے۔ اور ذاتِ نبوت کو مرکز محبت اور مرکز اطاعت تسلیم کرنے سے ضابطہ حیات کی وحدت اور فکر و عمل کی ہم آہنگی حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی اعتقادی وحدت کی بناء پر استوار ہونے والے رشتہ اخوت کو مضبوط تر کرنے کے لئے قرآن وحدیث میں اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کے ارشادات بہ کثرت اور بہ تکرار سامنے آتے ہیں۔ جس سے اسلامی اتحاد کی اہمیت پر یقین بڑھتا چلا جاتا ہے۔

○ اسی فکری اور نظریاتی وحدت کو عملاً بروئے کار لانے اور معاشرتی زندگی میں ظہور پذیر کرنے کے لئے اسلامی عبادات سے بھی مؤثر انداز میں کام لیا گیا ہے۔ اسلام کے اہم ترین فریضہ نماز کو ہی لیجئے۔ نماز کی صفوں میں، بارگاہ رب العزت میں عبادت کے لئے حاضری کے وقت اسود و احمر، غریب و امیر، عربی و عجمی، رومی و حبشی، چینی اور ترکی بلا امتیازِ رنگ و نسل ایک ہی صف میں دوش بدوش کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نظریاتی وحدت، تمام نسلی اور جغرافیائی امتیازات کو مٹا دیتی ہے۔ دلوں میں اسلامی اخوت و مساوات کا احساس پیدا ہوتا ہے اور ایک ہی امام کے پیچھے قیام وقعود اور رکوع وسجود میں ہم آہنگی مسلمانوں میں داخلی اور خارجی ربط و ضبط پیدا کر دیتی ہے اور یہ عملی تعلیم دن میں پانچ مرتبہ مسلمان کو دی جاتی ہے۔ ترکی کے سلطان بایزید کے دائیں بائیں نماز کی صف میں دو پستہ قد اور سیاہ فام حبشی کھڑے ہو کر باآواز بلند اعلان

Marfat.com

کیا کرتے تھے کہ اے سلطان! تو بلند قامت ہے اور ہم پست قامت ہیں...... تو سفید فام ہے اور ہم سیاہ فام ہیں...... تو ترکی ہے اور ہم حبشی ...... تو صاحب جاہ وحشم ہے اور ہم مفلوک الحال ...... لیکن اسلامی صف میں ہم تیرے دوش بدوش کھڑے ہیں کہ اسلامی اخوت اور اتحاد کی بنیاد جاہ وحشم، مال ومنال اور رنگ ونسب پر نہیں بلکہ ایمان اور عمل صالح پر ہے اور ہمیں وہی مقامِ شرف حاصل ہے جو ایک بادشاہ کو حاصل ہے۔

o...... پانچ نمازوں سے محلہ بھر کے مسلمانوں میں رابطہ، اتحاد و یگانگت پیدا ہوتا ہے۔ اس پانچ وقتی تعارف اور ملاپ سے باہمی یگانگت اور ہمدردی کے تعلقات میں استواری پیدا ہوتی ہے۔ اس سے عام معاشرتی زندگی میں بھی دکھ سکھ میں شرکت اور باہمی محبت ورفاقت کی عادت راسخ ہوتی ہے۔ نماز جمعہ کے موقع پر رابطہ کا یہ دائرہ وسیع تر ہوجاتا ہے۔ کئی محلوں یا پورے قصبہ کے لوگ ایک وقت پر ایک مقام پر، ایک مقصد کے لئے ایک ہی انداز میں اکٹھے ہو کر، فکری اور عملی وحدت کا درس بھی لیتے ہیں اور مظاہرہ بھی کرتے ہیں، پھر سال میں دو مرتبہ عیدین کے موقعہ پر تمام افراد وحدتِ ملی میں کھو کر، ایک شجر کے برگ اور ایک کل کے جز ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ عبادت اور مسرت کے یہ عظیم اجتماع اسلامی وحدت کی مستقل درس گاہ کا کام دیتے ہیں۔ اسلامی روابط مضبوط ہوتے ہیں اور اجتماعی تعلقات استوار ہوتے ہیں۔

سال بھر کے بعد حج کے بین الاقوامی اجتماع میں، اقصائے عالم سے مختلف ملکوں اور قوموں کے لوگ، مرکز اسلام بیت اللہ کے طواف اور سعادتِ حج کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں۔ اپنے وطنی اور قومی تشخص کے علامتی لباس کو اتار کر سب ایک جیسا احرام پہن لیتے ہیں۔ یوں ظاہری امتیاز کا ذریعہ لباس بھی اپنی اہمیت کھو دیتا ہے۔ ایک اللہ کے بندے، ایک نبی کے امتی، ایک ضابطۂ حیات قرآن وسنت کے ماننے والے ایک ہی دن، ایک ہی مقام پر ایک ہی لباس میں ملبوس، ایک ہی زبان میں

Marfat.com

ایک ہی جیسے اعمال واطوار کا مظاہرہ کرتے ہیں، حج کا مقدس فریضہ، اسلامی اتحاد کا سب سے اہم وسیلہ ہے۔

حضور علیہ السلام نے مسلمانوں کی ملی زندگی کو جسدِ واحد سے تشبیہہ دی ہے جس طرح ایک زندہ جسمِ واحد میں، دکھ سکھ اور راحت وکلفت کا احساس مشترک ہوتا ہے اور آنکھ یا سر کے دکھنے سے تمام جسم متاثر ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان فرد، یا گروہ کی تکلیف کا احساس تمام مسلمانوں کو ہوتا ہے اور وہ احساسِ مرض میں بطور ایک جسم واحد کے کام کرتے ہیں۔ شر اور ظلم کے دفعیہ کی اجتماعی کوشش کا نام جہاد ہے۔ حیاتِ اجتماعیہ کے کسی حصے میں بھی یہ مرض نمودار ہوتو اجتماعی رنگ میں اس کا مداوا اور مقابلہ مسلمانوں پر واجب ہوجاتا ہے کہ جسم واحد کی طرح ان کی موت وحیات مشترک ہوتی ہیں۔ اصولی طور پر توحید ورسالت کی فکری وحدت اور اس کے بعد، حیاتِ اجتماعی میں عبادات اور حقوق وفرائض کا عملی ضابطہ مسلمانوں میں اتحاد ویگانگت پیدا کرنے کا مؤثر ذریعہ ہیں۔ نصب العینی وحدت کے پیش نظر نسلی، لسانی اور وطنی امتیازات کی تغلیط سے اسلامی وحدت کا دائرہ زمان ومکاں کو محیط ہوجاتا ہے اور مصنوعی امتیازات نصب العین کی حقیقی وحدت میں گم ہوجاتے ہیں اور یوں اتحاد کی ایک بین الاقوامی اور نصب العینی اساس مہیا ہوجاتی ہے۔ جس پر تعمیر شدہ ملی عمارت محبت، یگانگت اور وحدت کا ایک حسین وجمیل اور پائیدار واستوار شاہکار بن جاتی ہے۔

چوں گل صد برگ ما را بو یکے ست
ہست جان ایں نظام و او یکے ست

Marfat.com

قرآن اور تعمیر اقوام

جب کوئی انسان غیر طبعی مضر صحت اشیاء کھانی شروع کر دے مثلاً پتھر اور کوئلہ کھائے، مٹی اور ریت پھانکے تو آپ جان لیتے ہیں کہ وہ سخت بیمار ہے اس کی طبعی اور فطری حالت بگڑ چکی ہے۔ مضر صحت اشیاء کے استعمال سے وہ بیمار ہو گیا ہے اور اگر اس کا علاج نہ ہوا اور اس نے اس مہلک طرز عمل کو نہ چھوڑا تو اس کی موت یقینی ہے۔

آپ اس کی غلطی کی نشاندہی کرتے ہیں، اس کو سمجھاتے ہیں، ڈراتے ہیں اور کسی قابل طبیب کے پاس لے جاتے ہیں وہ بھی اسے بد پرہیزی کے انجام سے ڈراتا ہے۔ اور اپنے نسخے کے استعمال اور پرہیز کا پابند ہونے کی بنا پر از سرِ نو شفا کا یقین دلاتا ہے۔ اگر بیمار اپنی غلطی کو مان لے اور پھر نسخہ شفا اور نظامِ پرہیز پر کاربند ہو جائے تو معاملہ درست ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر مریض اپنے غلط طرز عمل پر اصرار کرے اور طبیب کی اطاعت سے انکار کر دے اور دوائی کو ضائع کرے اور اپنی غلطیت پر قائم رہے تو اس کا انجام واضح ہے۔

بالکل یہی حال مریض اور بد پرہیز اقوام کا ہے۔ (اس وقت قوم بھی تو بد پرہیز افراد کے مجموعے کا ہی نام ہے) اخلاقی عیوب (فحشاء و منکر) سے قومیں بیمار اور کمزور ہو جاتی ہیں۔ اور بیماری کا ظہور، بے اطمینانی، غربت، طبقاتی نفرت، بدنظمی، بزدلی، عام اجتماعی بے نظمی اور پریشانی کے رنگ میں ہوتا ہے۔

Marfat.com

انبیاء (علیہم السلام) روحانی اور معاشرتی طبیب ہوتے ہیں۔ وہ آسمانی ہدایت کے مطابق انسانی بقا اور ارتقاء کے لئے نسخۂ شفا، بہ شکل شریعت لے کر آتے ہیں۔ لیکن بدقسمت اور مریض اقوام ان محسنوں اور مسیحا نفسوں کی مخالفت کرتی ہیں اور انجام کار اپنے انجام کو پہنچ جاتی ہیں۔

طبیب کا مریض کو بتانا ہے کہ ہزاروں افراد تمہاری جیسی بد پرہیزی کی بنا پر بیمار ہو گئے۔ اور ہزاروں ہی مریض پرہیز اور علاج کے ذریعے شفایاب ہو گئے۔ مرض اور شفا کے دونوں ہی ضابطے آزمودہ اور قطعی ہیں۔

قرآن حکیم بھی اقوام گزشتہ کی داستانیں بیان کر کے بتاتا ہے کہ جن اقوام نے اخلاقی عیوب نہ چھوڑے اور اپنی غلطیوں پر اصرار کیا اور انبیاء کے نسخہ اور دستورِ پرہیز کے ماننے سے انکار کیا، ان کا انجام ہلاکت ہوا۔ اور جن اقوام نے ضابطۂ خداوندی کو مان لیا وہ دنیا و آخرت میں سرفراز ہوئیں۔ قرآن کریم کا بیشتر حصہ انہی دو داستانوں پر مبنی ہے۔ ان میں اصولی مشابہت اور اساسی مماثلت ہے۔ وہی اخلاقی عیوب، وہی دعوتِ نبوت کا انکار اور اپنی غلط روش پر اصرار، پھر داخلی خلفشار، مذہبی اور قلبی انتشار، یا دشمن کی خارجی یلغار یا عناصر قدرت کی مار سے وہ قومیں اپنے موجودہ اور منطقی انجام سے دوچار ہوئیں۔ ایک قلیل طبقہ جس نے اپنی زندگی آسمانی دستورِ حیات کے مطابق اُستوار کر لی، ان میں داخلی اطمینان ...... باطنی ایقان ...... معاشرتی بہبود ...... اجتماعی فلاح و استحکام کی صورت حال پیدا ہوگئی۔ غرضیکہ قرآن حکیم اقوام کے خوف ضعف ...... موت وحیات ...... عروج و زوال کے قطعی اور ناقابل تبدیلی اصول بیان کرتا ہے اور اپنی حکمت اور موافقت کی دلیل میں اقوام سابقہ کی داستانیں بیان کرتا ہے۔ یوں ایک بقا اور فنا کا قطعی ضابطہ مہیا کرتا ہے۔

داستانِ نوح ...... قوم عاد میں حضرت ہود ...... قوم ثمود میں حضرت صالح ......

Marfat.com

قوم مدین میں حضرت شعیب...... نمرود کی قوم میں حضرت ابراہیم...... بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور عرب میں حضرت رسول کریم کی داستانیں اسی حقیقت پر شاہد عادل ہیں۔ (علیہم السلام)

اب اپنی حالت دیکھئے۔

وہی دیرینہ بیماری ، وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

گذشتہ اقوام کے جن اخلاقی عیوب کو قرآن نے الگ الگ بیان کیا ہے وہ سب ہم میں اکٹھے ہو چکے ہیں۔ شریعت کے ضابطۂ شفا کی بجائے، ہم نے حیوانی جبلت کے ضابطۂ لذت کو اپنا لیا ہے۔ عدل کی بجائے ظلم اور اتحاد کی بجائے فساد کو اپنا شعار بنالیا ہے۔ ہر اجتماعی بد پرہیزی ہمارا وطیرہ بن چکی ہے۔ جنسی، معاشرتی اور معاشی بے اعتدالیاں ہمارا شعار بن چکی ہیں۔ اللہ کے قانون سے بیزاری اور بُعد ہمارا شیوہ بن چکا ہے۔ ہر بد پرہیزی پر ہم عامل اور ہر ضابطۂ صحت اور نسخۂ شفا سے ہم بیزار ہیں۔ انجام ہمارے سامنے ہے۔ ہماری داخلی کیفیت بے اطمینانی اور پریشانی کی ہے۔ معاشرے میں بدنظمی اور انتشار کی فضا ہے۔ بھوک، افلاس، عریانی، سینما بینی، رہزنی، چوری، ذخیرہ اندوزی اور لوٹ کھسوٹ عام ہے۔ خارجی دشمن سے ہم پٹ چکے ہیں۔ عناصر قدرت ہمارے خلاف ہو چکے ہیں

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (النحل، ۱۶:۱۱۲)

یعنی اللہ نے کہاوت بیان فرمائی ایک بستی کی جو امن واطمینان سے آباد تھی۔ ہر طرف سے اس کے پاس اس کا رزق بکثرت آتا تھا۔ پس اس کے باشندوں نے اللہ تعالیٰ کی

Marfat.com

نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے انہیں یہ سزا چکھائی کہ انہیں بھوک اور خوف کا لباس پہنادیا ان کارستانیوں کے باعث، جو وہ کیا کرتے تھے۔

اب موقعہ ہے کہ ہم اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لیں اور اس مہلک طرزِ حیات کو بدلیں ورنہ قدرت کا قانونِ مکافاتِ عمل اور اس کا ضابطۂ مشیت کسی کو نہیں بخشتا۔ اور استبدالِ اقوام کا قانون ضرور نافذ ہو کر رہتا ہے۔

جس دوا نے مرض کو شفا، ضعف کو قوت اور غلامی کو شاہی بنا دیا، اس کے تین اجزا تھے۔ یقین...... تنظیم...... اور عمل صالح

ع یقین محکم ، عمل پیہم ، محبت فاتح عالم

ایک کمزور آدمی پہلوان یا مردِ ضعیف جوان بنا تو اسی نسخہ شفا سے، جس کی تفصیل و تطبیق کا نام قرآن ہے۔ پھر وہ پہلوان جب کمزور و ناتواں ہوا تو اسی نسخہ کو چھوڑ کر...... اور اس کی ہدایات اور پرہیز سے منہ موڑ کر...... اب وہ پھر زندہ ہو سکتا ہے، اسی سے رشتہ جوڑ کر۔

وہی دیرینہ بیماری ، وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

Marfat.com

نفسیات

Marfat.com

طبی اصولوں کے مطابق صبح جلدی اٹھنا امراضِ قلب سے نجات کا ذریعہ ہے۔اکثر قلب کے مریض صبح کے وقت دل کے دورے پڑنے سے جاں بحق ہوئے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق صبح کی بیداری قلب و روح کے لیے شفا کا پیغام ہے۔

وقت کی مسیحائی اکثر زخموں کو خود بخود اچھا کر دیتی ہے۔پس آپ اگر کسی جذباتی حادثہ کا شکار ہوں تو جلدی نہ کیجیے۔وقت کے طبیب کو علاج معالجے کا موقعہ دیجیے۔تاخیر کی مرہم کو اپنی تاثیر دکھانے دیجیے۔

(حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ)

بھول جایئے!

(ایک نفسیاتی علاج)

فراموش گاری بھی عجیب نعمت ہے۔ اگر دل کے زخم ہمیشہ ہرے رہیں۔ اگر صدمات کے چرکے ہمیشہ تازہ رہیں تو زندگی دوبھر ہو جائے، اس کی تلخیاں ناقابل برداشت ہو جائیں۔ درد و غم کی کثرت، دنیا کو جہنم سے بھی زیادہ مہیب بنا دے۔ لیکن صانع کی حکمتِ بالغہ نے انسان کے دل و دماغ کو کچھ اس طرح بنایا ہے کہ یہ آہستہ آہستہ ہر صدمہ کو بھول جاتا ہے۔ ہر حادثہ کا زخم بتدریج مندمل ہو جاتا ہے اور بڑی سے بڑی ذہنی اذیت بھی امتدادِ زمانہ سے کم ہو جاتی ہے۔ بلکہ اصول یہ ہے کہ ناگوار تجربات جلدی بھولتے ہیں کیونکہ ان کے بھول جانے میں ہی بقائے حیات کا راز مضمر ہے۔ یہ فراموش گاری قدرت کا تعمیری عطیہ ہوتی ہے۔ یہ زندگی کی محافظ ہوتی ہے اس میں بقاء اور ارتقاء کا راز مضمر ہوتا ہے یہ انسان کی قوت برداشت کو بڑھاتی ہے اور صبر و تحمل کی اعلیٰ صفات کے لئے راستہ تیار کرتی ہے۔ اگر کسی ذہنی حادثہ کی تلخیاں ہمیشہ دل و دماغ پر مسلط رہیں تو آپ اندازہ کیجئے کہ زندگی کتنی کٹھن ہو جائے۔ نہ خورد و نوش کا ہوش رہے اور نہ ہی کمانے کھانے کی سکت، انسان کا ذہن مختل ہو جائے اور قوت عمل

Marfat.com

مفلوج ہوکر رہ جائے۔

نیند کی حالت میں آپ مکمل طور پر خودفراموش ہوتے ہیں۔ بیداری کی تمام تلخیاں محو ہوجاتی ہیں۔ جب تک شعور کارفرما رہتا ہے نیند کی راحتیں قریب نہیں آتیں۔ نیند کی پرسکون آغوش میں جاکر آپ سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ یہ بھول جانا ہی راحت ہے۔ نیند کو سب لوگ آرام سے موسوم کرتے ہیں۔ مثلاً کوئی آدمی سورہا ہو، تو ہمارا اسلوب کلام یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں، فلاں آدمی آرام کررہا ہے۔ نیند کا یہ آرام فراموشگاری کا ہی اعجاز ہے۔ بھولنے میں راحت ہے، مستی میں ہستی ہے اور بعض دفعہ بے ہوشی ہی ہشیاری ہوتی ہے۔

جسمانی تکالیف میں بھی اکثر اوقات یہی نسخہ برتا جاتا ہے۔ شدید درد کی حالت میں کسی خواب آور دوا کا استعمال کیا جاتا ہے تاکہ مریض بیکار تکلیف سے بچ جائے۔ عمل جراحی میں بھی کسی مخدر یا بے ہوش کن دوائی کو ہی برتا جاتا ہے۔ جس سے مریض چیر پھاڑ کے دردانگیز عمل کی تکلیف دہی سے بچ جاتا ہے جب تک نشہ آور ادویات ایجاد نہ ہوئی تھیں، عمل جراحی نہایت ہی مشکل اور اذیت ناک عمل سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ان ادویات کی ایجاد سے اس کی تلخیاں قطعاً ختم ہوگئی ہیں۔ اسی طرح ذہنی پریشانی کے مریضوں کو بھی خواب آور ادویات کی بدولت ہی بعض اوقات خودفراموشی کی راحتیں نصیب ہوجاتی ہیں۔ ورنہ مسلسل بیداری اور شعور کی تلخی اکثر اوقات ناقابل برداشت ہوجاتی ہے۔

بھول جانے کی ایک صورت تو وہی ہے جو میں نے بیان کی ہے، کہ کسی دوائی کے زیر اثر عارضی بے ہوشی اور خودفراموشی طاری کی جائے۔ گو بعض شدید صورتوں میں طبی مشورہ کے ماتحت، ہنگامی طور پر اس طرز عمل سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے لیکن اس طریقہ میں بہت سے خطرات ہیں۔ سب سے بڑا خطرہ تو یہی ہے کہ انسان ایسی

ادویات کے پیہم استعمال سے ان کا عادی بن جاتا ہے۔ اور اس حد تک ان کے زیر اثر ہو جاتا ہے کہ ان کے بغیر وہ بیکار سا ہو جاتا ہے۔

مے سے غرضِ نشاط ہے کس رو سیاہ کی
اِک گونہ مہجوری مجھے دن رات چاہئے

پہلے وہ ان کو ضرورتاً استعمال کرتا ہے اور پھر عادتاً برتنا شروع کر دیتا ہے۔ پہلے عارضی بے ہوشی ازالۂ درد و غم کے لئے حاصل کی جاتی ہے اور پھر بے ہوشی ہی خود مقصد بن جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ علاج ہی مرض بن جاتا ہے اور دوا ایک مستقل درد بن جاتی ہے۔ مریض کی قوت ارادی اس حد تک کمزور ہو جاتی ہے کہ وہ زندگی کی معمولی سی تلخیوں کو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ زندگی راحت و کلفت، مسرت و مصیبت اور صحت و مرض کی مختلف کیفیتوں سے ہی معنون ہے۔ یہاں بہار کی مسرتوں اور رونقوں کے بعد خزاں کی اُداسیوں کو بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ صحت کے مزوں کے بعد، گاہے گاہے مرض کی تلخیوں کو بھی جھیلنا پڑتا ہے۔ آسودگی کے ساتھ کبھی تنگ دستی کی ناگواریوں سے بھی نپٹنا پڑتا ہے۔

ایک ذہنی طور پر تندرست اور جوان آدمی ان تمام صورتوں میں، صبر و اطمینان سے حالات کا مقابلہ کرتا ہے اور غور و فکر اور سعی و عمل کے ذریعے حالات سے نبرد آزما ہوتا ہے۔ لیکن نشہ کا عادی انسان زندگی کی ذمہ داریوں سے بھاگ کر، خود فراموشی کی آغوش میں جا چھپتا ہے۔ زندگی سے یہ فرار، انتہائی ناگوار اور بیکار فعل ہے۔ اس سے نہ تو کوئی مسئلہ حل ہوتا ہے اور نہ ہی ماحول میں کوئی مفید مطلب تبدیلی ہوتی ہے۔

ہاں انسان اپنے حواس کو کند کر کے حالات کو بھول جانا چاہتا ہے۔ وہ صورت حال کو بدل کر مفید مطلب بنانے کی بجائے، خود اپنے آپ کو حالات کا غلام بنا لیتا ہے۔ وہ احساس کی تلخیوں سے ڈر کر، احساس کو ہی فنا کر لیتا ہے۔ وہ شعور سے تعمیری

Marfat.com

کام لینے کی بجائے ، شعور کو معدوم کر لیتا ہے۔ یہ مرادنگی کی صورت اور انسانیت کی شکست ہوتی ہے۔ پس ایسی خود فراموشی اور بے ہوشی جو ادویات کی مرہونِ منت ہو، خطرناک ہوتی ہے اور اس سے بہر حال اجتناب لازم ہے۔

شدتِ احساس کی تلخیوں کو، کسی مرغوب کام میں مشغول ہو کر بھی کم کیا جا سکتا ہے۔ اس طریقہ میں ادویات کے استعمال کی سی مضرتیں موجود نہیں، بلکہ ایک تعمیری کام میں مصروفیت کی وجہ سے مزاج ارتقاء پذیر ہوتا ہے۔ ذوقِ تخلیق و تعمیر کے اظہار کی وجہ سے مزاج میں تکمیل پیدا ہوتی ہے۔ ناتمامی کا وہ احساس جو مزاج کے کسی طبعی تقاضا کے رکاؤ سے پیدا ہوتا ہے، وہ بھی رفع ہو جاتا ہے اور کسی دل پسند شغل میں مصروف ہونے سے مزاج میں ایسا انہاک بھی پیدا ہو جاتا ہے جس سے کسی ناخوشگوار تجربہ کی تلخیوں سے توجہ ہٹ جاتی ہے اور یہ عارضی سکون، مستقل اطمینان کی طرف پہلا قدم ہوتا ہے۔ دراصل جب توجہ بار بار، ہر پھر کر ایک ہی نکتہ پر آ کر جمتی رہے تو اسی نکتہ کے متعلقہ احساسات، مزاج پر پوری طرح قابض ہو جاتے ہیں۔ جس بھی واقعہ سے جذبات میں شدید ہیجان پیدا ہو اور مزاج اس سے بہت زیادہ متاثر ہو، وہ واقعہ بار بار توجہ کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ توجہ کی اسی تکرار سے ہی اس واقعہ کے اثرات قلب و دماغ پر گہرے سے گہرے تاثرات پیدا کرتے چلے جاتے ہیں۔ تاآنکہ انسان بالکل ہی ان تاثرات میں دب کے رہ جاتا ہے۔ ایسی حالت میں توجہ کو بالارادہ کسی اور طرف منعطف کر لینا ہی صحتِ مزاج کے لیے لازم ہے۔ تلخ جذباتی تاثر کی مقناطیسی قوت کے اثر سے آزاد ہونا آسان نہیں۔ اس کے لیے عزم کی ضرورت ہوتی ہے، شدید کشمکش کرنی پڑتی ہے۔ لیکن جب ایک دفعہ شدتِ احساس کے طلسماتی گنبد سے تھوڑی سی رہائی نصیب ہو جائے تو پھر مستقل آزادی تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے۔

ہر انسان کا کوئی نہ کوئی اپنا پسندیدہ شغل ہوتا ہے۔ جس میں مصروف رہ کر اسے ایک خاص لطف حاصل ہوتا ہے۔ دل اس کی ادائیگی سے محظوظ ہوتا ہے۔ طبیعت بلاتکلف اس کام کی طرف مائل ہوتی ہے۔ عام کاروبار کی طرح اس کام میں مصروفیت سے اکتاہٹ یا تھکاوٹ پیدا نہیں ہوتی بلکہ سکون اور مسرت حاصل ہوتی ہے۔ پس ہر وہ کام جو صرف تفریحاً کیا جائے اور کوئی مادی یا مالی منفعت مقصود نہ ہو، وہی Hobby یا شغل ہے۔ جس کی کوئی بھی Hobby نہ ہو وہ انسان اپنے اندر ذہنی عوارض کے جراثیم رکھتا ہے۔ کسی بھی وقت حالات کی مسلسل ناسازگاری یا کسی ہنگامی جذباتی ہیجان سے اس کے ذہنی توازن میں فتور پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی مصروفیات میں کوئی ایسا گوشہ موجود نہیں ہوتا، جہاں اسے ذہنی سکون، اور قلبی طمانیت مل سکے۔ حکمائے نفسیات ایسے خشک مزاج اور سراپا کاروباری افراد کو ہمیشہ شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

Marfat.com

غم کا نفسیاتی علاج

حادثاتِ حیات پر مسکرانا سیکھئے

تبسم آمیز خندہ بس مسکراہٹ ہی کا نام ہے۔ تبسم سنت بھی ہے اور مسرت بھی، فرحت بھی ہے اور صحت بھی۔

انسان کی ذہنی کیفیات کا اظہار جسمانی حرکات سے ہوتا ہے۔ ہر جذبہ جسم پر ایک خاص انداز میں اثر ڈالتا ہے۔ غم اور حزن آنسوؤں کے ذریعہ ظاہر ہوتے ہیں اور مسرت اور اطمینان مسکراہٹ کے ذریعہ اپنا اظہار کرتے ہیں۔ اکثر یہ اظہار داخل سے خارج کی طرف ہوتا ہے۔ یعنی پہلے جذبہ پیدا ہوتا ہے اور پھر وہ اعضاء و جوارح کو ایک خاص انداز سے متاثر کرتا ہے۔ یہ تقدم اور تاخر بھی ذہنی اور قیاسی ہے۔ ورنہ داخلی ذہنی کیفیت اور خارجی جسمانی حرکت بہ یک وقت پیدا ہوتی ہیں اور ان کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔

چنانچہ ولیم جیمز مشہور امریکی ماہر نفسیات کہتے ہیں کہ داخلی ذہنی کیفیت تو ہمارے بس کی بات نہیں۔ لیکن اس کی توام خارجی (جسمانی حرکت) ہمارے قبضہ میں ہوتی ہے اور اس کو ہم ارادی طور پر پیدا بھی کر سکتے ہیں۔ پس اگر ہم اس خارجی جسمانی کیفیت کو پیدا کرلیں تو اس کی متعلقہ باطنی کیفیت بھی خود بخود پیدا ہو جائے

گی۔ مثلاً اگر آپ رونی صورت بنالیں گے تو خواہ مخواہ آپ پر غم وحزن کی کیفیت طاری ہوجائے گی۔ اور اگر آپ مسکرائیں گے تو اس کی قوام باطنی یعنی ''کیفیتِ مسرت'' بھی پیدا ہوجائے گی۔ پس جب کبھی حالات ناسازگار ہوں، آپ کا دل بجھا بجھا سا ہو۔ طبیعت اداس ہو تو مسکرایئے! خوب مسکرایئے اور دیکھئے کہ کس طرح آناً فاناً آپ کے مزاج میں ایک خوشگوار تبدیلی پیدا ہوجائے گی۔

مسکراہٹ باطنی مسرت کی آئینہ دار ہے

مسرت وانبساط اور مسکراہٹ کا اس حد تک چولی دامن کا ساتھ ہے کہ ایک کے بغیر دوسرے کا تصور ہی ممکن نہیں۔ مثلاً مسکراہٹ سے ہی آپ انسان کی دلی کیفیت کا پتہ چلا لیتے ہیں اور کبھی بھی آپ کو یہ گمان تک نہیں ہوتا کہ آپ ایک مسکراتے ہوئے چہرے کے پیچھے افسردہ اور بجھا ہوا دل موجود ہوگا۔ چونکہ مسکراہٹ خارجی طور پر باطنی مسرت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اس لیے مسرت پیدا کرنے کی ایک عملی اور اختیاری صورت یہ بھی ہے کہ آپ مسکرانا سیکھیں۔ ناسازگار حالات میں خلاف طبیعت واقعات پر حزن و یاس کی فراوانی کو کم کرنے کے لئے مسکرائیں۔ غرضیکہ جب بھی افسردگی کو شگفتگی سے بدلنے کی خواہش ہو، جب بھی بجھے ہوئے دل کو زندگی کی تازگی بخشنی ہو۔ جب بھی الجھے ہوئے اور پریشان ذہن کو صاف اور پرسکون کرنا ہو تو مسکرایئے! اس عمل پر آپ کی کچھ بھی دولت خرچ نہ ہوگی۔ آپ کا کوئی بھی مالی نقصان نہ ہوگا۔ آپ کو کچھ بہت زوردار کوشش بھی نہ کرنی پڑے گی۔ صرف چہرہ کے اعصاب کو ایک خاص مانوس انداز میں حرکت میں لانا پڑے گا۔ محض اس مختصر سے عمل سے آپ کے دل ودماغ میں ایک نہایت ہی مفید اور صحت مندانہ انقلاب پیدا ہو جائے گا قنوطیت کے بادل چھٹ جائیں گے اور امید کی حیات افروز روشنی پیدا ہو

جائے گی۔ اور یہ سب کچھ صرف مسکراہٹ کی ہی ساحرانہ تاثیر کا نتیجہ ہوگا۔

انگریزی کا ایک مقولہ

کلی مسکراتی ہے تو پھول بن جاتی ہے۔ ننھا منھا بچہ جب معصومیت کے ساتھ مسکراتا ہے تو کتنا دلکش معلوم ہوتا ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ بہار مسکراتی ہے، بہار کی صبح مسکراتی ہوئی آتی ہے۔ معصوم اور سحر خیز پرندے مسکراتے ہیں۔ غرضیکہ جہاں مسکراہٹ ہوتی ہے...... وہیں مسرت بھی ہوتی ہے۔ مسکرانے سے صرف مسکرانے والے کا ذہن ہی نہیں بدلتا بلکہ اس کے زاویہ نگاہ کی تبدیلی سے سارا ماحول بھی بدل جاتا ہے۔ انگریزی کا ایک مقولہ ہے۔

Laugh! and the world will laugh with you

weep! you will weep alone

''مسکراؤ! تو تمام زمانہ تمہارے ساتھ مل کر مسکرائے گا''

''رو دو! تو تم اکیلے ہی روؤ گے کوئی تمہارا معاون نہ ہوگا۔''

ایک خوش باش، ہنس مکھ، اور پر امید شخصیت کا تصور کیجئے۔ لوگ کس شوق سے اسے ملتے ہیں۔ ہر محفل میں اس کی پذیرائی ہوتی ہے۔ سبھی اس کی محبت کو پسند کرتے ہیں۔ اس کے پاس بیٹھنے سے ہی تلخیٔ حیات کم ہو جاتی ہے، دل بہل جاتا ہے حتیٰ کہ انسان خود اپنی افسردگی کی حماقت پر مسکرانے کو تیار ہو جاتا ہے اور دوسری طرف اس آدمی کا بھی تصور کیجئے جو ترش رو ہے بات بات پر بھڑک اٹھتا ہے ذرا سے اختلاف کو بھی گوارا نہیں کرتا، ہر معاملہ کے تاریک پہلو کو ہی دیکھتا ہے۔ افسردگی کا پیکر ہے۔ اس کے گرد و پیش قنوطیت کا ماحول ہے۔ بھلا فرمائیے تو! کہ ایسے آدمی کے پاس کون بیٹھے گا۔ سبھی اس سے کنی کتراتے ہیں، دامن بچاتے ہیں اور اس کے تاریک سایہ سے

Marfat.com

بھی بھاگتے ہیں اور جب تک کوئی شدید ضرورت نہ ہو، نہ ہی اس کے پاس جاتے ہیں اور نہ ہی اسے کسی محفل میں بلاتے ہیں۔ کیونکہ ''افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را''۔ لہٰذا خلوص سے مسکرا کر ماحول میں مسرتیں بکھیر دیجئے۔ ماحول کے اندھیرے میں مسکراہٹ کی قندیلیں روشن کر دیجئے تاکہ مسرت کی روشنی پیدا ہو۔

مسکراہٹ ایک جبلی فعل ہے

یہ تو وثوق سے نہیں بتایا جا سکتا کہ انسان نے مسکرانے کی اوّلین ادا کب سیکھی؟ صرف مسکراہٹ ہی نہیں، انسانی کردار کی اکثر اداؤں کا نقطۂ آغاز معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض ادائیں انسان کو سیکھنے سے نہیں آتیں بلکہ جبلی طور پر ودیعت ہوتی ہیں۔ وہ انسانی مزاج کا جزوِ لازم ہوتی ہیں۔ نوع انسانی کا ہزار ہا سال کا تجربہ اور عملی مشق ان کے پیچھے ہوتی ہے۔ اس لئے وہ مزاجِ انسانی کا جزو لاینفک ہوتی ہیں۔ انہیں ازسرِ نو سیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن انہیں بھلا دینا بھی ممکن نہیں ہوتا۔ ان کے اظہار و نمود پر ہی انسانی مزاج کی تکمیل و ترقی کا مدار ہوتا ہے۔ مسکراہٹ بھی ایک جبلی فعل ہے۔ آپ دو دن کے بچے کو بھی مسکراتا ہوا دیکھ سکتے ہیں۔ جب انسان کا بچہ نطق کے پیچیدہ فعل پر قادر نہیں ہوتا تو وہ اپنی داخلی مسرت کا اظہار معصوم مسکراہٹ سے ہی کرتا ہے۔ وہ ماں باپ کو دیکھ کر بے اختیار مسکرا دیتا ہے۔ اس سے وہ اپنی آشنائی اور اطمینان کا اظہار کرتا ہے۔ آپ ایک قادر الکلام خطیب ہونے کے باوجود سینکڑوں لفظوں میں بھی اپنی داخلی مسرت کا اس طرح اظہار نہیں کر سکتے جس طرح کہ صرف مخلصانہ مسکراہٹ سے ممکن ہے۔ پس انسانی مزاج میں مسکراہٹ اور مسرت کا اس طرح کا چولی دامن کا ساتھ ہے کہ ایک کے بغیر دوسرے کا تصور بھی ممکن نہیں۔ لہٰذا حصولِ مسرت کے لئے، اظہارِ مسرت کے لئے، ماحول کو مسرور بنانے

کیلئے، دوسروں میں اطمینان اور مسرت پھیلانے کے لئے ...... مسکرانا سیکھئے۔ ایک باوقار اور متین مسکراہٹ، انسان کی شخصیت کو بے حد مقناطیسی بنا دیتی ہے۔ دل بے اختیار اس طرف مائل ہوتا ہے اور مسکرانے والا شگفتہ مزاج انسان ہر محفل میں مقبول ہوتا ہے۔

ذاتی تجربہ

میرے دوست (ن۔ا) اپنا ذاتی تجربہ بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ گھریلو تنازعات اور مالی مشکلات کی وجہ سے ان کی طبیعت بے حد افسردہ رہنے لگی ...... ہر طرف مایوسی کے تاریک بادل مسلط نظر آنے لگے ...... زندگی کی تفریحات سے دل اکتا گیا۔ اور وہ ہر قت اداس اداس اور کھوئے کھوئے رہنے لگے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک ماہر نفسیات سے بھی مشورہ لیا لیکن افسردگی اور پریشانی کے متعلق ان کی علمی تفسیر اور اصطلاحی تشریح مجھے فائدہ نہ پہنچا سکی۔ میں ان کے مشورہ سے دفتر سے رخصت لے کر، ایک خوش منظر علاقہ میں سیر و تفریح کو بھی گیا۔ لیکن میرا دل نہ بہلا۔ میری قوت ارادی کمزور ہوگئی۔ قوت فیصلہ کی کمزوری کی وجہ سے معمولی سے معاملات کو سلجھانا بھی ناممکن ہو گیا۔ لیکن حسنِ اتفاق دیکھئے کہ میری اچانک ہی اک پرانے دوست سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ اسے ملے، سالہا سال گزر چکے تھے۔ وہ کالج کے زمانے میں ہی ہنسوڑا اور بے فکرا ہونے کی حیثیت سے مشہور تھا۔ باہم ملتے ہی ایک مخلصانہ قہقہے کی آواز بلند ہوئی اور پھر جو چہرے پر میں نے مسکراہٹ کی بے فکری اور شوخی دیکھی، تو مجھے بے حد مزا آیا، ہم چلتے گئے، باہم باتیں ہوتی گئیں اور میرا دوست مسکراتا گیا لیکن ساتھ ہی ساتھ میرا دل بہلتا گیا۔ اداسی کم ہوتی گئی اور دل میں ایک تازہ گرمی سی پیدا ہوگئی۔ اس کی مسکراہٹ کی آنچ سے، افسردگی کی برف پگھلنے

Marfat.com

لگی۔ سچی مسرت کی شعاعوں سے قنوطیت کے تاریک بادل چھٹنے لگے، حتیٰ کہ دو تین ملاقاتوں میں ہی میں بہت حد تک تندرست ہو کر اپنے کام پر لوٹ آیا۔ دیکھا! آپ نے مسکراہٹ کا طلسماتی اثر؟ آپ بھی اس نسخہ کو آزما کر دیکھئے۔

مسکرانے کا فلسفہ

ایک مسکراتے ہوئے آدمی کا تصور کیجئے۔ اگر اس کی مسکراہٹ بے ساختہ اور پُرخلوص ہو تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اندھیرے میں روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ یا ویران سے جنگل میں بڑا خوشنما پھول کھلکھلا اٹھا ہے۔ مسکراتے ہوئے چہرے کے اردگرد، مسرت اور روشنی کا ہالہ سا نظر آتا ہے۔ بلکہ میں نے تو دیکھا ہے کہ ایک سطحی سے خدوخال کا حامل چہرہ بھی مسکراہٹ کی چمک سے منور ہو کر بے حد دلکش بن جاتا ہے۔ شاعر بھی کہتے ہیں کہ حسن کی اداؤں کے بے پناہ ترکش میں، مسکراہٹ کا تیر سب سے زیادہ بے خطا ہوتا ہے۔ میرے ایک دوست نے ایک مرتبہ مجھے اس مفہوم کا حامل شعر سنایا۔ جو زندگی کے بعض تاریک ترین لمحات میں میرے بے حد کام آیا ہے۔ شاید شاعر عظیم آبادی کا شعر ہے۔

کانٹوں سے ہے گھرا ہوا چاروں طرف سے پھول
پھر بھی کھلا ہی پڑتا ہے کیا خوش مزاج ہے

دیکھئے! شاعر کتنی بڑی حقیقت کو کس خوبصورت انداز میں بیان کر گیا ہے اور تشبیہ کتنی مناسب اور حقیقی ہے۔ دوسرا شعر جو بہت بڑے فلسفہ کا حامل ہے، بڑا ہی مشہور ہے۔

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات
رو کر گزار یا اسے ہنس کر گزار دے

ظفر علی خاں بھی کچھ اس کیفیت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں!

Marfat.com

پیرایۂ نشاط ہے سرمایۂ حیات
بنتی نہیں ہے طبع طرب خیز کے بغیر

پس زندگی کے سفر کو ہنس کھیل کر مردانہ وار طے کیجئے۔ بیشک راستہ میں نشیب و فراز آئیں گے، طول سفر کی سختی بھی ہوگی، کبھی کبھار خارِ مغیلاں کی جراحت بھی ستائے گی، لیکن ان سب مشکلاتِ راہ کا مجرب جواب مسکراہٹ ہی ہے۔ اگر آپ مشکلات پر مسکرا سکتے ہیں تو آپ مشکل کو آسان بنا سکتے ہیں۔ مسکراہٹ سے تلخی گوارا نہیں ہوتی بلکہ شیرینی میں تبدیل ہو جاتی ہے، لہٰذا حادثات حیات پر مسکرانا سیکھئے۔

Marfat.com

پریشانیوں کا نفسیاتی علاج

ہماری اکثر پریشانیاں غلط اندازِ فکر کا نتیجہ ہوتی ہیں

انسان کی اکثر پریشانیاں غلط اندازِ فکر کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ جذباتی ہیجان ذہن کو اس حد تک متاثر کر دیتا ہے کہ انسان ٹھنڈے دل سے واقعہ پر غور نہیں کر سکتا، یوں وہ معاملہ ایک گورکھ دھندا بن کر رہ جاتا ہے۔ انسان جس طرف سے بھی اسے حل کرنا شروع کرتا ہے، ہر پھر کر پھر وہیں پہنچ جاتا ہے اور اس طرح کسی گھنے جنگل میں بھولے ہوئے انسان کی طرح اس کی پریشانی اور الجھن بڑھتی جاتی ہے۔ لیکن ہمت کم ہوتی چلی جاتی ہے اور چونکہ اس معاملہ کا کوئی واضح حل سامنے نہیں آتا، اس لئے اس کو حل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر ہر ناکامی، مزید جذباتی فراوانی کا باعث بنتی ہے۔ حتیٰ کہ زیرِنظر مسئلہ ایک عقلی معمہ بننے کی بجائے ایک جذباتی حادثہ بن کر رہ جاتا ہے۔ اکثر لاینحل اور پریشان کن معاملات میں یہی اندازِ فکر کارفرما ہوتا ہے۔

جذباتی ہیجان کے منفی اثرات

اس مشکل سے بچنے کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی بھی مسئلہ پر جذباتی ہیجان کے

عالم میں غور نہ کیا جائے۔ بلکہ واقعہ کے شدید جذباتی اثر کے کم ہونے کے بعد جب دل و دماغ کچھ سکون میں ہوں، اس وقت غور و فکر کیا جائے۔ اس جذباتی ہیجان کے کم ہونے میں کچھ وقت ضرور لگے گا۔ لیکن یہی تاخیر بعض اوقات بہت بڑی رحمت ثابت ہوتی ہے۔ آپ کے سامنے ہزاروں ایسے واقعات ہوں گے کہ کسی شدید صدمہ نے انسان کو بالکل بے بس کر دیا، بظاہر وہ یہ سمجھنے لگا کہ اس حادثہ کو برداشت کرنا، اس کے بس کی بات نہیں اور یہ کہ اب اس کی زندگی ناقابل برداشت حد تک تلخ ہو چکی ہے۔ لیکن کچھ وقت گزر جانے پر، اس کے زخم بھرنے لگتے ہیں۔ زندگی کی رعنائیاں پھر سے جاذب توجہ بننے لگتی ہیں۔ امنگیں اور ولولے پھر سے دل میں ابھرنے لگتے ہیں۔ حتیٰ کہ شام زندگی پھر سے صبح حیات کا روپ بھرنے لگتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ وقت کی مسیحائی اکثر زخموں کو خود بخود اچھا کر دیتی ہے۔ پس آپ بھی اگر کسی جذباتی حادثہ کا شکار ہوں تو جلدی نہ کیجئے۔ وقت کے طبیب کو علاج معالجے کا موقع دیجئے۔ تاخیر کی مرہم کو اپنی تاثیر دکھانے دیجئے۔ امتداد زمانہ سے ناشاد دل شاد ہو جایا کرتے ہیں۔ آپ بھی اس قدرتی نسخہ کو آزمایئے اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھایئے۔ یوں جب ذرا دل کو سکون مل جائے۔ طبیعت کو کسی حد تک قرار حاصل ہو جائے۔ پریشانی کی تلخی، مزاج کی ترشی کو مزید تلخ بنانے سے رک جائے تو پھر عقل کو غور و فکر کا موقعہ دیجئے۔ پھر شعور کی شعاعوں کو یاس و قنوطیت کی تاریکیوں کا جائزہ لینے دیجئے۔ عقل کی دانائیاں مصائب کے مطالب کو سمجھ جاتی ہیں اور فکر کا دستِ تعمیر، شکست و ریخت کے ملبہ سے نئی عمارت کا مصالحہ حاصل کر لیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ بعض دفعہ شیرینی کی کثرت ہی تلخی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ لیکن اس کو سمجھنا آسان نہیں، مزاج کا سکون ہی وہ افسون ہے جو مصائب کے طلسم کو توڑ سکتا ہے۔ عجلت نہ کیجئے حکیمانہ تاخیر سے، زمانہ کی تاثیر کو دیکھئے۔ وقت گزرتا ہے تو زخم بھی بھرتا

Marfat.com

ہے۔ پودا بڑی آہستگی سے زمین سے ابھرتا ہے اور دانہ بھی کئی دنوں کے بعد پودے کا روپ بھرتا ہے۔ اور خزاں زدہ پودہ، مہینوں کے انتظار کے بعد بہار کی مسیحائی سے رنگ و بو کا لبادہ اوڑھتا ہے۔ امہال کا قانون بھی عجیب ہے یہ دردمندوں کا چارہ ہے اور دل گرفتوں کا سہارا ہے۔ نفسیات میں اصل قانون کر بڑی اہمیت حاصل ہے اور اس کو سمجھ لینا دلیل حکم ہے۔

سکون دل سے سامان کشود کار پیدا کر
کہ عقدہ خاطر گرداب کا آب رواں تک ہے

اُلجھے ہوئے انداز میں فکر کی ایک اور وجہ ناتمام معلومات ہیں۔ جب تک مسئلہ کے تمام پہلو سامنے نہ آجائیں اور جب تک اس کے متعلق پورا مواد مہیا نہ ہو جائے، اس مسئلہ کو کماحقہ، حل نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں بھی بہت کچھ عجلت کا ہی دخل ہوتا ہے۔ ایک معاملہ جب سامنے آتا ہے تو انسان طبعی عجلت پسندی کی بنا پر جھٹ پٹ اس مسئلہ کے متعلق کوئی فیصلہ کرنا چاہتا ہے۔ خود مسئلہ ہے کیا؟ یہ کیوں پیدا ہوا؟ کیا کیا محرکات اس کے پیچھے کارفرما ہیں؟ یہ اور ایسے ہی کئی اور متعلقہ سوالات ہیں جن کا مکمل جواب حاصل کئے بغیر مسئلہ کا پورا پورا حل ممکن نہیں۔

جلد بازی نقصان دہ ہے

عام طور پر انسان کی طبعی سہل انگاری اس حل کو پسند نہیں کرتی ہے جو آسان ہو۔ محنت کم کرنی پڑے۔ زیادہ غور و فکر اور جد و جہد کا سامنا ہو اور پھر جلدی ہی متوقع نتیجہ بھی سامنے آجائے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ یہ آسان حل صحیح حل نہ ہو اور دراصل اس حل کو قبول کر کے انسان، حل مسئلہ کی علمی ذمہ داریوں سے گریز کی صورت اختیار کر رہا ہو۔ مثلاً مسئلہ یہ ہے کہ آپ کے بیٹے نے ارادہ کیا ہے کہ وہ سول سروس کے مقابلہ

Marfat.com

میں امتحان میں حصہ لے اور وہ اس کے لیے تیاری بھی کر رہا ہے۔ بڑا ذہین بھی ہے اور محنتی بھی، اس کا گذشتہ تعلیمی ریکارڈ بہت عمدہ ہے۔ اس لیے اس امتحان میں بھی اس کی کامیابی کی توقع کی جاسکتی ہے۔ لیکن ابھی اس امتحان میں ایک سال کا عرصہ باقی ہے۔ اور اس کی مناسب تربیت پر ہزار دو ہزار روپے کا خرچ بھی اٹھتا ہے۔ دوسری طرف لڑکے سامنے پانچ سو روپیہ ماہوار کی فوری ملازمت کی پیش کش موجود ہے۔ اس ملازمت میں ترقی کے کچھ امکانات بھی موجود ہیں۔ ان حالات میں اگر باپ کی مالی حالت کمزور ہے تو وہ طبعی طور پر چاہے گا کہ فوری ملازمت ہی بہتر ہے کہ اس سے کچھ آمدن ہوگی، اخراجات میں بھی کمی ہوگی، مالی بوجھ بھی ہلکا ہوگا اور برخوردار اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے گا۔ عموماً ایسے حالات میں فوری ضرورت اور آئندہ کی مالی ذمہ داری کا تصور ہی فیصلہ کن عنصر ہوتا ہے۔ حالانکہ ملازمت کی پینشن، مستقبل کی ترقی کے امکانات، عہدہ کا وقار، لڑکے کے مزاج کی کیفیت، ملکی ضروریات اور کئی دیگر ایسے ہوتے ہیں جس کو لازماً ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔ لیکن کسی مسئلہ کو صحیح طور پر حل کرنے کے لیے لازم ہے کہ حتی الامکان اس کے ہر پہلو پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے۔ جلد بازی سے بچ کر مناسب وقت خرچ کر کے زیادہ سے زیادہ متعلقہ مواد کو مہیا کرنے کے بعد، غیر جذباتی ماحول میں مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی جائے۔ مسئلہ کا ایک معین حل سامنے آنے کے بعد ستر (۷۰) فی صدی پریشانی خود بخود رفع ہو جاتی ہے۔ مزاج میں سکون آجاتا ہے۔ خود اعتمادی بڑھ جاتی ہے۔ جب بھی کوئی صورتِ حال شعوری تجزیہ کی زد میں آجاتی ہے وہ مہیب اور عجیب نہیں رہتی، آدمی اس سے مانوس بھی ہو جاتا ہے اور اس پر حاوی بھی۔ پریشانی اور الجھن نا تمام اور غلط اندازِ فکر کا نتیجہ ہوتی ہے۔ فکر کو صحیح کرنے سے اس کی متوازی جذباتی کیفیت بھی صحیح راہ پر آجاتی ہے اور معتدل ہو جاتی ہے۔ جس سے لازماً نفسیاتی سکون حاصل ہوتا ہے۔

Marfat.com

ایک مجرب صورت

صحیح غور وفکر تک پہنچنے کی ایک مجرب صورت یہ ہے کہ مسئلہ کے تمام امکانی پہلوؤں کو کاغذ پر لکھ لیجئے۔ پھر ان کے متعلق جو جو حل طلب سوالات ذہن میں آئیں وہ بھی کاغذ پر تحریر کرتے جائیے۔ یہ سوال نامہ پوری کوشش اور سوچ و بچار سے تیار کیجئے۔ غالب قیاس یہ ہے کہ سوال نامہ مرتب کرتے کرتے جوں جوں مسئلہ کے تمام گوشے سامنے آتے جائیں گے، مسئلہ کا الجھاؤ خود بخود کم ہوتا جائے گا۔ الجھاؤ کی کمی کے ساتھ ہی ساتھ سلجھاؤ بھی پیدا ہوتا چلا جائے گا۔ علمی ترقی کے ساتھ ہی ساتھ، فکری پریشانی کم ہوتی جائے گی۔ مسئلہ کی گھتیاں کھلتے ہی آپ اس کو صحیح رنگ میں دیکھنے کے قابل ہوتے جائیں گے اور اس کا نتیجہ ہوگا، خود اعتمادی اور سکون۔ مناسب طریق عمل کے تعین کے ساتھ ہی آپ اپنے آپ کو مسئلہ حل کرنے کے قابل پائیں گے یا اس کے متوقع نتائج کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہوجائیں گے۔ جب تمام سوالات تحریری شکل میں سامنے آجائیں تو پھر صبر وسکون سے ان کے جوابات لکھتے جائیں۔ جواب مہیا کرنے میں، متعلقہ مواد کو ہمیشہ سامنے رکھیے اور اپنے جذبات کی مداخلت سے حتی الامکان بچیئے۔ جب تمام سوالات کے امکانی جوابات سامنے آجائیں تو پھر ان کی روشنی میں مسئلہ کا کوئی حل تجویز کیجئے۔ غلط فیصلہ کرلیں لیکن فیصلہ ضرور کرنا چاہیے کیوں کہ اس کے بغیر پریشانی رفع نہیں ہوتی۔

تحت الشعور سے کام لیجئے

عام طور پر روزمرہ میں کام آنے والے سطحی شعور اور اس کی کارفرمائیوں کو ہی عقل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور غور وفکر کے معاملات میں، اسی کے فیصلہ کو حرف

آخر قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت دراصل کچھ اور ہے۔ ہم شعور کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں شعور اور تحت الشعور۔ شعور کو تحت الشعور کے بحر ذخار کی ایک موج سمجھئے یا پانی کے نیچے چھپے ہوئے برف کے عظیم تودہ کو تحت الشعور سمجھ لیجئے اور شعور کو پانی سے باہر نظر آنے والی چھوٹی سی چوٹی۔ اگر تحت الشعور کی عظیم قوتوں سے کام لیا جائے تو غور وفکر میں اور حل مسائل میں عظیم نتیجے پیدا کئے سکتے ہیں۔ تحت الشعور سے کام لینے سے قبل اس کے مزاج اور انداز کار کو سمجھنا لازم ہے۔

ا...... تحت الشعور کسی معمولی سے معمولی واقعہ کو بھی نہیں بھولتا۔

ب...... یہ ہر وقت کام کرتا رہتا ہے۔ نیند کے عالم میں بھی اس کی ادھیڑ بن جاری رہتی ہے۔

ج...... جو واقعہ جذبات سے زیادہ ملوث ہو گا وہ تحت الشعور میں نمایاں جگہ حاصل کرے گا اور تحت الشعور اس کے حل میں زیادہ مستعدی کا ثبوت دے گا۔

د...... عموماً سطحی شعور کے تعطل کے عالم میں تحت الشعور سے رابطہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔

پس تحت الشعور کے متعلق ان معلومات کی روشنی میں اس سے کام لینے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ کسی بھی حل طلب مسئلہ کے متعلق پہلے ہر ممکن واقفیت مہیا کریں۔ ہر پہلو سے اس کا امکانی جائزہ لیں، مطالعہ سے، مشورہ سے اور پھر غور وفکر سے اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس تمام ذہنی محنت کے بعد اس معاملہ کو عمداً بھولنے کی کوشش کریں۔ نہ اس طرف توجہ دیں اور نہ ہی مزید غور وفکر کریں۔ ہو گا یہ کہ کچھ عرصہ کے بعد اچانک ہی سوتے یا جاگتے، اس مسئلہ کا مناسب حل خود بخود آپ کے سامنے آجائے گا۔ یہ تحت الشعور کی کارفرمائی کا نتیجہ ہو گا۔ یہ اس خاموش، لیکن عظیم مفکر کا مشورہ ہو گا جو چپکے چپکے بغیر نمود و نمائش کے، ہر وقت اپنی خلوتوں میں محو تفکر رہتا ہے۔ جس کی خلوتوں کی پنہائیوں میں باز یابی مشکل سے ہی نصیب ہوتی ہے۔ جہاں پہنچ کر علم و عرفان، کے

Marfat.com

نادر موتی حاصل ہوتے ہیں اور جہاں ایک سرمدی روشنی میں کبھی کبھی عالم ملکوت اور لاھوت کی دلکش جھلکیاں بھی نظر آجاتی ہیں۔

ایک اچھے شاعر کو اچانک صرف شعر کا مضمون ہی نہیں سوجھ جاتا بلکہ بنا بنایا شعر سامنے آجاتا ہے۔ ایک حکیم اور مفکر اچانک ہی زیر غور مسئلہ کے بہترین حل کو پالیتا ہے۔ ایک مُوجد کے سامنے ایجاد کا نمونہ، برقی سرعت کے ساتھ آموجود ہوتا ہے۔ ایسے واقعات، باکمال حکماء، علماء اور مفکرین کے ساتھ اکثر پیش آتے رہتے ہیں۔ تحت الشعور کے ساتھ رابطہ میں ہی ان کی فکری، تعمیری اور تخلیقی عظمت کا راز مضمر ہوتا ہے۔ آپ بھی اس نسخہ کو آزما کر دیکھئے۔ ذرا سی آبجو کہاں اور بحر ذخار کہاں؟ کوشش کیجئے! ممکن ہے کہ درشہوار آپ کے انتظار میں پڑے ہوں اور کچھ گوہر گرانمایہ آپ کی آغوش طلب کی زینت بننے کے لیے تیار ہوں۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن
من کی دنیا ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دنیا چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

الفاظ کی معنویت

یہ تو ایک واضح حقیقت ہے کہ الفاظ کے بغیر ہم سوچ نہیں سکتے۔ الفاظ کی اینٹوں سے زبان کی عمارت وجود میں آتی ہے اور اگر زبان نہ ہو تو غور و فکر اور سوچ و بچار کا امکان ہی نہیں۔ الفاظ سے ہی ہمارے افکار مستقل صورت اختیار کرتے ہیں۔ الفاظ سے ہی ہماری تمنائیں اور خواہشات، قابل فہم صورت اختیار کرتی ہیں۔

الفاظ سے ہی انسانوں میں تبادلۂ خیالات ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ الفاظ کی

Marfat.com

طلسماتی قوت نے ہی انسان کو معراج کمال پر پہنچایا ہے۔ یہی قوت ہمارے اسلاف کے تجربات اور مشاہدات کو قلمبند کر کے، متاع عزیز کی صورت میں ہمارے سپرد کرتی ہے۔ یہی قوت ہماری تحقیق و جستجو کے نتائج کو پوری دیانت اور وضاحت سے محفوظ کر کے تعمیر مستقبل کا سامان کرتی ہے۔ الفاظ کی قدرت سے ہی عام انسان صاحبِ علم وعقل بن جاتا ہے۔ الفاظ کی علاماتی گہرائیوں کو پا کر ہی ایک مفکر تحقیق و جستجو کی نئی وادیوں کی سیر دیکھ لیتا ہے۔ پس پریشانئ فکر سے بچنے کا ایک بہت مجرب نسخہ یہ ہے کہ اپنے خیالات کو بہ احتیاط تمام جامۂ الفاظ پہنا دیجئے۔ آپ کی پچھتر فی صدی الجھنیں، اسی عمل سے رفع ہو جائیں گی۔ اگر صحیح الفاظ میں آپ نے اپنے الجھے ہوئے خیالات کو منتقل کر دیا، تو اس سے آپ کے خیالات میں ایک ترتیب پیدا ہو جائے گی، ایک وضاحت آجائے گی اور ترتیب و وضاحت، فکری پریشانی کی دشمن ہیں۔ جہاں یہ آئیں، الجھن گئی، فکر اور جذبات کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اگر افکار و خیالات میں ترتیب و وضاحت پیدا ہو جائے تو جذبات میں بھی اسی انداز سے ترتیب و وضاحت پیدا ہو جائے گی۔

آپ کبھی غور سے جذباتی الجھاؤ اور فکری پریشانی کے مریضوں کی گفتگو کا اندازہ کیجئے۔ آپ کو ان میں الفاظ کا غلط انتخاب، گفتگو کا الجھاؤ اور بیان کا ابہام سا نظر آئے گا اور یہ لازم ہے۔ کیونکہ واضح گفتگو اور بین تحریر کی موجودگی میں، ذہنی الجھن کے امکانات بہت ہی کم باقی رہ جاتے ہیں۔ پس ہمیشہ گفتگو میں صحیح الفاظ کا انتخاب کیجئے۔ کسی بھی صورت حال کو حل کرنے سے پہلے اس کی درست تفہیم کے لیے اسے واضح الفاظ میں لکھ لیجئے۔ اس سے آپ کو مسئلہ کے حل میں بہت ہی آسانی ہو جائے گی۔ خواہ مخواہ کے تذبذب اور ابہام سے (جو اکثر فکری الجھنوں کی علت ہیں) نجات مل جائے گی۔ وباللہ التوفیق

Marfat.com

سیر وسفر اور صحت مند کھیلیں

(ایک نفسیاتی تجزیہ)

ماہرین نفسیات سے لے کر عام آدمیوں تک یہ ایک معمول سا بن گیا ہے، کہ ہر پریشان اور مضطرب انسان کو سیر وسفر کا مشورہ دیا جاتا ہے اور بسا اوقات یہ مشورہ مفید ہوتا ہے اور عملاً حسب پسند نتائج پیدا کرتا ہے۔ درحقیقت ہر واقعہ کا کسی نہ کسی مقام سے تعلق ہوتا ہے۔ جس ماحول میں کوئی تلخ واقعہ رونما ہو، اس ماحول میں رہ کر اس واقعہ کی یاد تازہ رہتی ہے۔ کوئی نہ کوئی مانوس شے، پھر سے اس واقعہ کو یاد دلا دیتی ہے۔ انسان کسی واقعہ کو فراموش کرنے کے لاکھ جتن کرے ماحول کی وابستگی، پھر سے اسے بار بار یاد دلا دیتی ہے۔ لہٰذا جب اس ماحول کو ہی یکسر تبدیل کر دیا جائے، تو نئے مناظر کسی گذشتہ تلخ واقعہ کو بھلا دینے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اور اگر وہ مناظر بجائے خود حسین اور نظر کش ہوں تو ان کی جدت اور رعنائی مل کر، سونے پر سہاگہ کا کام کرتے ہیں۔ ساحلِ بحر پر کھڑے ہو کر اس کی بیکراں وسعتوں کو دیکھ کر، اس کے سینہ کے ہیبت آفریں تموج کا نظارہ کر کے، موجوں کے زیر و بم اور مسلسل ترنم میں کھو کر، کون ہے جو اپنے چھوٹے اور محدود سے تفکرات کو بھول نہ جائے، کسی وسیع جنگل، کے سر سبز اور پرسکون ماحول میں پہنچ کر، کون ہے جو اپنے چھوٹے چھوٹے غموں کو یاد رکھ سکے؟ آفتاب کی زر فشانی اور اور غروب آفتاب کی رنگ بیزی، کے حیات انگیز مناظر،

Marfat.com

دکھے ہوئے دلوں کے لیے پرسکون مرہم کا کام کرتے ہیں۔

کھیل کود میں مزا لینا اور حرکت کی برکت میں کلفت کو کھو دینا بھی، مزاج انسانی کا ایک طبعی تقاضا ہے۔ انسان کا معصوم اور مسرور بچپن، کھیل کود کی سرور آفرین گود میں پل کر ہی شباب کی منزلوں تک پہنچتا ہے، کبھی غور سے دیکھیے، بچے کس انہماک سے کھیل کود میں مصروف ہوتے ہیں۔ ان کی مصروفیت وارفتگی کی حد تک پہنچی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ خورد و نوش کے تقاضوں اور والدین کے عتاب تک کو بھول جاتے ہیں۔ پھر بچوں کی اکثر تعمیری صلاحیتیں کھیل ہی کھیل میں پروان چڑھتی ہیں۔ بچہ گھروندے بنا کر تعمیری کام سیکھتا ہے، مصنوعی جنگ لڑ کر فتح و شکست کی کیفیات کا اظہار کرتا ہے۔ جھوٹ موٹ کا دکاندار بن کر تاجرانہ ذوق کی تسکین کرتا ہے۔ مصنوعی کھیتی باڑی کر کے ذوقِ زراعت کی تشفی کر لیتا ہے۔ غرضیکہ جہاں کھیل کود میں طبعی انہماک، غم کو غلط کرتا ہے وہیں انسان کی تعمیری صلاحیتوں کو بھی اجاگر کرتا ہے۔ پھر اجتماعی کھیلوں میں تو باہمی تعاون، ربط وضبط، واور اطاعت و پابندی کی تعلیم بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ طویل انسانی داستان کا آپ کہیں سے بھی مطالعہ کریں، آپ انسان کو زندگی کے ہر مرحلہ میں کھیل کود میں مصروف پائیں گے۔ یہ عمل اتنا دیرینہ اور مسلسل ہوتا چلا آیا ہے کہ انسان کا ایک طبعی فعل بن گیا ہے۔ اگلے لوگ کم خرچ اور سادہ کھیلوں سے دل بہلا لیا کرتے تھے۔ آج کل کی نام نہاد مہذب قومیں، ترقی یافتہ اور گراں کھیلوں میں مصروف ہو کر اپنے ذوق تماشا کی تسکین کر لیتی ہیں۔ بہر حال کوئی قوم پسماندہ ہو یا ترقی یافتہ، اس کے افراد کھیل کود کے رسیا ہوتے ہیں اور انسانوں کو کھیلنے اور کھیل کا تماشا دیکھنے میں خاص لطف حاصل ہوتا ہے۔ آپ بھی حسب عمر و مزاج کسی مفید کھیل کی دلچسپیوں میں کھو کر اعصابی کھچاؤ کا مداوا کر سکتے ہیں۔ کھیلنے کی مسلسل حرکات، جہاں اعصابی کھچاؤ کو کم کریں گی، وہاں دورانِ خون کو تیز کر کے، مزاج میں صحت

Marfat.com

مندانہ فرحت بھی پیدا کریں گی۔اعضاء، ورزش سے مضبوط ہوں گے، صحت کی عمدگی سے صحت مندانہ قوت پیدا ہوگی، جس پر سچی مسرت کا دارومدار ہے۔

کھیلوں کی نوعیت

کھیل کی نوعیت آپ کے لیے کیا ہو؟ اس کا مدار آپ کی عمر، جسمانی صحت اور ذہنی کیفیت پر ہے۔ مضبوط جسم کے نوعمر آدمی، ٹینس، ہاکی، فٹ بال، کبڈی، کشتی اور دوڑ وغیرہ میں دلچسپی لے کر، صحت اور مسرت کو بڑھا سکتے ہیں۔ادھیڑ عمر کے آدمی بھی ان کھیلوں میں شامل ہوسکتے ہیں بشرطیکہ وہ زیادہ محنت نہ کریں اور تھکاوٹ پیدا ہونے سے قبل ہی کھیل چھوڑ دیں، اس سے جسم کو ہلکی ورزش کے فوائد تو حاصل ہوجائیں گے، لیکن اعضاء و جوارح پر کوئی ناگوار بوجھ نہ پڑے گا۔ پچاس سال کی عمر کے بعد، پیدل سیر کرنا، بہترین ورزش ہے۔ پیدل چلنے سے دوران خون میں کچھ تیزی پیدا ہو جاتی ہے، جس سے زیادہ مقدار میں صاف اور تازہ ہوا پھیپھڑوں میں جا کر، خون کی صفائی اور توانائی کا اہتمام کرتی ہے۔اعصاب مضبوط ہوتے ہیں اور اشتہا تیز ہوتی ہے۔اس ہلکی پھلکی ورزش سے تقریباً وہی فوائد حاصل ہوتے ہیں جو عالم شباب میں، مقابلہ کے کھیلوں میں شامل ہوکر حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ سیر کے لئے، صبح صادق کا وقت بہترین ہوتا ہے۔ ہوا صاف اور گردوغبار سے پاک ہوتی ہے۔تمام فضا نکھری ہوئی اور تمام ماحول پُرسکون ہوتا ہے۔سحر کو پرندے اپنے معصوم نغموں سے آپ کا استقبال کرتے ہیں۔کلیاں چٹک کر اور پھل مسکرا کر، آپ کی مزاج پرسی کرتے ہیں۔ ہلکی ہلکی مدھم مدھم روشنی سے ایک دلفریب طلسماتی فضا پیدا ہوجاتی ہے۔جس میں کھو کر دل کو سکون اور جسم کو راحت نصیب ہوتی ہے۔صبح کی سیر کی عادت نفسیاتی اور طبعی طور پر بہت مفید عادت ہے۔آپ اس عادت کو اپنا کر، اور اس کی مسرت آفرینی اور سکون

Marfat.com

بخشی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ طبعی اصولوں کے مطابق صبح جلدی اٹھنا امراض قلب سے نجات کا ذریعہ ہے۔ اکثر قلب کے مریض صبح کے دل کے دورے پڑنے سے جاں بحق ہوتے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق صبح کی بیداری قلب وروح کے لیے شفاء کا پیغام ہے۔

انسان کی طبعی سہل انگاری بسا اوقات ورزش اور سیر کی صحت مندانہ عادات میں حائل ہوتی ہے۔ سہل انگاری اور سستی کے اس افسوں کو توڑ کر، ورزش اور سیر کے لیے نکل کھڑا ہونا ہی صحت ومسرت کی طرف پہلا قدم ہوتا ہے۔ جسمانی حرکات سے اکثر مزاجی کھچاؤ دفع ہو جاتے ہیں۔ مسلسل اور دبے ہوئے رنج سے انسان کے اندر کچھ رطوبات پیدا ہوتی رہتی ہیں جن کا وظیفہ انسان کو شدید عمل کے لیے تیار کرنا ہوتا ہے۔ اگر انسان مائل بہ عمل نہ ہو تو ان رطوبات کی بے مصرف کثرت دل ودماغ کو نقصان پہنچاتی ہے۔ ورزش اور کھیل میں مصروف ہو کر ان فالتو رطوبات کو قدرتی نکاس مل جاتا ہے۔ جس مزاج میں ایک اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔ دوران خون کی تیزی، جمود اور افسردگی کو ہٹا دیتی ہے۔ حرکت سے مسرت اور قوت پیدا ہوتی ہے اور ایک نفسیاتی مریض انہی کیفیات کا متلاشی ہوتا ہے۔

اجتماعی کھیل

شخصی کھیلوں کی بجائے اجتماعی کھیل، ہر لحاظ سے زیادہ مفید ہوتے ہیں۔ عموماً نفسیاتی مریض وہی ہوتے ہیں جو دوسرں سے تعاون وتعامل سے محروم ہوتے ہیں۔ اور اپنی محدود خیالی دنیا...... میں محصور ہو کر رہ جاتے ہیں وہ اجتماعی ذمہ داریوں سے خائف ہوتے ہیں۔ دوسرں کو شک اور خوف کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یہ شک اور خوف، (جو دور طفلی کی نادانیوں کی غیر شعوری یاد کے طور پر دل میں باقی رہ جاتے ہیں) ہی

ذہنی عوارض کی علت ہوتے ہیں ۔اجتماعی کھیلوں میں باہمی تعاون کی مشق سے دوسروں پر بھروسا کرنا آجاتا ہے اور میل ملاپ سے دائرہ فکر و عمل بھی وسیع ہو جاتا ہے۔دوسرں سے انس اور تعاون ہی نفسیاتی صحت کی طرف پہلا قدم ہوتا ہے۔کھیلوں میں کبھی فتح ہوتی ہے اور کبھی شکست ،اور شکست کو ہنس کر ٹھنڈے دل سے برداشت کر لینا ایک اچھے کھلاڑی کی نمایاں صفت ہوتی ہے۔کھیل کے میدان کی یہ عادت زندگی کے وسیع تر میدان میں بھی کام آتی ہے۔جب زندگی کے حادثات اور ناگوار معاملات کو مسکرا کر مردانہ وار سہنے کی جرأت حاصل ہو جائے تو انسان اپنے نفسیاتی بلوغ کو پہنچ جاتا ہے ۔شاید لارڈ ولنگڈن کا مقولہ ہے ......واٹر لو کے میدانِ جنگ کی تیاری دراصل ایٹن کے کھیل کے میدان میں ہوئی تھی ۔لہٰذا اجتماعی کھیلوں میں انہماک ایک بہت ہی مفید عادت ہے۔اس عادت کو مزید پھیلانا چاہئے تاکہ جسمانی صحت کے ساتھ ہی ساتھ نفسیاتی صحت اور قوت میں بھی اضافہ ہوتا رہے۔

بعض اوقات انسان کا کاروبار اس کے مزاج کے تقاضوں کے مطابق نہیں ہوتا۔ایسے کاروبار میں اقتصادی ضرورت کے پیش نظر شامل ہونا پڑتا ہے۔مزاج کے تقاضے کچھ اور ہوتے ہیں اور ضروریات زندگی کے تقاضے کچھ اور۔ان حالات میں مزاج کا تکدر جسمانی تھکاوٹ اور ذہنی پریشانی کے رنگ میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ طبیعت کی اس افتاد کے باوجود ہر آدمی میں نہ تو اتنی اخلاقی جرأت ہوتی ہے اور نہ ہی مالی وسعت ، کہ وہ کاروبار کو ہی تبدیل کر کے حسب مزاج بنالے اور یا بصورت دیگر مزاج کو بدل کر کاروبار کے مطابق ڈھال لے۔تبدیلی مزاج پر یہ قدرت تو کسی فلسفی کو ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ورنہ یہ بات کسی حسبِ پسند تعمیری شغل میں مصروفیت لازماً ہونی چاہئے۔تاکہ تعمیری صلاحیتوں کو بروئے کار آنے کا موقعہ مل سکے۔جب بھی کوئی حسب مزاج شغل مل جائے گا۔مزاج کی دلچسپیاں ساری زندگی کو خوشگوار بنادیں گی۔

Marfat.com

تھکا ماندہ انسان ایک نئے جوش وخروش کا حامل بن جائے گا۔ بے جان قویٰ میں نئی امنگیں پیدا ہو جائیں گی۔ بسا اوقات یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ کوئی تعمیری کام جو ابتدا میں صرف تفریحاً شروع کیا گیا۔ اس حد تک پسندیدہ ثابت ہوا اور انہماک و توجہ کی وجہ سے اس میں اتنی ماہرانہ قابلیت پیدا ہو گئی کہ وہ تفریح ہی ایک مستقل کاروبار بن گئی اور چونکہ اس کاروبار میں طبعی رجحان شامل تھا اس لیے اس میں ماہرانہ درک پیدا ہو گیا۔ کام میں پوری دلچسپی ہونے کی وجہ سے وہ کام ترقی کرتا گیا اور خود اس کام میں مصروفیت وجہِ مسرت ہو گئی۔ جس سے کام کرنے والے کی ذہنی اور جسمانی صحت پر بہت خوشگوار اثر ہوا۔ پس آپ بھی کسی ایسی تعمیری تفریح میں حصہ لیں جو آپ کو تفریح کا فائدہ بھی بخشے، اور آپ کی تعمیری صلاحیتوں کے اظہار میں بھی مدومعاون ہو۔ اس سلسلہ میں خطاطی، مصوری، شاعری، باغبانی، موسیقی، کسی نئی زبان کا سیکھنا، علمِ نجوم، طبقات الارض، جغرافیہ یا تاریخ وغیرہ کا مطالعہ بھی شامل ہیں۔

خود زندگی کو بھی ایک کھیل سمجھئے

زندگی مسلسل حرکت اور عملِ پیہم کا نام ہے۔ مصائب اور مشکلات، زندگی کے کھیل کا لازمہ ہیں۔ اس میدان میں زندگی کا کھیل مردانہ وار کھیلنا چاہئے۔

مرد کی تخلیق ہے زور آزمانے کے لیے
گردنیں سرکش حوادث کی جھکانے کے لیے
مرد کہتے ہیں اُسے اے بندگانِ طمطراق
جو جلالِ برق و باراں کا اُڑاتا ہو مذاق
دوڑتا ہو شعلہ خو بجلی کا دامن تھامنے
مسکراتا ہو گرجتے بادلوں کے سامنے

Marfat.com

تم مگر اس زندگی کے کھیل سے رہتے ہو دور

آفریں! اے عصر حاضر کے جوانانِ غیور

ہم نے زمین کے وسیع میدان میں ایک معین عرصہ تک زندگی کے کھیل کو بہر حال کھیلنا ہے۔ دوسرے کھیلوں کی طرح عرصۂ حیات میں بھی زندگی کے کھلاڑی کو، گوئے سبقت لے جانے کے لیے دوڑ دھوپ اور تگ و دو کرنی پڑتی ہے۔ کسی کے ساتھ تعاون کرنا ہوتا ہے اور کسی کے ساتھ تقابل۔ ''نتیجتاً'' کبھی فتح ہوتی ہے اور کبھی شکست۔ اچھے کھلاڑی کی طرح فتح پر ضبط اور شکست پر صبر کرنا چاہیے۔ یہاں عجیب چکر چلتے ہیں۔ کبھی کامیابیوں کے بعد ناکامیاں ہوتی ہیں اور کبھی ناکامیوں کے بعد کامیابیاں۔ نہ وہ مستقل ہوتی ہیں اور نہ یہ پائیدار۔ عقل مند وہی ہے جو حکیمانہ نظر اور مؤمنانہ صبر کا شیوہ اختیار کرے۔ نہ تو خوشی کے عالم میں آپے سے باہر ہو اور نہ ہی مصیبت کے سامنے ہتھیار ڈال دے، زندگی کے کھیل کو بہر حال ایک منجھے ہوئے کھلاڑی کی طرح، فتح وشکست سے بے نیاز ہو کر ہی کھیلنا چاہیے۔ امکان بھر محنت کے لیے ہمت نہ ہاریئے۔ اپنی طرف سے اپنی بہترین کوششیں بروئے کار لایئے اور پھر حکیمانہ استغناء کے ساتھ نتائج کو قبول کیجئے۔ کائنات مجموعہ اضداد ہے۔ یہاں تحققِ خیر کے لیے شر کا وجود لازم ہے۔ خزاں کی افسردگی، بہار کی رعنائی کو اجاگر کرتی ہے۔ شب کے اندھیرے میں، ستاروں کی چمک زیادہ نمایاں ہوتی ہے۔ جب دکھ اور سکھ کا چولی دامن کا ساتھ ہے، تو دونوں کے لیے تیار رہیے۔ ایک کی طلب اور دوسرے سے فرار، شیوہ فرازنگی نہیں۔ مفید کو حاصل کرنے کی خوب کوشش کیجئے اور مضر کو دفع کرنے میں خوب سعی کیجئے۔ لیکن اگر نتائج حسبِ خواہش نہ ہوں تو ہمت نہ ہاریئے۔

آپ کے علاوہ یہاں ہزاروں لاکھوں قوتیں کارفرما ہیں۔ نتائج کا تعین کون کرے؟ اور پھر اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ، تقدیر کے اٹل قانون کی شکل میں کارفرما ہے،

اسی پر بھروسہ کیجئے، اس سے تعاون کیجئے اور جب آپ کی ادھوری کوششیں نتیجہ خیز نہ ہوں، اور آپ کی مرادیں بر نہ آئیں تو سعی و عمل کو جاری رکھتے ہوئے تقدیر کے فیصلہ کو خوش دلی سے قبول کیجئے۔ اطمینان اور مسرت کی اس وادی میں صرف مؤمن کو ہی باریابی ہوسکتی ہے۔ زندگی کی تلخیوں کے باوجود صبر و رضا کی حلاوت کے مزے صرف مؤمن ہی حاصل کرسکتا ہے۔ آپ بھی اپنے مضطرب دل و دماغ کو اس قطعی حکمت کی سکون بخشیوں سے متعارف کرائیے۔ زندگی کے کھیل کو فتح و شکست سمیت ایک اچھے کھلاڑی کی طرح، مردانہ وار کھیلئے۔ فتح کی مسرتوں میں دوسروں کو بھی شریک کیجئے اور شکست کی تلخیوں پر خود ہی مسکرا کر اسے گوارا بنا لیجئے۔

مصائب سے الجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے
مجھے ناکامیوں پر اشک برسانا نہیں آتا

Marfat.com

زندگی......خواب کی مانند ہے

کائنات کا بذریعہ حواس تصور، علم حصولی ہے اور سراسر التباسِ حواس یا فریبِ نظر پر مبنی ہے۔ حواس غلطی کرتے رہتے ہیں۔ سرسام کی کیفیت میں مریض وہ کچھ دیکھتا ہے اور وہ کچھ سنتا ہے جو حقیقتاً موجود نہیں ہوتا۔ خواب میں انسان کیا کچھ نہیں دیکھتا، کبھی وہ وہمی خطرات سے خائف ہوتا ہے اور کبھی موہوم لذائذ سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ عالمِ خواب میں گدا، شاہ اور شاہ، گدا بن جاتے ہیں۔ خواب میں شدید اذیت اور شدید لذت کا احساس بھی ہوتا ہے۔ اور اس وقت یہ سب کچھ حقیقی معلوم ہوتا ہے۔ بیداری پر پتہ چلتا ہے کہ

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو کچھ سنا افسانہ تھا

خواب میں زمان و مکاں کے تصورات بھی بدل جاتے ہیں۔ ہفتوں اور مہینوں کی منزلیں آنِ واحد میں طے ہو جاتی ہیں۔ عالم بیداری میں جو کام شاید سالوں میں بمشکلِ تمام طے ہو پائے وہ عالم خواب میں آناً فاناً طے ہو جاتے ہیں۔ لیکن بیداری کے معیارِ وقت کے لحاظ سے خواب میں بھی ماہ و سال کا احساس اسی طرح ہوتا ہے۔ تفاوت، بیدار ہونے کے بعد معلوم ہوتا ہے۔ روایت ہے کہ کوئی بادشاہ شکار کو چلا، اس کے ہمراہی اور سپاہی الگ سواری کا اہتمام کر کے بادشاہ کے انتظار میں کھڑے تھے کہ بادشاہ کی آنکھ لگ گئی۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ جنگل میں شکار کھیلتے

Marfat.com

کھیلتے اپنے ہمراہیوں سے الگ ہوگیا۔اسے شدید پیاس بھی محسوس ہوئی۔اسی اثنا میں اس نے ایک کنویں پر ایک خُوب رُوجواں دوشیزہ کو پانی بھرتے دیکھا اور اس سے پانی مانگ کر پیا۔لیکن بہ یک نگاہ اس محبوبہ حورشمائل کے تیرِ نظر سے ایسا گھائل ہوا کہ سب کچھ بھول گیا۔اس لڑکی کے پیچھے پیچھے اس کے گھر پہنچا۔معلوم ہوا کہ وہ لڑکی بھنگیوں میں سے ہے لیکن عشق کا جنوں ذات پات کو کیا جانے کہ

ع   دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

بادشاہ سلامت بھی حسب ونسب اور جاہ وحشم کو تیاگ کر اس پری تمثال کے دروازے پر دھونی رما بیٹھے۔آخر عشق صادق رنگ لایا اور درِ مقصود ہاتھ آیا،محبوبہ حبالۂ عقد میں آئی اور دلی تمنا بر آئی۔گھر بسایا...... چار بچے بھی پیدا ہوئے ......دس سال بیت گئے آخر مرض نے آلیا اور بھرا بھرا گھر اُجڑ گیا۔بادشاہ نے انتقال کیا......گھر بھر میں کہرام مچ گیا......بیوی بچے روتے روتے ہلکان ہوگئے......اس مرحلہ پر بادشاہ کی آنکھ کھل گئی اور وزیر حضوری نے عرض کی جہاں پناہ! خدام سواریوں کے ہمراہ، جہاں پناہ کے منتظر ہیں......کہ شکار پر روانہ ہوں......ہم نے بیدار کرنے کی جسارت نہ کی......ابھی ابھی تو حضور کی آنکھ لگی تھی......وزیر کی یہ ابھی ابھی بادشاہ کے نزدیک دس سال کے برابر تھی......بادشاہ ورطۂ حیرت میں تھا......کہ خواب وبیداری میں کیا فرق ہے؟اور دونوں حالتوں میں سے حقیقی کون سی ہے؟سوچا کہ یہ تمام زندگی ایک خواب مسلسل ہی معلوم ہوتی ہے......مرنے پر زندگی بھی خواب وخیال معلوم ہوگی......ماضی ایک خیال ہے......اور مستقبل ایک آرزو......زندگی تو حال کا لمحۂ شعور ہے، جو اتنا گزیدہ پا ہے کہ گرفت میں ہی نہیں آتا ہے۔بقول غالب

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

Marfat.com

ارمغانِ فیض

Marfat.com

محمد

Marfat.com

جہاں بزمِ خرد میں مُنتہائے جُستجو تُو ہے
گلستاں میں وہیں مقصودِ سوزِ آرزو تُو ہے

نسیمِ صُبح ہے نکہت بداماں فیض سے تیرے
چمن افروز اے جانِ بہارِ رنگ و بُو تُو ہے

ضیاء کون و مکاں میں مہرِ عالمتاب ہے تیری
تجلّی ریز بزمِ زِندگی میں چار سُو تُو ہے

جہانِ عشق کی آبادیاں تیرے ہی دم سے ہیں
نوا بُلبُل میں ہے تیری رگِ گُل میں لہُو تُو ہے

فروغِ بزمِ امکاں ہے تیرے نُورِ تجلّی سے
اِس آئینہ میں جلوہ ریز گویا ہُو بہُو تُو ہے

تیری رنگینیاں قیدِ بیاں میں آ نہیں سکتیں
زبانِ گُل سے لیکن یہ سُنا ہے سُرخرو تو ہے

خرد کہتی رہی روپوش ہے تو لاکھ پردوں میں
مگر میری نظر میں جلوہ فرما چار سُو تُو ہے

تیرے ہی فیض سے آباد ہے مے خانۂ ہستی
مئے خوش رنگ تُو ، پیرِ مغاں تُو ، اور سبو تُو ہے

مکان ہو کہ لا مکاں وہی عیاں یہاں وہاں
حجابِ حُسنِ یار ، ہیں تعیّناتِ این و آں
وہ جوششِ ظہور ہے ہر ایک ذرّہ طُور ہے
ہر ایک چیز مست ہے فضا میں وہ سُرور ہے
وہ صُورتوں میں ہے عیاں وہ نکہتوں میں ہے نہاں
کہاں ہے وہ، کہاں نہیں،وہ ہے محیطِ این و آں
جمال اس کی ہے ضیا ، کمال اس کی ہے ادا
ہر آن محوِ دید ہے دِل حقیقت آشنا
ہے بیخودی شعُور و آگہی کی حدِّ آخری
سرورِ بیخودی میں ہے شعورِ رازِ زندگی
خرد فریبِ زِندگی ، جنوں شعورِ زندگی
یہ رازِ دارِ زندگی، وہ محوِ جستجو ابھی
ہے میکدے میں کام کیا شعُورِ ناتمام کا
دلیلِ جہل ہے یہاں شعور صبح و شام کا
یہاں ہے کیفِ مستقل یہاں سرورِ سرمدی
یہی اصُولِ بندگی یہی کمالِ زندگی

Marfat.com

نعت

Marfat.com

تیری نوائے شوق سے وجد میں ہے حریمِ ذات
تیری نظر کے کیف سے مست ہے محفلِ ثبات
دونوں جہاں پہ ہے مُحیط تیری ہی رحمتِ تمام
تیرے کرم کے سامنے تنگ ہے دامنِ حیات
تیرا عروج باعثِ رونق عالمِ وجود
تیرا نزول علّتِ حسنِ جہانِ ممکنات
کر کے عطا بدستِ خاص ساغرِ بادۂ الست
کر دیا تُو نے مُعتدل کیفِ مزاجِ کائنات
مِٹ گئے تیرے فیض سے رنگ ونسب کے تفرقے
دونوں جہاں ہیں ایک سے بہرہ ورِ نوازشات
تیرے جمال کی قسم رقص کرے گا حشر تک
تیری نوائے شوق کی دُھن پہ ضمیرِ کائنات
تیرے لئے سحر کو ہے مہر کا تُحفۂ سلام
شام کو تیرے واسطے ماہ کا ہدیۂ صلوٰت
کون کرے تیرے سوا چارۂ دردِ عاشقی
کون سُنے ترے بغیر میرے جنوں کی واردات

Marfat.com

مرہمِ زخمِ بے کسی خندۂ زیرِ لب ترا
چارۂ دردِ عاشقی تیری نگاہِ التفات
تیرے ہی نام سے ہوا نُسخہ زندگی شروع
تیرے ہی ذِکر پر ہوا ختم صحیفۂ حیات
رونقِ محفلِ شہود تیرے وجود کے طفیل
حُسنِ جہانِ رنگ و بُو تیرے جمال کی زکوٰت

پیرِ مغاں کے فیضؔ سے مستِ مئے الست ہوں
تنگ ہے مرے واسطے کیفِ سرابِ ممکنات

Marfat.com

تیرے وقار پر فدا رُعب و جلالِ مُوسوی
تیرے جمال پر نثار جلوۂ حُسنِ یُوسفی
خم ہے تیری جناب میں فرق لوائے قیصری
زرد ہے تیرے رُوبرو رنگِ شکوہِ خسروی
تیری عطائے بے حساب باعثِ شانِ دُنیوی
تیری دُعائے مستجاب وجہِ نجاتِ اُخروی
تیری نگاہِ لُطف ہے چارۂ دردِ عاجزی
خندۂ زیرِ لب تیرا مرہمِ زخمِ بے کسی
ساقئ محفلِ الست رحمتِ عام سے تری
آ گیا اعتدال پر کیفِ مزاجِ زِندگی
سازِ بلال کی قَسم سوزِ جنید کی قسم
زخمۂ سازِ عشق ہے تیری ادائے دِلبری
حاصلِ زندگی ہے بس حلقۂ بندگی ترا
اِس کے سوا نہیں کوئی میری متاعِ اُخروی
کرتے ہیں تیری ذات پر ناز تمام انبیاء
تیری قبائے حُسن ہے تابِ رُخِ پیمبری

نکہتِ زُلف سے تری مَست ہوا ہے پھول پھول
کیفِ جمال سے ترے جھوم اُٹھی کلی کلی
جلوے ہیں کس قدر حسیں تیرے نیاز و ناز کے
لطفِ جمالِ بُوذری شانِ جلالِ حیدری

تابِ سفر نہیں ہے اب منزلِ شوق دُور ہے
مُنتظرِ کرم ہے اب فیضؔ کی پا شکستگی

Marfat.com

تیرا پیامِ سرمدی امنِ جہان کا کفیل
تیرا جمالِ دِلنواز حُسنِ الست کی دلیل
لے گیا شوقِ دِل مِرا مُجھ کو ترے حضور میں
رہ گئی تھک کے دُور ہی میری خرد کی قال و قیل
زمزمِ فیض سے ترے کون نہیں ہے بہرہ یاب
گنگ و جمن ہو یا فرات، نیل ہو یا کہ سَلسبیل
تیری نوائے شوق کی گونج ہے نعرۂ حسین
تیری ادائے عشق کا عکس ہے جرأتِ خلیل
تیرا حریمِ ناز ہے منزلِ کاروانِ شوق
قبلۂ اہلِ ذوق ہے تیرا ہی پیکرِ جمیل
فِکر و نظر میں آ سکیں کس طرح تیری رفعتیں
ہے تیرا اوّلیں قدم آخری حدِ جبریل
تیری زبان ہے فقط مظہرِ رازِ کُن فکاں
تیرا وجودِ پاک ہے حق کے وجود کی دلیل
تیری شمیمِ زلف سے نکہتِ گلشنِ جناں
تیری نگاہِ مست سے مستیٔ رودِ سلسبیل
فیضؔ سُناؤں کس طرح قصۂ دردِ آرزو
وقفۂ حشر مختصر اور مری داستاں طویل

Marfat.com

حسن ترا ہے جلوہ گر تابشِ مہر و ماہ میں
رنگ ترا ہی ہے عیاں حُسنِ گل و گیا میں
یُوں تو بسا ہوا ہے تو میرے دِل و نگاہ میں
لذّتِ دیدِ خاص ہے جلوہٗ گاہ گاہ میں
ڈال کے اِک نگاہ بس میرا جنوں گزر گیا
دیر و حرم بھی آئے تھے اس کی گلی کی راہ میں
تیرے وفورِ نور نے کام کیا حجاب کا
دیدہٗ شوق کھو گیا تابشِ بے پناہ میں
باعثِ ننگ ہے وہی میرے جنوں کے واسطے
جو ہے کمال دیدہٗ زاہدِ کم نِگاہ میں
دیر و حرم کی وسعتیں جُرم پہ میرے تنگ تھیں
اس کو ملی پناہ تو رحمتِ بے پناہ میں
جس کی تپش کا ہو اثر اس کے حریمِ ناز تک
ایسا ہی سوز ہے نہاں عشق کی اِک نگاہ میں

منطق و فلسفہ کے سب ساحلِ استوار فیض
بہ گئے سیلِ عشق کی یورشِ بے پناہ میں

Marfat.com

عیب ڈھلتے ہیں سیہ کاروں کے
کیا مقدر ہیں گنہ گاروں کے

جلوۂ روئے محمد کے حضور
زرد ہیں رنگ چمن زاروں کے

شاہِ کونین! جُھکے رہتے ہیں
سر ترے در پہ جہانداروں کے

چُھپ گئے دامنِ رحمت میں ترے
داغ ہم جیسے سیہ کاروں کے

آ گیا ابرِ کرم بطحا سے!
لب ہلے تھے ابھی مے خواروں کے

بن گئے خالِ رُخِ رحمت حق
جُرم ہم جیسے خطا کاروں کے

ہو گئے شانِ کرم سے موتی
جو گرے اشک گنہ گاروں کے

اِک اشارے سے ترے شاہِ دالا
کٹ گئے طوق گرفتاروں کے

پیشِ خدمت ہیں صلوٰۃ اور سلام
ارمغان ہیں یہ نمک خواروں کے

Marfat.com

جھومتی جن پہ ہے شانِ رحمت
چند نالے ہیں دِل افگاروں کے

ان کو دیکھا سرِ بالیں جب فیضؔ
حوصلے بڑھ گئے بیماروں کے

Marfat.com

بخشا جمالِ زندگی جاں کو شہِ حجاز نے
بخشی ہے دِل کو روشنی نُورِ نظر نواز نے
سنگِ حوادثات سے ڈر نہ سکا سرِ جنوں
لاکھ جتن کئے تھے گو عقلِ بہانہ ساز نے
میرے جلو میں جلوہ ریز کِتنے ہی کوہ طور ہیں
بھر دیا دامنِ طلب خاکِ رہِ حجاز نے
قیمتِ مئے لئے بغیر جامِ سفال بھر دیا
رکھ لی طلب کی آبرو سَاقیٔ دِلنواز نے
دیکھ کے دِل کی کیفیت کر دیا اس کو رُستگار
قیدِ فسُونِ عقل سے حُسنِ جنوں نواز نے
کر دیا دل پہ منعطف ان کی نگاہِ ناز کو
اِتنا تو کام کر دیا آہِ جگر گداز نے

پاسِ ادب سے گو رہی مہر بلب زبانِ فیضؔ
قِصّۂ غم سُنا دیا اشکِ سخن طراز نے

Marfat.com

فِکر و فن تیرے لئے حُسنِ بیاں تیرے لئے
اہتمامِ بزم ہے اے جانِ جاں تیرے لئے
مُضطرب ہے گردشِ کون و مکاں تیرے لئے
گامزن ہے زندگی کا کارواں تیرے لئے
دم بخود ہیں یہ زمین و آسماں تیرے لئے
ہے بپا ہنگامۂ کون و مکاں تیرے لئے
اے دُرِ دُرجِ رسالت گوہرِ نایابِ حُسن
وقف ہے آغوشِ بحرِ بے کراں تیرے لئے
کاروانِ عشق کی تو منزلِ مقصود ہے
ہے یہ سارا ذوق و شوقِ رہرواں تیرے لئے
سُن کبھی اے جانِ خُوبی قصّۂ دردِ نہاں
ہے لکھی دِل نے مرے یہ داستاں تیرے لئے
چشمِ نرگس مست ہے تیری مئے دیدار سے
قمریاں ہیں شوق میں رطب اللساں تیرے لئے
محفلِ ہستی کی جنسِ بیش قیمت ہے توئی
ہے سجائی زِندگی نے یہ دکاں تیرے لئے
کلکِ قدرت جھومتا ہے شوخئ تحریر پر
وجد میں ہے میرا قلبِ نکتہ داں تیرے لئے

Marfat.com

اک نگاہِ ناز ہم پہ شاہدِ کنج حرا
ہے سراپا شوق جانِ عاشقاں تیرے لئے

ہیں اُٹھائے فیضؔ بے کس نے بھی اے جانِ جہاں
کیسے کیسے درد کے کوہِ گراں تیرے لئے

Marfat.com

گر نقاب اپنا الگ وہ رخِ زیبا کر دے
ایک اِک ذرّہ میں اِک طور مہیّا کر دے

گوشۂ چشم سے ہلکا سا اشارا کر دے
میری قِسمت کی خرابی کا مداوا کر دے

تُو اگر چاہے تو ہر قطرے کو دریا کر دے
ذرّۂ خاک کو ہمدوشِ ثریّا کر دے

اِک اشارا جو وہ دانائے مدینہ کر دے
مُردۂ کہنہ کو بھی رشکِ مسیحا کر دے

گردشِ شام و سحر رُک کے وہیں رہ جائے
گوشۂ چشمِ محمد جو اشارا کر دے

آ ہی جائے کبھی وہ چارہ گری کو میری
کام کرنے کا ہے یہ جذبِ تمنّا کر دے

دے کے ساغر کوئی اے ساقئ کوثر مجھ کو
محو دِل سے مرے اندیشۂ فردا کر دے

چارۂ دردِ نہاں یہ تو بڑی بات نہیں
تیرا اعجاز تو مُردے کو مسیحا کر دے

سنگِ در تیرا بنا بوسہ گہِ اِنس و ملک
فرش کو عرش ترا نقشِ کفِ پا کر دے

تیری نِسبت کے سبب سے یہ بڑی بات نہیں
عِشق میں فیضؔ جو یکتائی کا دعویٰ کر دے

Marfat.com

ہے حجابات شکن ذوقِ تماشا تیرا
ناظرِ حسنِ ازل دیدۂ بینا تیرا
ہے ورا حوصلۂ دید سے جلوہ تیرا
جبکہ مُشتاق ہے خود جلوۂ سِینا تیرا
مایۂ جوشِ جنوں جلوۂ زیبا تیرا
حاملِ ذوقِ نظر نقشِ کفِ پا تیرا
عرصۂ حشر میں چلتی ہے شفاعت تیری
اُڑ رہا ہے سرِ میدان پھریرا تیرا
گردشیں ارض و سما کی ہیں ترے زیرِ نگیں
اثر انداز قمر پر ہے اشارا تیرا
تابِ دیدار نہ تھی چشمِ تمنّا کو مری
ہمّت افزائے نظر بن گیا پردا تیرا
اس پہ کچھ ہو نہ سکا بادِ مخالف کا اثر
کشتیٔ شوق کو ہے جب سے سہارا تیرا

Marfat.com

ہمسری کون کرے تیری کہ خود خالق نے
جب کِیا ہی نہیں ثانی کوئی پیدا تیرا
ہو عطا ساغرِ سر جوش مجھے بھی للہ
بادۂ شوق سے لبریز ہے مِینا تیرا
اہلِ ایمان کے نزدیک کئی لاکھ گنا
مُشک و عنبر سے گراں تر ہے پسینا تیرا
جُبہ سائی کے تقاضے کا مداوا کر لُوں
دیکھ لُوں کاش کہیں نقشِ کفِ پا تیرا
بستۂ قیدِ زماں تھا دمِ عیسیٰ کا کمال
دور ہے تا بہ ابد میرے مسیحا تیرا
فائزِ منزلِ مقصود ہو تب ذوقِ نظر
جب نظر آئے اسے سامنے روضہ تیرا
ساقئ حشر ملے فیضؔ کو بھی جام کوئی
میکدہ تیرا سبو تیرا ہے مینا تیرا

جنوں کو راستۂ ارتقاء نہیں مِلتا
تمہاری زُلف سے گر سِلسلہ نہیں مِلتا
محیطِ غم میں کسی کشتئ شکستہ کو
تیرے بغیر کوئی نا خُدا نہیں مِلتا
حسین اور بھی گو محفل حیات میں ہیں
مگر کوئی بھی تری شان کا نہیں مِلتا
مُجھ ایسے بے کس و بے آسرا مریضوں کو
ترے بغیر پیامِ شفا نہیں مِلتا
کیا تلاش خرد نے ازل سے تا بہ ابد
تمہاری زُلف کا لیکن سرا نہیں مِلتا
سنبھال لیتا ہے دستِ کرم ترا اس کو
جہاں میں جس کو کوئی آسرا نہیں مِلتا
وہ آئے ساقئ کوثر کے میکدہ میں ذرا
جسے گماں ہے کہ آبِ بقا نہیں مِلتا
نگاہِ شوق میں اب مہر و مَہ نہیں جچتے
جواب اس رُخِ پُر نُور کا نہیں مِلتا
نہ مل سکے گا سراغِ رہِ جناں اِس کو
تری گلی کا جسے راستا نہیں مِلتا
یہ فیضِؔ عام ہے اے رحمت تمام ترا
جہاں میں درد کوئی لا دوا نہیں مِلتا

Marfat.com

ازل کے دِل کا قرار تو ہے ابد کے رُخ کا نکھار تُو ہے
حدوث کی آبرُو ہے تُجھ سے قِدم کا عزّو وقار تُو ہے
حدوث کی جلوتوں میں جلوہ نما بظاہر ہزار تُو ہے
حقیقتاً خلوتِ قدم کے نگار سے ہمکنار تُو ہے
دیا وہ پیغامِ شوق تو نے کہ کِھل اُٹھے آرزو کے غُنچے
خزاں زدہ گلستاں کے حق میں نسیمِ فصلِ بہار تُو ہے
کلیدِ دُر ہائے گنجِ مخفی ہے نطق تیرا کلام تیرا
کہ رازِ ہائے درونِ پردہ کا اِک فقط راز دار تُو ہے
پہنچ سکی گردِ راہ تک بھی تری نہ عقلِ رسا کسی کی
کہ سرحدِ فہمِ جبرئیلِ امین سے بھی تو پار تُو ہے!
لئے ہیں صد برق طور اپنے جلو میں ذرّاتِ راہ تیرے
کہ بالیقیں جلوۂ جمالِ ازل کا آئینہ دار تُو ہے
ہزار پردوں میں جوہری نے اگرچہ رکھا چُھپا چُھپا کر
دبے نہ رشحاتِ نُور تیرے وہ گوہر آب دار تُو ہے
زمین تیری زمان تیرا مکین تیرے مکان تیرا
خُدا کا محبوب اور اقلیمِ جان کا تاجدار تُو ہے
ازل نے تیری عنان تھامی اَبد نے تیری رکاب چُومی
حدودِ عقل و خرد سے بھی جو پرے ہے وہ شہسوار تُو ہے

Marfat.com

خرد زدہ ہستیوں کو تجھ سے ملی دوائے سکونِ خاطر
قلوبِ بیتاب و مضطرب کیلئے سکون و قرار تُو ہے
چمن کی شادابیوں کی یہ رونقیں ہیں فیضِ قدم سے تیرے
بہار کی جاں نوازیوں کا ثبوت جانِ بہار تُو ہے

ہزار حرمانِ بے کسی کا علاج ہے تیری اِک توجّہ
ہیں فیضؔ کی زحمتیں بھی رحمت کہ اِس کا جب غمگسار تُو ہے

Marfat.com

دِل و نگاہ میں ہے سوزِ آرزُو تجُھ سے
ہے بزمِ حال میں سب شورِ ہاؤ ہُو تجُھ سے
بہارِ خُلد کی بھی جان ہے نسیمِ حجاز
یہ فیضیاب ہوئی زلفِ مشک بُو تجُھ سے
رہا نہ اب دلِ پُر شوق کو غمِ عقبیٰ
مِلا جنوں کو یہ انعامِ آرزُو تجُھ سے
کِسی کے کان میں اس راز کی بھنک نہ پڑی
لبِ خموش سے کی میں نے گفتگو تجُھ سے
اِدھر بھی آ کبھی اے سَاقیٔ حجاز کہ ہے
وقارِ کیفیتِ سَاغر و سبُو تجُھ سے
دہن خموش رہے گا مگر کہے گی ضرور
زبانِ شوق مرا حال رُو برو تجُھ سے
سرِ نیاز کرے سُرخ سنگِ در کو ترے
مرا جنون ہو اے کاش سُرخرو تجُھ سے
بنا سکوت ہی کچھ ترجمانِ غم مرا
خطاب کر نہ سکا شوق گفتگو تجُھ سے
جنوں پہ تیرا کرم خاص جب ہُوا تو مِلا
دِلوں کو ولولۂ سوزِ آرزو تجُھ سے

Marfat.com

برس ادھر بھی کبھی آ کے اے سحابِ کرم
کہ موجزن ہو رگِ تاک میں لہوُ تجھ سے

نگاہ کر ز رہِ لُطف حال پر اس کے
یہی ہے فیضؔ کی بس ایک آرزُو تجھ سے

Marfat.com

پرے ہے عقل کی پرواز سے مقام ترا
کہ فرقِ عرش پہ فائز ہوا ہے گام ترا
کلیدِ بابِ سعادت ہے پاک نام ترا
ہے جانِ مذہب و ایمان احترام ترا
ہے وقفِ عام بلا اختصاص جام ترا
ہے مُفلسوں کے لئے یہ پیام عام ترا
قضا و قدر کنیزیں تری جناب کی ہیں
ہے جبرئیلِ امیں اِس قدر غُلام ترا
کفیلِ امن ہے اور ضامنِ مسّرت ہے
زمانے بھر کے لئے حُسنِ اِنتظام ترا
نہیں ہے فِکر مجھے گردشِ زمانہ کی
ہے چارۂ غمِ ایام دورِ جام ترا
برس رہا ہے سیاہ و سفید پر یکساں
سحابِ رحمتِ حق بن کے فیضِ عام ترا
تلاش عفو کو ہے خُود گناہ گاروں کی
یہ لُطف خاص ہے اے رحمتِ تمام ترا

Marfat.com

اس کی دُھن پہ تو عشاق رقص کرتے ہیں
ہے سازِ عشق کا مضراب پاک نام ترا
ادھر بھی رحمتِ کونین اِک نظر ہو جائے
ہے فیضِ مُضطر و مہجور بھی غلام ترا

Marfat.com

کِس پہ نہیں ہے دہر میں احسانِ مصطفیٰ
گھیرے ہوئے جہاں کو ہے فیضانِ مصطفیٰ

محبوبِ حق ہے اس کے مقامات کی نہ پُوچھ
ہے عرش سے بُلند شبستانِ مصطفیٰ

جس جانِ جاں کی جان کی کھاتا ہے حق قَسم
جانِ جہانِ عشق ہے وہ جانِ مصطفیٰ

ہے بیکسوں کے واسطے ہر روز روزِ عید
ہے وقفِ عام مائدۂ خوانِ مصطفیٰ

اس کا وجود علّتِ بزمِ شہود ہے
ہے رُوحِ کائنات پہ احسانِ مصطفیٰ

ہم غمزدوں کے واسطے غم ہائے دہر میں
ہے ضامنِ نشاط خُمستانِ مصطفیٰ

عقل و خرد نقیب ہیں اِس بارگاہ کے
اور عِلم و فضل حاجبِ ایوانِ مصطفیٰ

کیا فیضؔ کی بساط ہے توصیفِ ناز میں
خود خالقِ جہاں ہے ثنا خوانِ مصطفیٰ

Marfat.com

ہیں بس حریمِ قدس کے روزن کھلے ہوئے
یہ حلقہ ہائے زلفِ پریشانِ مصطفیٰ

کافی ہے عاصیوں کے لئے فیضؔ حشر میں
بس اِک پناہ گوشۂ دامانِ مصطفیٰ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

Marfat.com

برائے شیخ عمل کا ثواب کافی ہے
مجھے ترا کرمِ بے حساب کافی ہے
ہے جلوہ پاش مِرے جام میں رُخِ ساقی
سیاہ بخت کو یہ آفتاب کافی ہے
زہے نصیب سعادت ملی ہے مدحت کی
مِری نجات کو یہ اِنتخاب کافی ہے
مِری نگاہ کے ہو سامنے رُخِ احمد
مُطالعہ کے لئے یہ کتاب کافی ہے
نثار مُشکِ ختن ہو ترے پسینے پر
مِرے لئے یہی رُوحِ گلاب کافی ہے
تری جناب میں توفیقِ حاضری ہو جائے
مِری نجات کو یہ فتحِ باب کافی ہے
یہ تیرے گیسوئے شب رنگ یہ رُخِ انور
شبِ سیاہ میں یہ ماہتاب کافی ہے
لبھا سکے گی نہ شانِ سکندری مجھ کو
کہ میرے واسطے تیری جناب کافی ہے
بروزِ حشر شفاعت تری مرے آقا
برائے مغفرتِ شیخ و شاب کافی ہے

Marfat.com

سیاہ کار ہوں میں میری مغفرت کیلئے
تمہاری زُلف کا یہ پیچ و تاب کافی ہے

ہے یہ بھی بندۂ ناچیزِ سرورِ کونین
برائے فیضؔ یہی اِک خطاب کافی ہے

لبریزِ مئے ہے سب کے لئے جامِ مصطفیٰ
تشنہ لبوں پہ ہے کرمِ عامِ مصطفیٰ

ملتے ہیں جوشِ لُطف میں کیا بار بار لب
کیا کیا حلاوتیں ہے لئے نامِ مصطفیٰ

جمشید کا تو جام تھا جامِ جہاں نما
جامِ خُدا نما ہے مگر جامِ مصطفیٰ

اللہ رے بُلندئ ہمت پہنچ گیا
بالائے بامِ عرشِ بریں گامِ مصطفیٰ

تنویرِ مہر صُبحِ ازل کے جمال سے
تابندہ تر ہے روشنئ شامِ مصطفیٰ

برسائے پُھول پہلے صلاۃ و سلام کے
پھر قُدسیوں نے مِل کے لیا نامِ مصطفیٰ

اِس چشمِ خوش نصیب کی تقدیر کُھل گئی
محشر میں ہاتھ جس کے لگا جامِ مصطفیٰ

از فرش تا بہ عرش رہا فاصلہ ہی کیا
یہ تو بس مسافتِ یک گامِ مصطفیٰ

رفعت نصیب بن گیا تقدیر نے لکھا
لوحِ جبینِ عرش پہ جب نامِ مصطفیٰ

ہیجانِ روزِ حشر سے بھی بے خبر رہے
محشر میں ہاتھ جس کے لگام جامِ مصطفیٰ

جاتا رہا چمن سے غمِ یورشِ جہاں
جب سے نسیم لائی ہے پیغامِ مصطفیٰ

بن جائے موت زندگیٔ جاوداں وہیں
ہنگامِ نزع لب پہ ہو گر نامِ مصطفیٰ

ہے رشک قدسیوں کو بھی میرے مقام پر
ہوں فیضؔ جب سے بندۂ بے دامِ مصطفیٰ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

Marfat.com

اِستغاثہ

بدرگاہِ رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

المدد اے رحمۃٌ للعالمین
جاں گسل ہے پھر غمِ دُنیا و دِیں

عرش رفعت آستانہ ہے ترا
اور تیرا دربان ہے رُوح الامیں

ہیں تصرف میں ترے کون و مکاں
دونوں عالم ہیں ترے زیرِ نگیں

تیری خاکِ پا بنی کحل البصر
چومتا ہے آسماں تیری زمیں

قبلۂ دل ہے خمِ ابرو ترا
کعبۂ جاں ہے ترا رُوئے حسیں

خادمانِ بارگاہِ خاص کو
فکرِ دُنیا و غمِ عقبیٰ نہیں

کاروانِ عشق و مستی کے لئے
منزلِ مقصود ہے تیری زمیں

Marfat.com

بے کسوں کا مُشکلاتِ دہر میں
جُز ترے ملجا نہیں ماویٰ نہیں
ہے حصارِ عافیت تیرا دیار
ہے پناہِ بے کساں تیری زمیں

کر نظر مہرِ درخشانِ عرب
ہے مرا ماحول ظلمت آفریں
اِک نگاہِ لُطف تیری چاہیے
مشکلاتِ دہر کا پھر غم نہیں
ہے بدل سکتی مری تقدیر کو
اِک نگاہِ لُطف تیری بالیقیں
ساقیٔ کوثر نگاہِ لُطف ہو
تشنہ لب ہے دیر سے فیضِؔ حزیں

Marfat.com

میرے غم کا بھی مداوا کیجئے
اے امامِ اوّلین و آخریں
تیرے ہوتے میں رہینِ غم رہوں
شانِ رحمت کو یہ زیبا نہیں
ہے بُجھی سی خاطرِ ناشاد پھر
دے مجھے پھر بادۂ کیفِ آفریں
اس طرف بھی ہو ذرا دستِ شفا
کس قدر لاچار ہے جانِ حزیں
کر منوّر کلبۂ احزاں مِرا
آسمانِ خُلق کے مہرِ مُبیں
ہے ہمالہ کی طرح سے اُستوار
خاتمیّت پر تیری میرا یقیں
اِمتحانِ کار گاہِ شوق میں
تو مِرا ناصر ہو تُو میرا مُعیں
پھر مزا ہے ربطِ حُسن و عشق کا
تیرا سنگِ در ہو اور میری جبیں

Marfat.com

بڑھ رہے ہیں پھر ہوس کے حوصلے
ہو رہا ہے قلب پھر اندوہ گیں
دے رہی ہے مصلحت کوشی کا درس
دل کو عقلِ نارسا کوتاہ بیں
کر رہی ہے پھر جنوں پر اعتراض
آج عقلِ کم نگاہ و نکتہ چیں
شوق کے صحرا میں نوکِ خار سے
پھر اُلجھنے کو ہیں جیب و آستیں
جو ترے قدموں کے صدقے میں ملی
تنگ ہے اسلام پر وہ سر زمیں
پھر مقابل گردشِ حالات ہے
زہر کو سمجھا مُسلماں انگبیں
کر بدستِ خاص وہ ساغر عطا
جو بھلا ڈالے غمِ دُنیا و دیں

Marfat.com

ہو سکے گی کُفر کے در پر نہ خم
حشر تک تیرے غُلاموں کی جبیں

پھر ترا ہی نام ہو وردِ زباں
پھر تری ہی یاد ہو دل میں مکیں

گوہرِ مقصود کے پائے بغیر
تیرے در سے اب نہ اُٹھے گی جبیں

پھر اُٹھے محفل سے شورِ ہاؤ ہُو
آشنائے درد ہوں اہلِ یقیں

ہو توجہ اِس کے حالِ زار پر
فیضؔ ہے تیرا غلامِ کمتریں

Marfat.com

طلوعِ مہرِ فاران

تابشِ نورِ ازل جب ظلمتوں میں کھو گئی
اور ظلمت ساری دنیا پر مسلّط ہو گئی
اس اندھیرے میں جنازہ اُٹھ گیا تہذیب کا
اور جادُو چل گیا تعمیر پہ تخریب کا
عقل پر جذباتِ خود سر کی حکومت ہو گئی
زندگی کو زندگی کے دم سے نفرت ہو گئی
اس طرح کچھ اس طرح بگڑا نظامِ زندگی
پھر گئی آنکھوں میں آخر کار شامِ زندگی
یوں ہوا کچھ انتشارِ اجتماعِ زندگی
لُٹ گئی تخریب کے ہاتھوں متاعِ زندگی

Marfat.com

روحِ ظلمت میں چھپی پھرتی تھی گھبرائی ہوئی
ابنِ آدم کی جہاں میں خوب رسوائی ہوئی
جب جہاں میں عام رسمِ معصیت کاری ہوئی
خود دلِ فطرت پہ گونہ شرم سی طاری ہوئی
اور پھر مخلوق پر خالق کو رحم آ ہی گیا
معصیت کی غلطیوں پر نُورِ حق چھا ہی گیا
اوٹ سے فاراں کی نکلا مہرِ زر افشانِ حق
ہو گئی کافور ظلمت دیکھ کر یہ شانِ حق
پھر دلِ معصومیت میں خون گرمانے لگا
پرچمِ روحانیت دنیا میں لہرانے لگا
اِک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا
عالمِ پستی کو ہمدوشِ ثریا کر دیا
پستیوں پر رفعتوں کو رشک سا آنے لگا
فکرِ انساں عرش کی وسعت پہ منڈلانے لگا
جانے کس نے دل کے تاروں کو چھوا مضراب سے
رُوحِ خفتہ ایک ہی جنبش میں جاگی خواب سے
منتشر افراد اِک دستے میں وابستہ ہوئے
آہوانِ دشت اِک حلقے میں پابستہ ہوئے

Marfat.com

ذرّے جب باہم ملے خورشیدِ زر افشاں بنے
قطرے باہم مل گئے اور بحرِ بے پایاں بنے
پھول گندھ کر ہار میں زیبِ گلوئے ناز تھے
قلبِ فطرت کے وہ ہم آہنگ تھے ہم راز تھے
ان کی تعلیمات کی جب دل میں تابانی ہوئی
گلّہ بانوں کے مقدر میں جہاں بانی ہوئی
ہو گئی شہرت خدا کے آخری پیغام کی
اور بنا رکھی گئی قومیتِ اسلام کی
قوم بھی وہ جو توحید کی حامل بنی
شورشِ امواجِ باطل کے لئے ساحل بنی
قلبِ انسان سے تمیزِ نسل و رنگت مِٹ گئی
دیو استبداد کی سب شان و شوکت مِٹ گئی

Marfat.com

ایک تھے سب ، امتیازِ بندہ و آقا نہ تھا
شاہ کے دربار میں مسکین فرمایہ نہ تھا

اتنے ہم آہنگ باہم ہو گئے ناز و نیاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے تھے محمود و ایاز

اِک خدا تھا اِک نبی تھا ایک ہی قرآن تھا
ایک ہی وحدت کے رشتے میں بندھا انسان تھا

سب کا رستہ ایک تھا اور سب کی منزل ایک تھی
سب کے بیڑے ہم سفر تھے سب کا ساحل ایک تھا

سب کی محنت ایک تھی محنت کا حاصل ایک تھا
ہاں فضائے گلشنِ اسلام ہر سُو ایک تھی

پھول تھے ہم رنگ سارے اور خوشبو ایک تھی
دستِ فطرت نے بنایا تھا نظامِ زندگی

دِل کو حاصل ہو گیا لطفِ دوامِ زندگی

Marfat.com

بیاں کس سے ہو رفعتِ شانِ احمد ہے عرشِ مُعلّیٰ شبستانِ احمد
معطّر کئے جا رہی ہے دِلوں کو نسیمِ بہارِ گلستانِ احمد
ضیا پاش ہے محفلِ این و آں میں تجلّائے شمعِ فروزانِ احمد
کیا ہے عجب اہتمام اس کی خاطر بنا ہے خُدا خود نگہبانِ احمد
گلِ یاسمن اور مُشکِ ختن میں ہے خوشبوئے زُلفِ پریشانِ احمد
ہے خم عرشِ اعظم بھی فرطِ اَدب سے مقرّب ملائک ہیں دربانِ احمد
کہاں اس قدر ہے بساطِ انس وجاں کی خُدا ہے فقط مرتبہ دانِ احمد
بیک وقت بزمِ حدوث و قِدم میں ضیا پاش ہے نُورِ تابانِ احمد
وہی بن گیا قبلۂ اہلِ ایماں اُٹھی جس طرف چشمِ حیرانِ احمد

شرف یہ بھلا فیضؔ کیا تجھ کو کم ہے
کہ تو بھی ہے ادنیٰ ثنا خوانِ احمد

صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

Marfat.com

جمال شاہِ بطحا حق نما معلوم ہوتا ہے
یہ آئینہ ہے وہ جس میں خُدا معلوم ہوتا ہے

ہے جس کی خوش ادائی کا بیانِ ماطغیٰ شاہد
تیری آنکھوں میں رنگِ حیا معلُوم ہوتا ہے

ہے تُو ہی نقطۂ جاذب تاثّر کی شُعاوں کا
ہر اک دِل میں نہاں سودا ترا معلُوم ہوتا ہے

جبینِ ماہِ طیبہ کی ضیائے بے نہایت میں
مجھے حُسنِ ازل جلوہ نما معلُوم ہوتا ہے

بپاسِ اُلفتِ سُلطانِ بطحا ، سَرورِ عالم
ہر اک ذرّہ مجھے مدحت سرا معلوم ہوتا ہے

عجب لُطفِ کریمانہ شہِ کونین کا دیکھا
جو مانگا تھا مجھے اس سے سوا معلُوم ہوا ہے

گدائی فیضؔ کی ہے غیرتِ شانِ شہنشاہی
یہ خُوش قسمت ترے در کا گدا معلُوم ہوتا ہے

Marfat.com

طوفانِ بلا میں گر اُن کی رحمت کا اشارا ہو جائے
گرداب سفینہ بن جائے ہر موج کنارا ہو جائے

اعجاز سے ان کے گیسو کے ہر آہ نسیمِ خلد بنے
فیضان سے ان کے عارض کے ہر اشک ستارا ہو جائے

وہ جانِ جہاں گر آ جائے بالیں پہ مریضِ اُلفت کی
ہر غم کا مداوا ہو جائے ہر درد کا چارا ہو جائے

خورشید کی رنگت اُڑ جائے گر زُلف میں پیدا جُنبش ہو
مہتاب کا دِل ہو دو پارا گر اُن کا اشارا ہو جائے

مُطرب سے کہو چھیڑے تو ذرا اس جانِ تمنّا کا قِصہ
فرقت کے بھیانک لمحوں میں کچھ دل کو سہارا ہو جائے

اعمال کہاں ہیں دامن میں رحمت پہ تمہاری تکیہ ہے
اِک جنبشِ لب سے محشر میں بس کام ہمارا ہو جائے

دوزخ کے دہکتے انگارے پھولوں میں مبدّل ہو جائیں
اُس چشمِ کرم کا محشر میں گر ایک اشارا ہو جائے

کوچے میں ترے ہے مُدّت سے مُشتاقِ توجہ فیضِؔ حزیں
اے رحمتِ عالم ایک نظر اِس پر بھی خُدارا ہو جائے

Marfat.com

تُو حاصلِ گُلشن ہے اے لالۂ صحرائی
یکتا تِری خوبی ہے بے مثل ہے رعنائی
جس کو نہ گوارا تھا موسیٰ کا تقاضا بھی
ہے تیرا تمنائی وہ جلوۂ سینائی
دُنیائے تمنّا میں رونق ہے ترے دم سے
تو رُوحِ تجمّل ہے تو جانِ دِل آرائی
اے کاش اسے تھامے خود دستِ کرم تیرا
ہے غش میں ترے دَر پر دعوائے شکیبائی
اے نورِ یقیں تیرے جلووں کا یہ عالم ہے
اب تنگئ داماں کا شاکی ہے تماشائی
اے جانِ شفا تیرے اعجاز کے کیا کہنے
ہے تیرے مریضوں میں اعجازِ مسیحائی
اے فیضؔ جدھر اُٹھیں نظریں شہِ والا کی
اِس سمت ہی گلشن میں اِک تازہ بہار آئی

Marfat.com

ہے جانِ نگاراں نگارِ مدینہ	ہے روحِ بہاراں بہارِ مدینہ
اسی سمت ہے قبلۂ اہلِ ایماں	جدھر ہے نگاہ نگارِ مدینہ
گلِ سدرہ و میوۂ شاخِ طوبیٰ	ہیں پروردۂ جوئے بارِ مدینہ
چمکتا ہے کیا رشکِ صد طور بن کر	ہر اِک ذرّۂ رہگذارِ مدینہ
فضا نور و نکہت میں ڈوبی ہوئی ہے	عجب رنگ پر ہے بہارِ مدینہ
بنا لوں اسے غازۂ رُوحِ ایماں	جو مل جائے گرد و غبارِ مدینہ
محمد وہی نازشِ بزمِ امکاں	محمد وہ عزّ و وقارِ مدینہ
فروغِ تجلاّئے حسنِ ازل سے	درخشاں ہے رُوئے نگارِ مدینہ
جہاں دنگ ہے عقلِ رُوح الامیں بھی	وہ ہے منزلِ شہسوارِ مدینہ
فضا خُلد کی بھی حسیں ہے ولیکن	کہاں رنگ و بوئے بہارِ مدینہ
سراپا بہار اور مجسّم چمن ہے	ہر اِک غُنچۂ شاخسارِ مدینہ
فزوں تر ہے اعزازِ عرشِ بریں سے	ترے دم قدم سے وقارِ مدینہ
تصرّف میں جس کے قضا و قدر ہیں	وہ ہے صاحبِ اختیارِ مدینہ
بڑھے جا یہ مہمیزِ راہِ طلب ہے	سمندِ وفا ، نوکِ خارِ مدینہ
توئی نازشِ بزمِ کون و مکاں ہے	تو ہی عزّت و افتخارِ مدینہ
زمانہ حرم پہ ہوا فیضؔ قُرباں	حرم ہو رہا ہے نثارِ مدینہ

Marfat.com

حجابِ حسن میں پنہاں رہا نگارِ قِدم
تھا کیف و کم سے پرے بزمِ یار کا عالم
وفورِ حُسن رُخِ یار کا نقاب بنا
فروغِ نور ہی خورشید کا حجاب بنا
جمالِ یار کو دیکھے نظر میں تاب کہاں
بساطِ چشم کہاں حُسنِ آفتاب کہاں
نقابِ رُخ سے چھنا حسنِ یار کا جلوا
ہوا وہ آئینۂ کیف و کم میں جلوہ نما
شفق میں رنگ بھرا اور گلوں کو مہکایا
ہزار رنگ میں اس نے ظہور فرمایا
کہاں کہاں اسے دیکھا کہاں کہاں پایا
وہ جانِ ناز برنگِ نیاز بھی آیا
کہاں لباسِ حدوث اور کہاں جمالِ قِدم
اُٹھے نقاب تو بزمِ جہان ہو برہم
جمالِ فکر ترا ذوقِ آشکارائی
ہر ایک شے ہے شہیدِ ادائے رعنائی

Marfat.com

نگاہِ پیرِ مغانِ ازل کا نُور ہے تُو
شرابِ ساغرِ توحید کا سرور ہے تُو

تُو میرے دِل میں ہے موجُود گنبدِ خضریٰ
مری نگاہ سے ہر چند دُور دُور ہے تُو

قِدم کو ہے یہی نِسبت حدوث سے تیرے
مُحیطِ نُور ہے وہ اور موجِ نُور ہے تُو

نگاہِ دیدۂ دِل سے بہت قریب ہے تُو
نگاہِ ہوش و خرد سے اگرچہ دُور ہے تُو

اب ایک نگہِ کرم فیضؔ کے گُناہوں پر
زمانے بھر کے لئے رحمتِ غفوُر ہے تو

Marfat.com

تشنہ تھا میرا ذوقِ تماشا تیرے بغیر
پورا ہوا نہ دِل کا تقاضا ترے بغیر
رُوحِ نسیم و جانِ بہار چمن طراز
ہے اور کون لالۂ صحرا ترے بغیر
پھر بھر گئے ہیں ساقیٔ کوثر ترے طفیل
خالی پڑے تھے ساغر و مینا ترے بغیر
طُوفاں زدہ نگاہ اُٹھے اور کس طرف
ہے کون بحرِ غم کا کنارا ترے بغیر
دِل کی نظر میں مشکِ ختن سے کہیں گراں
ٹھہرا ہے اور کس کا پسینا ترے بغیر
آمد سے تیری دوڑ گئی زِندگی کی لہر
بے جان سی تھی محفلِ دُنیا ترے بغیر
یہ بے نوا سُنائیں کسے داستانِ غم
ہے ان کا کون دہر میں ملجا ترے بغیر
جس کو ملا ہو حسن سے مازاغ کا خطاب
کس کو ملا وہ دِیدۂ بینا ترے بغیر
کھولے ترے ہی شوق نے بندِ نقابِ حسن
یہ حوصلہ ہوا نہ کسی کا ترے بغیر
ہے کون آج فیضؔ کا حامی ترے سوا
دے کون آج اس کو سہارا ترے بغیر

Marfat.com

کیوں کھائے زہرِ غم بھلا مستانہ آپ کا
جب ضامنِ نشاط ہو پیمانہ آپ کا
کیوں تشنہ لب رہے کوئی دیوانہ آپ کا
مئے آپ کی خم آپ کا میخانہ آپ کا
ہے عاصیوں کے واسطے میدانِ حشر میں
ملجا و ماویٰ لطفِ کریمانہ آپ کا
صد جلوہ ہائے طورؔ ہیں رقصاں نگاہ میں
دیکھا ہے جب سے جلوۂ جانانہ آپ کا
خورشیدِ حشر پر بھی نظر ڈالتا نہیں
کس درجہ بے نیاز ہے پروانہ آپ کا
آئی بہشت راہ میں لیکن گزر گیا
بس اِک نگاہ ڈال کے دیوانہ آپ کا
نارِ سقر کی خیر نہیں حشر میں اگر!
گزرا جو فیضؔ پاس سے پروانہ آپ کا

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

Marfat.com

عشق کھاتا ہے اسی حسنِ مجسم کی قسم
حق نے فرمائی ہے جس جانِ دو عالم کی قسم

آفتابِ سرِ محشر کا بھی رُخ زرد ہے آج
میرے محبوب ترے گیسوئے برہم کی قسم

نگہِ عشق میں محرابِ عبادت ہے توئی
ابروئے ساقیِ تسنیم ترے خَم کی قسم

عرصۂ حشر میں دھو دے گا ترا ابرِ کرم
میرے عصیاں کو ، مجھے گریۂ پیہم کی قسم

جلوہ طور ہے اب جلوۂ نما بطحا میں
دِیدۂ شوق کو اس نور مجسم کی قسم

ہے لبِ غُنچہ و گل پر تری توصیف و ثنا
شاہِ کونین ترے حسنِ تبسم کی قسم

ماہِ بطحا مرے گھر میں کبھی آئے گا ضرور
گریۂ دیدۂ بیدار و شبِ غم کی قسم

آ رہا ہے مرے بالیں پہ مسیحائے عرب
جو لبِ شوق پہ اٹکا ہے اسی دم کی قسم

Marfat.com

کشتِ اُمید ترے فیضؔ سے پھر ہو گئی ہری
قطرۂ ابرِ کرم مجھ کو ترے نم کی قسم

دل معتبر ہے مرا عشقِ مدینہ کے سبب
جانِ ہستی کی قسم رُوحِ دو عالم کی قسم

ملتفت ہو گا ادھر بھی شہِ بطحا اِک دِن
مجھ کو اے فیضؔ تری شورشِ پیہم کی قسم

Marfat.com

کمالِ سلسلۂ خُلق احمدِ عربی
نگارِ منفردِ ہاشمی و مطلبی
تری جناب میں اے راز دانِ لم یزلی
ہے ادّعائے خبر ہی کمالِ بے خبری
کرے وہاں بھلا کیا شوق مدعا طلبی
جہاں نگاہِ طلب ہو شمارِ بے ادبی
حریمِ جلوۂ توحید آستانہ ترا
ہے راہِ منزلِ مقصود ایک تیری گلی
ترا ہر ایک گلِ تر چمن بداماں ہے
بہارِ خلد بکف ہے تری ہر ایک کلی
نگاہِ شوق کو اے آفتابِ اوجِ کمال
ترے حضور میں ہے اعترافِ کم نظری

نہ ہوتی دُور کبھی ظلمتِ شبِ ہستی
تمہارے حسن کی ہوتی اگر نہ جلوہ گری

Marfat.com

ق

رفیقِ معتبرِ غارِ ثور ہے صدیق
دلیلِ منزلِ مقصود جس کی راہبری
عمر ہے حاصلِ دستِ دُعائے مُصطفوی
ہے جس سے لرزہ بر اندام رُوحِ بولہبی
خزانۂ کرم و معدنِ حیا عثمان
سحابِ لطف سے جس کے ہے کشتِ دین ہری
نشانِ منزلِ مقصود نقشِ پا اس کا
امیرِ قافلۂ شوق بالیقیں ہے علی
اگر قبول کرے رحمتِ تمام تری
تو فیضؔ پیش کرے ارمغانِ بے ہُنری

Marfat.com

منقبت

شیرِ خدا
حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

واہ کیا مرتبہ ہے فاتحِ خیبر تیرا
موردِ آیۂ تطہیر ہے گھر بھر تیرا

ہے عیاں موسیٰ و ہارون کی تشبیہہ سے یہ
قلب ہے بحرِ نبوت کا شناور تیرا

تشنگانِ لبِ کوثر کا سہارا تُو ہے
تیرا کوثر ہے کہ ہے ساقیٔ کوثر تیرا

بابِ گنجینۂ اسرار ترا سینہ ہے
قبلۂ اہل طریقت نہ ہو کیوں در تیرا

پاس زہرا ہیں تو زانو پہ حسین اور حسن
گھر ہے انوارِ رسالت سے منوّر تیرا

بن گیا بہرہ ورِ حسنِ رسالت ہو کر
مطلعِ نورِ صداقت رُخِ انور تیرا

کُفر ہے لرزہ بر اندام تری ہیبت سے
دبدبہ مانتے ہیں مرحب و عنتر تیرا

Marfat.com

مجھ کو آیا ہے نظر نُسخۂ اکسیر یہی
شوق دِل میں ہو ترا نام ہو لب پر تیرا
ہے یہی فیضؔ کے ایماں کی دلیل محکم
ذکر کرتا ہے شب و روز یہ اکثر تیرا

خاتونِ جنّت

سیدہ طیبہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

کنیز تیری جہاں بھر کی سروری زہرا
کہ تو ہے روشنئ دیدۂ نبی زھرا
نہیں ہے مجھ کو تمنائے افسری زہرا
میں چاہتا ہوں تیرے در کی چاکری زہرا
برائے تزکیۂ قلب ، اُسوۂ کامل
ہے عورتوں کے لئے تری زندگی زہرا
نمود جس کی ہوئی کربلا کے میداں میں
یہ سب حرارتِ ایماں تھی تری زہرا
حیا و شرم و قناعت ہیں لونڈیاں تیری
وقارِ دین تری پاک دامنی زہرا
نسیمِ تازۂ گلزارِ مصطفیٰ تو ہے
ہے تجھ سے باغِ شرافت میں تازگی زہرا
ہے تو ہی نورِ نگاہِ محمد عربی
توئی ہے دیدۂ ملت کی روشنی زہرا

ہے محوِ ناز سدا رُوحِ باغباں جس پر
ہے گلستانِ رسالت کی وہ کلی زہرا

دُعائے خیر کا انعام ہو عطا مجھ کو
ہے تیرے در کی گدا میری بے کسی زہرا

نظر رہی ہے سدا تیرے لطف پر اپنی
ہمارے حق میں ہے کافی دُعا تری زہرا

ملے گی بھیک ترے در سے اس کو بھی اک دِن
اِسی یقین پہ زِندہ ہے فیضؔ بھی زہرا

سید الشُّہداء

حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ

غازۂ رُوئے صداقت ہے شہادت تیری
مایۂ خونِ پیمبر ہے شجاعت تیری
حاملِ خُلقِ محمد ہے شرافت تیری
حاصلِ بنتِ پیمبر ہے نجابت تیری
کیوں نہ ہو سینۂ عشّاق میں اُلفت تیری
یادگارِ دلِ احمد ہے محبّت تیری
نازشِ حیدرِ کرار شجاعت تیری
سُرخیٔ عارضِ اسلام صداقت تیری
جب سے لب ہائے محمد نے تمہیں چُوما ہے
خاکِ پا چُومتی ہے عرش کی رفعت تیری
تیرے جلووں کی قَسم اہلِ نظر کے نزدیک
دیدۂ دِل کی ہے معراج زیارت تیری
نازشِ یُوسف و داوٗد ہے تقویٰ تیرا
حاملِ فقرِ محمد ہے قناعت تیری
مظہرِ حُسنِ ازل کیوں نہ ہو نقشہ تیرا
صُورتِ احمدِ مختار ہے صُورت تیری

مرکبِ ناز بنا دوشِ پیمبر تیرا
سرنگوں عرش بھی ہے دیکھ کے رفعت تیری

شانِ تطہیر ہوئی تیری بہا کی ضامن
گوہرِ درجِ نبوّت پہ ہے قیمت تیری

اے گُلِ باغِ رسَالت مجھے تیری ہی قسم
زُلفِ یٰسین سے ماخوذ ہے نکہت تیری

تیری خاطر سے ہوا سجدہ نبوّت کا طویل
کس قدر حق کو بھی منظور ہے راحت تیری

بوسہ گاہِ لبِ احمد ہے ترا رُوئے حسیں
سجدہ گاہِ دلِ عشاق ہے تربت تیری

فیضؔ مضطر بھی ہے اک چاہنے والا تیرا
حشر میں اس کا سہارا ہے عنایت تیری

Marfat.com

امامِ ربّانی

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

کیا نہادِ شکستۂ دیں کو آ کے پھر استوار تو نے
خزاں رسیدہ چمن کو پھر کر دیا سراپا بہار تو نے
زمینِ سرہند کر لیا اپنا عرشِ رفعت وقار تُو نے
سلا کے آغوشِ عاطفت میں نقیبِ پروردگار تُو نے
عجم کے ماحول کے سبب جو اسے مکدّر کئے ہوئے تھا
ردائے روحانیت کے دامن سے دھو دیا وہ غبار تُو نے
دِلوں کو پھر سے سکھائی تُو نے ادائے بے باکیٔ محبت
کیا ہے صدّیق اور حیدر کا آ کے زِندہ شعار تُو نے
ہوس کی ریشہ دوانیوں سے ردائے غیرت تھی پارہ پارہ
کِیا رفو آ کے پھر فقیری کا دامنِ تار تار تُو نے
اثر ذرا بھی نہ ہو سکا تجھ پہ سیلِ باطل کی یورشوں کا
جہاں کو بن کر دکھا دیا حق کا ساحلِ استوار تُو نے
معاً فضائے بسیط میں اڑ گئے دھوئیں دینِ اکبری کے
جو آ کے ہندوستاں میں پھونکا فسونِ باطل شکار تُو نے

Marfat.com

دکھایا ایماں کا اس طرح زور فقر و شاہی کے معرکے میں
بڑھا دیا ہے سریر شاہی سے بوریے کا وقار تو نے

عبائے شاہنشہی پہ پھر خندہ زن ہوئی ہے گلیم بوذر
بہ یک نگہ محفلِ جہاں کے بدل دیئے کاروبار تو نے

خرد کی بادِ سموم سے برگ و بار مرجھا چلے تھے سارے
کیا ہے کشتِ یقیں کو سیراب آ کے ابرِ بہار تو نے

رہے گا محفوظ حشر تک جو کہ دستِ باطل کی یورشوں سے
سرِ فقیری پہ آ کے رکھا وہ تاجِ پُر افتخار تو نے

دلِ عجم کو کیا ہے مسحور نغمہ ہائے حجاز سے پھر
بڑے سلیقے سے چھیڑ کر بربطِ محبّت کے تار تو نے

تری نوائے جرس کی دُھن پر ہے گامزن ذوقِ رہ نوردی
عطا کیا ہے رہروِ طریقت کو شوقِ منزل شکار تو نے

رفو نہ اب کر سکے گی اس کو خرد کی حیلہ گری ابد تک
کیا ہے دامانِ شرک و بدعت کو اس طرح تار تار تو نے

خزینۂ لازوالِ حکمت ہیں تیرے مکتوب اے مجدد!
لکھے ہیں قرطاسِ علم پر کلکِ شوق سے شاہکار تو نے

بڑے سکوں سے اس آشیاں بند شاخِ نخلِ مراد پر اب
کیا ہے دامِ خرد سے فیضؔ حزیں کو یوں رستگار تو نے

Marfat.com

نظم

Marfat.com

اذان

یہ فرشتوں کا ترنّم ہے کہ حُوروں کی صَدا
فرش پر ہونے لگا جس سے گماں افلاک کا
گمشدہ نغمہ ہے کوئی بربطِ لاہُوت کا
وجد میں ہے جس کے زیر و بم سے دِل ناسوت کا
طائرانِ شاخِ طوبیٰ کے چہکنے کی صَدا
جنّت الفردوس کے ساغر کھنکنے کی صدا
یا ازل کی صبح رُوحوں کے بلیٰ کہنے کا شور
یا ابد کی شام بندوں کے خُدا کہنے کا شور
یا ترنّم آفریں ہے آبِ رودِ سَلسبیل
یا فضا میں مُرتعش بانگِ نوائے جبرئیل
طائرانِ قُدس ہیں فردوس میں نغمہ سرا
یا فلک پر قُدسیوں کے حمد گانے کی صَدا
دشتِ غُربت میں وطن کی وادیوں کی ہے پُکار
چھا گیا یادوں پہ پھر اِس جانِ خُوبی کا دیار
یہ نویدِ قربِ منزل ہے پیامِ وصل ہے
ہر سحر اس کے فسُوں سے رشکِ شامِ وصل ہے
صُبح صادق ہے صَدائے سَاربانِ شوق ہے
اُٹھ کہ یہ وقتِ رحیل کاروانِ شوق ہے

Marfat.com

نماز

نیاز و ناز کی اک طرزِ گفتگو ہے نماز
وصالِ شاہدِ معنیٰ کی آرزو ہے نماز
حریمِ حُسن ہے اور اذنِ باریابی ہے
دلِ حزین سنبھل! وقتِ کامیابی ہے
وہ مستِ ناز جو مائل بہ اِلتفات ہوا
متاعِ شوق سے پُر دامنِ حیات ہُوا
مزاجِ حُسن میں ہے شوقِ آشکارائی
مُبارک اے دلِ مجبور تیری بن آئی
جو عرضِ حرفِ تمنّا کا اذنِ عام ہُوا
نیاز ناز سے خلوت میں ہم کلام ہُوا
حریمِ ناز کے پَردے اُٹھائے جاتے ہیں
جمالِ یار کے جلوے دکھائے جاتے ہیں

حریمِ حُسن میں جب عشق بارباب ہوا
یہی ہے عشق کی معراج کامیاب ہوا

Marfat.com

عبادت

جبلّت کے تقاضوں کو محبّت آشنا کرنا
مزاجِ زِندگی کو خوگرِ حمد و ثنا کرنا
یہی تعلیم قُرآں ہے یہی رمزِ مُسلمانی
اِسی پر منحصر ہے ارتقائے نوعِ انسانی
محبّت لے گئی انساں کو خورد و نوش سے آگے
طلسمِ این و آں سے بزمِ چشم و گوش سے آگے
بہ فیضِ عشق ہر ذرّہ سراپا طور ہوتا ہے
تنِ خاکی تجلّی گاہِ رنگ و نُور ہوتا ہے

عبادت ہے فقط محوِ جمالِ یار ہو جانا
جمالِ حُسنِ مطلق کے حسیں جلوؤں میں کھو جانا

Marfat.com

عید

مسافرانِ رہِ شوق کامیاب ہوئے
حریمِ حُسن کے انوار بے نقاب ہوئے
صِلہ یہی رَمضاں میں ہے تشنہ کامی کا
دِلوں سے مِٹ گیا احساس ناتمامی کا
ستارا اَوج پہ ہے آج بختِ انساں کا
مِلا جہان کو مُژدہ نزُول قُرآں کا
جبلّتیں ہُوئیں محکُومِ عزمِ ایمانی
اِسی سے رشکِ ملائک ہے نوعِ انسانی
مطیعِ عِشق ہوئیں خواہشاتِ نفسانی
دِل و دماغ پہ چھایا ہے نُورِ قرآنی
نہ خواب و خور کی تمنّا نہ ناؤ نوش کا ہوش
سبوئے شوق ہے اور کیفِ بادۂ سر جوش
مُحیطِ عشق ہُوئی حُسن کی فراوانی
ملائکہ سے بڑھی شانِ نوعِ انسانی
مہِ صیام کی تکمیل کی نوید مِلی
خدا کا شکر ہے تبریکِ روزِ عید ملی

ذوق

حسن سے ذوق ہے اور ذوق سے تسکینِ حیات
ذوق ہر رنگ میں ہے باعثِ تزئینِ حیات
ذوق تہذیب بھی ہے شعر بھی آہنگ بھی ہے
ذوق تخلیق بھی ہے نُور بھی ہے رنگ بھی ہے
ذوق احساس و تخیّل کو جلا دیتا ہے
ذوق ہی ذرّے کو خُورشید بنا دیتا ہے
کارواں ساز بھی ہے قافلہ سَالار بھی ہے
منزلِ قافلۂ شوق کا معمار بھی ہے
نُور و نکہت بھی ہے اور نغمہ و آہنگ بھی ہے
صُلح کی بزم بھی ہے، معرکۂ جنگ بھی ہے
ذوق سے خُوبیٔ فن، ذوق سے تزئینِ سُخن
ذوق سے بزم حسیں، ذوق سے رنگین چمن
حُسنِ افکار بھی ہے، خُوبیٔ کردار بھی ہے
بزم میں ساز بھی ہے رزم میں تلوار بھی ہے
معرفت کے دَرِ مسدُود کو وا کرتا ہے
فکر کو طاقتِ پرواز عطا کرتا ہے
فکر کو حَاصلِ ایمان بنا دیتا ہے
ذوق انسان کو انسان بنا دیتا ہے

عظمتِ آدم

زِندگی حُسن ہے اور حُسن کی تفسیر بھی ہے
زِندگی عشق ہے اور عِشق کی تاثیر بھی ہے
حُسنِ مطلق نے کِیا حُسن مقیّد پیدا
اُس کو محبوب ہے یہ اور یہ اُس پہ شیدا
حُسن کے دِل میں عجب شوقِ خُود آرائی ہے
خُود ہی آئینہ ہے اور خُود ہی تماشائی ہے
ناز ہے جلوہ نما آج بہ اندازِ نیاز
سج گیا قامتِ محمود پہ ملبوسِ ایاز
اِس طرح شیشۂ امکاں میں ہیں انوارِ وجود
محفلِ راز کی غمّاز ہوئی بزمِ شہُود

ایک قطرے میں نہاں شوکتِ قلزم دیکھو
دیکھنے والو ذرا عظمتِ آدم دیکھو

Marfat.com

حُسن

حُسن بزمِ ناز میں محوِ جمالِ خویش تھا
خود نگر خود دار خود آرا و خود اندیش تھا
حُسن کے جلوے بھلا کب تک رہیں زیرِ نقاب
مہر کی تابانیاں کب تک چھُپیں زیرِ سحاب
حُسن پردہ دار بھی ہے خُود ہی پردہ سوز بھی
رنگِ مے مینا میں بھی ہے اور جام افروز بھی
بُوئے گُل تشہیرِ گل ہے بُوئے مے تشہیرِ مَے
ہے دلیلِ مطربِ آتش نوا دِل سوز لَے
حُسن نغمہ ، عشق نغمے کی حسیں تاثیر ہے
حُسن ہے اِک راز ، عشق اس راز کی تفسیر ہے
حُسن ربط و ضبطِ ہستی ، حُسن رُوحِ کائنات
عِلّتِ تخلیقِ آدم ، رونقِ بزمِ حیات
حُسن سے روحِ رواں ہے حُسن سے تاب وتواں
حُسن سے بزمِ جہاں ہے حُسن سے کون و مکاں
حُسن رنگ و نُور ہے اور حُسن سوز و ساز ہے
حُسن میں تزئینِ بزمِ رنگ و بُو کا راز ہے
بزمِ امکاں حُسن سے جنت بداماں ہو گئی
اِس کے دم سے ہر خلش راحت کا ساماں ہو گئی

Marfat.com

جنون و خرد

خرد کو جب بھی ملا وہ پسِ نقاب ملا
جنوں کو جب بھی مِلا ہو کے بے حجاب ملا
سراغِ نقشِ کفِ پا خرد کی منزل ہے
رُخِ نگار کا جلوہ جنوں کا حاصِل ہے
خرد کو حوصلۂ دیدِ حُسنِ یار کہاں
بغیرِ دِید جنُوں کو مگر قرار کہاں
یقیں خرد کو نہیں اپنی کامیابی کا
جنُوں کو مل بھی چکا اِذن باریابی کا
خرد تو کوئے طلب کے غبار میں گُم ہے
جنُوں مشاہدۂ حُسنِ یار میں گُم ہے
خردِ تمام ہُوئی پھر بھی ناتمام رہی
قریبِ میکدہ رہ کر بھی تشنہ کام رہی
جنُون پیرِ مغاں کے قریب رہتا ہے
ہمیشہ اوج پہ اس کا نصیب رہتا ہے

پیامِ عاشقی

گوشِ جنوں سے سُن لیا جس نے پیامِ عاشقی
رُوحِ یقین سے مِلا اس کو سلامِ عاشقی

فِکر کہاں رہی اسے گردشِ روزگار کی
دیکھ چکا جو خُوش نصیب گردشِ جامِ عاشقی

گوش بھی حق نیوش ہو قلب بھی حق شناس ہو
تب ہو نصیب میں کہیں لُطفِ کلامِ عاشقی

طائرِ حُسن کا وصال ہو گا نصیب اسے ضُرور
دانۂ صبر ہو اگر زینتِ دامِ عاشقی

ہو گئیں سہل مُجھ پہ سب راہِ طلب کی مُشکلیں
جب سے ہے دِل کا مشغلہ شربِ مدامِ عاشقی

بن کے رہے گی ایک دِن سُرمۂ دیدۂ سحر
میرے جنوں کے فیض سے ظُلمتِ شامِ عاشقی

کیسی عذاب ناک ہیں ہوش و خرد کی تلخیاں
ان کا علاج ہے فقط کیفِ دوامِ عاشقی

غُنچۂ آرزُو کِھلا شاخِ مراد جُھوم اُٹھی
دے گیا مژدۂ بہار دل کو پیامِ عاشقی

Marfat.com

آ گئی وجد میں وہیں موجۂ سلسبیل بھی
جب کسی رند مست نے لے لیا نامِ عاشقی
زاہدِ کم نظر کا شوق گردشِ سبحہ میں ہے محو
مرے جنوں کا شغل ہے گردشِ جامِ عاشقی

ہوش کی سختیاں گئیں عقل کی دھمکیاں گئیں
جب سے بنا ہے دِل مرا فیضؔ غلامِ عاشقی

Marfat.com

قطعات

موج و گرداب تیز گام تو ہیں
ان میں عظمت نہیں ثبات نہیں
جس میں عظمت نہ ہو ثبات نہ ہو
وہ سرابِ نظر ہے آب نہیں

جو اسیرِ زمان ہے وہ حباب
جو اسیرِ مکاں ہے وہ گرداب
اور جو ہو اِن تعیّنات سے پاک
ہے وہی بحرِ بے کراں وہی آب

سازِ نغمہ کہوں کہ نغمۂ ساز
حُسنِ معنیٰ بنا ہے حرف طراز
کیسی تقدیم اور کہاں تاخیر
ناز ہے جلوہ گر برنگِ نیاز

وصل میں بھی ہے آرزوئے وصال
دردِ فُرقت سے ہے نجات کہاں
دردِ فُرقت سے ہو نجات اگر
پھر یہ ہنگامۂ حیات کہاں

...... ۞ ......

مَن کی دُنیا سُرور کی دُنیا
تَن کی دُنیا غرور کی دُنیا
مَن کی دُنیا تمام قرب و وصال
تَن کی دُنیا ہے دُور کی دُنیا

...... ۞ ......

تن کی دُنیا شنید کی دُنیا
اور "ھَل من مزید" کی دُنیا
مَن کی دُنیا شہیدِ نُورِ جمال
مَن کی دُنیا ہے دِید کی دُنیا

...... ۞ ......

مَن کی دُنیا ہے بے حدود و ثغور
کیف و کم سے پرے جہات سے دُور
اِس جہاں میں خرد کو دخل کہاں
محویت ہے کلیدِ بزمِ سرور

...... ۞ ......

Marfat.com

عشق و مستی کا حسین دلکش نگر آلو مہار

اے سر زمین اولیاء اے خطہء آلو مہار
شوکت خورشید تیرے ایک ذرّے پر نثار

حضرت شیخِ مجدد کی ولایت کا امیں
عشق و مستی کا حسیں دلکش نگر آلو مہار

جلوۂ نور محمد کا یہ سارا بانکپن
تاج فرق اولیاء اس آستانے کا غبار

ہادیِ راہ ہُدیٰ کی پاک نظروں کے طفیل
ہو گیا اس آسماں کا ہر ستارہ نامدار

اولیائے گلشن چشن شہی تم پر سلام
ہے تمہارے فیض سے بزمِ طریقت میں بہار

جن کی آغوش ولایت ہے امین اہل دل
جس طرح پنہاں صدف میں گوہر صد آبدار

اولیاء اس سر زمین کے گلشن آلِ رسول
اے حسین پاک تیری نکہتوں کا یہ نکھار

کشور پنجاب کا جھومر ، وطن کی آبرو
سیّد فیض الحسن اہل نظر کا تاجدار
اپنے منگتوں کو نوازا آپ نے ہے کس قدر
ہے سعیدؔ بے نوا بھی تیرے ادنیٰ منگتوں میں شمار

نتیجہ فکر...... حضرت ابوالبیان پیر محمد سعید احمد مجددی قدس سرہُ العزیز

حاصلِ مطالعہ

Marfat.com

Marfat.com

عالمی ادارہ تنظیم الاسلام

Marfat.com